شاہ حاتم

حالات و کلام

مرتبہ

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

مکتبہ خیابان ادب ۳۹۔ چیمبرلین روڈ
لاہور

شیخ ظہور الدین دہلوی

المعروف بہ

شاہ حاتم

حالات و کلام

☆

مرتبہ

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

ایم - اے - پی ایچ - ڈی

لیکچرار شعبۂ اردو ، یونیورسٹی اورینٹل کالج ، لاہور

مطبع — جدید اردو ٹائپ پریس ، لاہور

طباعت — ۱۹۶۴ء

تعداد — ۵۰۰

قیمت — پندرہ روپے

مندرجات

دیباچہ

سات آٹھ برس قبل کی بات ہے جب راقم یونیورسٹی ریسرچ سکالر کی حیثیت سے یونیورسٹی لائبریری میں کام کر رہا تھا، شاہ حاتم کے دیوان زادہ کا قلمی نسخہ نظر سے گزرا۔ یہ نسخہ کرم خوردہ تھا۔ ابتدا میں ناقص اور آخر میں نا مکمل، لیکن کلام کے ساتھ سنین کا التزام دیکھ کر مجھے اس نسخے سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ چونکہ میرا موضوع تحقیق ''اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر'' تاریخی نوعیت کا تھا اس لیے میری یہ دلچسپی بڑھتی ہی گئی۔ اسی زمانے میں مخدومی قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر پٹنہ بھی یہاں تشریف لائے۔ ان کے نیاز حاصل ہوئے۔ انہوں نے بھی دیوان زادہ کے دیگر نسخوں کے مقابلے میں (جو علی گڑھ، رام پور، لندن وغیرہ میں ہیں) پنجاب یونیورسٹی کے اس نسخے کو بہت اہم بتایا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نسخے میں شاعر کا آخر عمر کا کلام بھی موجود ہے۔ شاہ حاتم کے سال وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف پر تفصیلی بحث آگے آئے گی۔ لیکن حاتم کا یہ آخری کلام اس سلسلے میں بہت مدد دیتا ہے۔ سعادت یار خاں رنگین (متوفی ۱۲۵۱ھ) کے بارے میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے لکھا ہے ''ازغرائب امور آنکہ می گفت دریں سال رخت بعدم آباد می کشم چوں سبب پرسیدہ آمد گفت سالہاست کہ بیخواست مصرع تاریخ فوت خود بر زبان آمدہ کہ دریں سال از آنجہانی شدن من خبر میدھد و قصۂ شاہ حاتم کہ شاعر مشہور است و اوستاد او بود نقل کرد کہ ھمبریں نمط ایشان را اتفاق افتاد۔'' (گلشن بے خار، صفحہ ۸۸)۔ شاہ حاتم کے سال وفات (۱۱۹۷ھ) کی غزلوں میں یہ پیشین گوئی بھی موجود ہے۔ اس اعتبار سے یہ نسخہ بہت اہم ہے۔ اندریں حالات میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس نسخے کو مرتب کرنا چاہیے۔

شاہ حاتم کے کلام کا ایک انتخاب مولانا حسرت موہانی نے انتخاب سخن کے سلسلے میں ۱۹۲۵ء میں شائع کیا تھا۔ حسرت نے یہ انتخاب جس نسخے سے کیا اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور (مرحوم) نے ایک عرصہ پہلے انڈیا آفس والے نسخے کی تدوین کا کام شروع کیا تھا لیکن وہ یہ کام شاید اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے نہ کر سکے۔ صرف دیباچہ لکھ کر رہ گئے جو پہلے ''ہندستانی'' میں اور بعد میں کتابی صورت میں چھپا۔ گویا میدان صاف تھا اور اس موضوع پر کام کرنے کی بڑی گنجائش تھی۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں اپنے تحقیقی کام سے فارغ ہو کر میں نے یہ کام باقاعدگی سے شروع کر دیا۔ لیکن یہ میری بڑی جسارت تھی کہ ایک ہی نسخے (اور وہ بھی کرم خوردہ) سے تدوین کا یہ کٹھن کام سرانجام دوں۔ میرے وسائل محدود تھے اور دوسرے نسخوں تک رسائی وسائل کے بغیر مشکل تھی۔ تاہم چند احباب کے مشورے پر کام شروع کر دیا گیا۔ اور متن کے خاصے بڑے حصے کی تدوین کر لی گئی۔ کچھ کرم خوردہ اشعار اور کچھ لا ینحل مقامات باقی رہ گئے جن کے لیے کسی دوسرے نسخے کی ازبس ضرورت تھی۔ لیکن یہ مشکل جلد حل ہوتی نظر نہ آئی تو مناسب یہ سمجھا کہ مکمل دیوان زادہ کی طباعت سے پہلے جتنا کلام صاف ہو گیا ہے اسے اورینٹل کالج میگزین میں بالاقساط چھاپ دیا جائے۔ چنانچہ فروری ۱۹۶۳ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔

ایک دوسری جسارت میں نے یہ کی کہ دیوان زادہ کی مروجہ ترتیب بدل کر کلام کو تاریخی ترتیب (بہ حروف تہجی) سے مرتب کرنا شروع کیا۔ میری ناچیز رائے میں یہ صورت زیادہ مفید تھی۔ لیکن اس کی افادیت شاید اس صورت میں زیادہ نمایاں ہو سکے گی جب مکمل دیوان زادہ میرے مجوزہ منصوبے کے مطابق چھپ جائے۔ انشاءاللہ یہ مرحلہ بھی جلد طے ہو جائے گا۔

انتخاب کلام شاہ حاتم کی طباعت کے دوران میں نسخۂ رام پور کی نقل اور چند اور نامکمل نسخے انجمن ترقیٔ اردو کے کتب خانہ

(کراچی) سے دستیاب ہو گئے۔ افسوس ہے کہ اس انتخاب میں ان نسخوں سے زیادہ مدد نہ لی جا سکی۔ البتہ مکمل دیوان زادہ کی تدوین میں یہ نسخے بہت معاون ہوں گے۔ ان نسخوں کے لیے میں جناب مشفق خواجہ صاحب کا بہت ممنون ہوں۔ اکتوبر ۱۹۶۴ع میں انڈیا آفس والے نسخے کا مائیکرو فلم بھی حاصل ہو گیا۔ اگرچہ موجودہ مرحلے میں جب کہ انتخاب کلام کی آخری قسط مطبع میں تھی، اس سے استفادہ ممکن نہ تھا، تاہم آئندہ یہ مآخذ بھی مدد دے گا۔ میں اس تعاون کے لیے انڈیا آفس لائبریری کے منتظمین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میری درخواست پر چند ہفتوں میں یہ مائیکرو فلم فراہم کر دیا۔

پیش نظر انتخاب کلام کی تدوین کے سلسلے میں جن احباب و رفقاء نے میرا ہاتھ بٹایا میں ان کا بھی بہت ممنون ہوں۔ خصوصاً ڈاکٹر وحید قریشی اور خواجہ محمد زکریا کا جنھوں نے بعض مشکل مقامات کو حل کرنے میں پوری توجہ سے میرا ساتھ دیا۔ ان کے علاوہ حافظ مولانا نور الحسن، سید مشکور حسین یاد اور جناب ممتاز منگلوری جنھوں نے بعض مفید مشورے دیے۔ ایک شعر کے متعین کرنے میں جناب نصیر الدین ہاشمی (مرحوم) سے بھی مدد ملی جو خوش قسمتی سے گزشتہ سال لاہور آئے تھے۔ دیباچۂ دیوان زادہ (نسخۂ رام پور) کی نقل میرے دوست حامد خاں حامد نے فراہم کی۔ میں اپنے ان احباب کے خلوص و محبت کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

اگرچہ پیش نظر انتخاب کلام میں ترمیم و اضافے کی زیادہ گنجائش نہیں، تاہم تصحیح و اضافے کے سلسلے میں چند امور قابل توجہ ہیں:

تصحیح و اضافہ

۱۔ صفحہ ۵۷، مثنوی بہاریہ کے ضمن میں نسخۂ رام پور میں خاتمے کی یہ عبارت قابل ذکر ہے:

"کلیات فقیر کہ معہ اثاث البیت در ہنگامۂ شاہ درانی بغاوت رفتہ۔ دو

قطعۂ اخیر ازیں مثنوی در مسودہ بنظر نیامدہ یکے مجلس رقص و دویم خاتمہ که قریب یک صد بیت خواهد بود ۔ اگر از بعضے یاران که نقل ایں نوشته بردند بدست مے آید خواهد رسانید ۔''

۲- صفحه ۶۲ ببعد ' (دیباچه) "دهیلی'' اور "مہاورہ'' اصل متن کے مطابق رهنے دیا گیا ۔ یہاں دهلی اور محاورہ هونا چاهیے ۔

۳- صفحه ۷۵ ' سطر ۲۱ ' گیارهواں شعر یوں پڑها جائے اور حاشیه منسوخ سمجها جائے ۔

گهات چڑھ من هرن لگا رمنے دوڑیو یه شکار جاتا هے

۴- صفحه ۹۸ ' سطر ۱۶ "کمهه کمهه'' کی بجائے "گمهه گمهه'' ۔

۵- ص ۹۷ آخری سطر "تندهی'' کی بجائے "تند هے'' ۔

۶- ص ۱۰۲ ' دوسری غزل ' ردیف "القمری'' کی بجائے "اے قمری'' ۔

۷- ص ۱۰۳ ' س ۱۲ "نہیں'' کی بجائے "یہیں'' ۔

۸- ص ۱۱۱ ' س ۲۱ "هوے'' — "هوئے'' ۔

۹- ص ۱۱۴ ' س ۴ "بگهولے'' — "بگولے'' ۔

۱۰- ص ۱۱۴ ' س ۱۸ "کنهه'' — "کنه'' ۔

۱۱- ص ۱۳۶ ' س ۳ "مُلک ملک'' — "مُلک (و) ملک'' ۔

۱۲- ص ۱۵۲ ' س ۵ "تاؤ'' — "ناؤ'' (ناؤں) ۔

۱۳- ص ۱۵۳ ' آخری سطر کے آخر میں "هے'' اضافه کیا جائے ۔

۱۴- ص ۱۶۹ ' س ۲۱ "خیال خواب'' — "خیال (و) خواب'' ۔

۱۵- ص ۱۹۹ ' س ۶ "مجه کو'' — "مجه دل کو'' ۔

۱۶- ص ۲۳۱ ' س ۱۵ ' "... بهلا آدمی هو ' احسان کر'' — "... بهلا آدمی هوں ' احسان کر'' ۔

۱۷- ص ۲۷۳ ' س ۹ "کیجے'' — "کیجیے'' ۔

۱۸- ص ۲۷۳ ' س ۱۴ "پرچۂ نان'' — "پرچۂ ناں'' ۔

۱۹- ص ۲۷۸ ' س ۱۳ "آنکه'' کے بعد "تو'' اضافه کیا جائے ۔

۲۰- ص ۲۷۸ ' س ۱۸ "تسکین'' — "تسکیں'' ۔

۲۱- ص ۲۸۳ ' س ۲۰ / ص ۳۰۴ ' س ۱ } "نحن و اقرب'' — "نحنُ اقرب'' ۔

۲۲- ص ۲۸۴ ، س ۲۱ "امتحاں" — "امتحان" ۔

۲۳- ص ۲۸۷ ، س ۲۰ "ناداں" —"نادان" ۔

۲۴- ص ۲۸۷ ، س ۲۳ "نگاہ" — "(جنگاہ ؟)" ۔

۲۵- ص ۲۸۸ ، س ۳ "خیر" — "(غیر ؟)" ۔

۲۶- ص ۲۸۸ ، س ۱۵ } "آعمی" — "اعمی" ۔
ص ۳۰۴ ، س ۲ }

۲۷- ص ۲۹۰ ، س ۸ "ایک" — "اک" ۔

۲۸- ص ۲۹۲ ، س ۸ "آہ فغاں" -- "آہ (و) فغاں" ۔

۲۹- ص ۳۰۱ ، س ۴ ، سوالیہ نشان منسوخ کر دیا جائے ۔

۳۰- ص ۳۱۱ ، س ۱۵ "صبح د مسا" — "صبح و مسا" ۔

۳۱- ص ۳۱۹ ، س ۵ "س" — "اس" ۔

۳۲- ص ۳۱۹ ، س ۵ "روز" — "زور" ۔

۳۳- ص ۳۱۹ ، س ۲۰ "القمری" — "اے قمری" ۔

۳۴- ص ۳۲۱ ، س ۲، ۴ "ایک" — "اک" ۔

۳۵- ص ۳۲۲ ، س ۱۸ "ایک" — "اک" ۔

۳۶- ص ۳۲۳ ، س ۹ "ھندوستاں" — "ھندستاں" ۔

۳۷- ص ۳۲۳ ، س ۱۷ "ھوئی" — "ھوئے" ۔

۳۸- ص ۳۲۴ ، س ۱ "ایک" — "اک" ۔

بعض الفاظ کی املا متن میں درست کی گئی ھے اور حاشیے میں تصریح کر دی گئی ھے ۔ متن کو حتی الامکان جدید املا میں لکھنے کی سعی کی گئی ھے ۔ مثلاً مونہہ کو منہ ، پہونچا کو پہنچا ، یہہ کو یہ ، اوس کو اُس ، اون کو اُن ، وغیرہ (البتہ بعض جگہ قدیم املا ملے گی ۔) قدیم املا میں بعض الفاظ کو جوڑ کر تشدید کے ساتھ لکھا جاتا تھا ۔ مثلاً جنّے ، جسّے وغیرہ ۔ ان الفاظ کو جدید املا میں "جن نے" یا "جس نے" اور "جس سے" کی صورت میں لکھا گیا ھے ۔ "کیتیں" کو "کے تئیں" کی شکل میں ۔ بعض جگہ مخطوطے میں "نئیں" ھے ۔ اس کو "نہیں" ۔ مخطوطے میں بعض جگہ "آپر" کو "اوپر" لکھا ھے ۔ اس کو اسی طرح رھنے دیا گیا ھے ۔

شاہ حاتم اور ان کا کلام

حالاتِ زندگی

شیخ ظہور الدین نام ، حاتم تخلّص ، عرف شاہ حاتم ۔ والد کا نام شیخ فتح الدین تھا ۔ شاہ جہان آباد (دھلی) میں پیدا ہوئے ۔ سال ولادت ۱۱۱۱ ھجری ھے جو اُن کے نام کے جزو "ظہور" سے نکلتا ھے ۔ مصحفی "عقد ثُریا" میں لکھتے ھیں : "بقولش تاریخ تولدش حرف ظہور باشد" ۔ تذکرۂ ھندی میں مصحفی لکھتے ھیں : "تاریخ تولدش بقولے از حرف ظہور بر می آید" ۔ بعض تذکرہ نگاروں نے شیخ محمد حاتم نام لکھا ھے ۔ مثلاً میر تقی میر "شیخ محمد حاتم ، حاتم تخلّص" (نکات الشعرا ، ص ۹۷) ، خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی "حاتم ، محمد حاتم" (گلشن گفتار ، ص ۲۰) ، سیّد فتح علی گردیزی "اسرار معنی را ملہم محمد حاتم ، حاتم" (تذکرہ ریختہ گویاں ، ص ۴۹) ، قائم چاند پوری "محمد حاتم ، حاتم تخلّص" (مخزن نکات ، ص ۲۴) لچھمی نرائن شفیق "شیخ محمد حاتم ، حاتم تخلص" (چمنستان شعرا ، ص ۱۳۴) ، میرحسن "شیخ محمد حاتم ، المتخلص بہ حاتم (تذکرہ شعرائے اُردو ، ص ۶۴) ، شپرنگر "حاتم ، محمد حاتم" (یادگارشعرا ، ترجمہ طفیل احمد ص ۶۸) لیکن شپرنگر نے لالہ مکند سنگھ فارغ کے ضمن میں لکھا ھے "شیخ ظہور الدین کے شاگرد ھیں" (یادگار شعرا ، ص ۱۵۱) ۔ شپرنگر نے مصحفی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ھے "مصحفی جو اُن کو جانتے تھے ان کو ظہور الدین عرف شاہ حاتم کہتے ھیں اور اُن کا بیان ھے کہ یہ دھلی میں ۱۱۱۱ھ میں

پیدا ہوئے تھے اور ان کا پیشہ سپہ گری تھا ۔ مصحفی کا یہ بھی بیان ہے کہ اُس زمانے میں ایک اور حاتم تھے اور اکثر دونوں میں دھوکا ہوگیا ۔ اگر ظہور الدین کا نام محمد بھی رہا ہو، تب بھی یہ غیر ممکن نہیں کہ قائم وغیرہ نے دونوں میں دھوکا نہ کھایا ہو ۔ محمد حاتم اور ظہور الدین حاتم میں فرق ہے ۔ آخر الذکر زیادہ مشہور اور دیوان زادہ کے مصنّف تھے ۔ مسٹر ھالؔ نے، جن کی رائے بہت زیادہ وقعت رکھتی ہے، دونوں میں فرق ظاہر کیا ہے" (یادگار شعرا، ص ۶۸) ۔ مصحفی نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے ۔ " از ہندی گویان قدیم ایں دیار یادگار است و نام نامیش از بس شہرت بسیار مذکور زُبان صغار و کبار ۔ طرز اولش در شعر بطور مضمون و ناجی و آبرو وغیرہ شعرائے ایہام بند است و طرز آخرش با انداز تازہ گویان حال ۔ بعضے اشخاص نزدیک و دور شاہ مذکور را بسبب طوالت عمرش خود از رفتگاں شمردہ حاتم ثانی قرار میدھند ۔ لہذا دریں آخرِ عمر دیوانے کہ در زبان ریختہ گویان حال ترتیب دادہ نامش دیوان زادہ گذاشتہ تا رفع اشتباہ آنہا گردد" (عقد ثریا، ص ۲۳) اس کے بعد مصحفی نے " تذکرۂ ہندی" میں بھی اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا : " الحال کہ در دورۂ ما زُبان ریختہ بسیار بہ پاکیزگی و عمدگی رسیدہ مشارٌ الیہ ہم مرتبۂ سخن تازہ گویان فہمیدہ دیوان قدیم خود را از طاق دل افگندہ، دیوان جدید بزبان ریختہ گویان حال ترتیب دادہ و دیوان زادہ نامش گذاشتہ اما بہ سبب طوالت عمر بعض مردم دور دست را کہ اشتباہ حاتم دویم می افتادہ برطرف کرد" ۔ (تذکرۂ ہندی، ص ۸۰) ۔ مصحفی کے ان دونوں بیانات کی روشنی میں شپرنگر کی غلط فہمی پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے ۔

مصحفی ، حکیم قدرت اللہ قاسم ، مصطفیٰ خاں شیفتہ ، گارسن دتاسی ، کریم الدین ، عبدالغفور نساخ نے اصل نام ظہور الدین ہی لکھا ہے۔ مصحفی نے عقد ثریا میں " حاتم ، شیخ ظہورالدین عرف شاہ حاتم ولد شیخ فتح الدین" لکھا ہے ۔ تذکرۂ ہندی کی عبارت یہ ہے : " حاتم ، شیخ ظہور الدین حاتم کہ شاہ حاتم گفتہ می شد" ۔ قاسم لکھتے ہیں : "حاتم ، بزرگے است بہ شیخ ظہورالدین موسوم و بزرگیش بہر کس معلوم ، بہ شاعری مشہور عالم المعروف بہ شاہ حاتم " (مجموعہ نغز ، ص ۱۸۰) - شیفتہ لکھتے ہیں " حاتم ، تخلص شیخ ظہور الدین نام المعروف بشاہ حاتم " (گلشن بے خار ، ص ۵۴)- کریم الدین نے قاسم کی عبارت کا ترجمہ کر دیا ہے ۔ نسّاخ نے " حاتم ، تخلص ، ظہور الدین مرحوم دہلوی عرف شاہ حاتم " لکھا ہے (سخن شعرا ، ص ۱۲۰) ۔ ان بیانات کی مزید تائید " دیوان زادہ " مخطوطہ ۱۱۹۵ ھ (مملوکہ پنجاب یونیورسٹی) سے ہوتی ہے جو شاہ حاتم کے شاگرد مکند سنگھ فارغ کا لکھا ہوا ہے ۔ مصحفی نے خود حاتم کے اقوال کو بنیاد بنایا ہے ۔ باقی تذکرہ نگاروں نے بالعموم عرف عام " شاہ حاتم " ہی کو نام بنا دیا ہے اور حاتم کے ساتھ محمد کا بھی اضافہ کر دیا ہے ۔

شاہ حاتم کے والد غالباً سپاہی پیشہ تھے ۔ سپہ گری اس زمانے میں سب سے معزز پیشہ اور ترقی و کامرانی کا زینہ سمجھا جاتا تھا ۔ دستور زمانہ کے مطابق شاہ حاتم نے بھی فن سپہ گری کی تکمیل کے بعد یہی پیشہ اختیار کیا ۔ مصحفی عقد ثُریّا میں لکھتے ہیں : " در ایّام جوانی سپاہی پیشہ بود و ہم شعر ریختہ را بر روے کار آوردہ " (ص ۲۳)۔ تذکرۂ ہندی میں لکھتے ہیں : " ہمیشہ عمدہ معاش و اوقات بخوبی گزرانیدہ ۔ مرد سپاہی پیشہ از ہندوستان زایان قدیم بود " (ص ۸۰) شعر و شاعری

کا چرچا ان دنوں عام تھا - شاعری اور سپہ گری میں ابھی ایسا بُعد پیدا نہیں ہوا تھا کہ مرزا غالب کی طرح کسی شاعر کو معذرت کی ضرورت پیش آئے - اس ماحول میں شاہ حاتم کو بھی شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اور انہوں نے اس فن کو اپنے کمال کا ذریعہ بنا لیا ؎

اے قدر[1] داں کمالِ حاتم دیکھ
عاشق و شاعر و سپاہی ہے

شاہ حاتم نے پہلے رمزی تخلّص اختیار کیا - "دراں وقت چندے برمزی تخلّص می کرد" (عقد ثُریّا) - پھر حاتم تخلّص اختیار کر لیا اور اسی سے شہرت پائی - شاہ حاتم کی شاعری کی ابتدا کب ہوئی ؟ اس بارے میں کچھ اختلاف سا پایا جاتا ہے - محمد حسین آزاد نے آب حیات میں مصحفی کے حوالے سے سن ۳ محمد شاہی میں ولی کا دیوان دہلی پہنچنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے : "شاہ حاتم کی طبیعت موزوں نے بھی جوش مارا ، شعر کہنا شروع کیا" (آب حیات ، ص ۱۱۴) مصحفی نے دیوان ولی کے دہلی پہنچنے کی روایت شاہ حاتم کی زبانی نقل کی ہے - "روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سن دویم فردوس آرامگاہ دیوان ولی در شاھجہان آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ" (تذکرۂ ہندی، ص ۸۰) - مصحفی نے اپنے تذکرے میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ حاتم نے ولی کے دیوان سے متاثر ہو کر شاعری شروع کی- صرف ولی کے دیوان کی شہرت و مقبولیت بیان کی ہے - آب حیات میں سن کا اختلاف بھی کھٹکتا ہے -

شاہ حاتم کے آغاز سخن کے بارے میں خود اُن کے اپنے بیانات زیادہ قابل لحاظ ہیں - انہوں نے چند اشعار میں اپنے زمانۂ شاعری کا

---

(۱) یہاں قَدر کی بجائے قَدَر بندھا ہے -

تعیّن یوں کیا ہے:

۱۱۶۱ھ کی ایک غزل کا مقطع ہے ؎

حاتم کا شور تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

اس شعر میں شاعری کی ابتداء کی بجائے شہرت و مقبولیت کا ذکر ہے۔ گویا اُن کی شاعری کا آغاز ۱۱۳۱ھ سے پہلے ہو چکا تھا۔

۱۱۶۴ھ کی ایک غزل کا مقطع یہ ہے ؎

چالیس برس ہوئے کہ حاتم
مشّاق قدیم و کہنہ گو ہے

ڈاکٹر محی الدین زور نے "سرگذشت حاتم" میں یہ شعر لندن کے مخطوطہ (۱۱۶۹ھ) سے یوں نقل کیا ہے[1]۔

اڑتیس برس ہوئے کہ حاتم
مشّاق قدیم و کہنہ گو ہے

پہلے شعر کے مطابق حاتم کی شاعری کا آغاز ۱۱۲۴ھ سے ہو جاتا ہے اور دوسرے شعر کے مطابق ۱۱۲۶ھ سے۔ گویا پہلی صورت میں انہوں نے چودہ سال کی عمر میں اور دوسری صورت میں سولہ سال کی عمر میں شاعری شروع کی۔

۱۱۸۹ھ کی ایک غزل کا مقطع ہے ؎

دو قرن گزرے آسے فکر سخن میں روز و شب
ریختے کے فن میں حاتم آج ذوالقرنین ہے

اگر ایک قرن تیس برس مراد لیا جائے تو اس شعر کے لحاظ سے حاتم کی شاعری کا آغاز ۱۱۲۹ھ میں ہوا۔ اس طرح اشعار سے حاتم

۱۔ سرگزشت حاتم، مؤلفہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۲۲—راقم کے پیش نظر دیوان زادہ (مخطوطہ ۱۱۹۵ھ) ہے۔

کی شاعری کے آغاز اور مدّت کا متعیّن کرنا ذرا دشوار سا ہو جاتا ھے۔ اس کے مقابلے میں حاتم نے دیوان زادہ کے دیباچے میں اپنی شاعری کی ابتداء کا جو سن بتایا ھے وہ زیادہ قابل لحاظ معلوم ھوتا ھے۔ ”از سن یک ھزار و یک صد و بیست و ھشت تا یک ھزار و یک صد و شصت و نہ کہ چہل سال باشد نقد عمر دریں فن صرف نمودہ“ (مخطوطہ ۱۱۸۸ھ، رضا لائبریری، رام پور)۔ ڈاکٹر زور نے لندن کے مخطوطہ سے یہ عبارت یوں نقل کی ھے: ”از سنہ یکھزار و بست و ھشت تا یکھزار و شست و ھشت کہ قریب چہل سال باشد نقد عمر دریں فن نمودہ“ (سرگذشت حاتم، ص ۲۲)۔ ڈاکٹر زور کی عبارت میں یک ھزار کے بعد ”یک صد“ کے الفاظ دونوں جگہ غالباً سہو کتابت سے رہ گئے ھیں[1]۔ رام پور والے نسخے میں ۱۱۲۸ھ تا ۱۱۶۹ھ دونوں سن درست ھیں کیونکہ شاہ حاتم نے دیوان زادہ ۱۱۶۹ھ میں مرتّب کیا تھا اور دیباچہ بھی غالباً اسی سال لکھا گیا تھا۔

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں دیوان زادہ کے دیباچے کا خلاصہ دیتے ھوئے یہ لکھا ھے: ”از ۱۱۲۹ھ تا ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد عمر دریں فن صرف کردہ“ (آب حیات ص ۱۱۵)۔ آزاد کا یہ بیان، جو غالباً حافظہ کی یاد داشت پر مبنی ھے، مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں قابل قبول نہیں رھتا۔ اس لیے حاتم کی شاعری کی ابتداء کے سلسلے میں ۱۱۲۸ھ کا سن ھی مستند قرار دیا جا سکتا ھے۔

محمد شاہ کے دوسرے سن جلوس (۱۱۳۲ھ) میں ولی کا دیوان

---

(۱) فہرست مخطوطات انڈیا آفس مرتّبہ بلوم ھارٹ میں بھی "یک صد" غائب ھے۔ غالباً یہ سہو اصل نسخے میں کاتب سے ھوئی ھوگی لیکن بلوم ھارٹ اور ڈاکٹر زور نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

دھلی پہنچا - اور اس کے اشعار زبان زد خاص و عام ھوگئے - مصحفی نے یہ روایت خود شاہ حاتم کی زُبانی تذکرۂ ھندی میں نقل کی ھے - شاہ حاتم فارسی شاعری میں مرزا صائب سے اور ریختہ میں ولی سے متاثر تھے - دیوان زادہ کے دیباچے میں اس امر کا اعتراف یوں کیا ھے :
''در شعر فارسی پیروی میرزا صائب است و در ریختہ ولی را اُستاد میداند''

(مخطوطہ رضا لائبریری ' رام پور)

پیروی سخن کے سلسلے میں حاتم نے ۱۱۷۰ھ کی ایک غزل کے مقطع میں یہ کہا ھے :

ریختے میں ھند کے طوطی کا حاتم ھے غلام
فارسی میں خوشہ چیں ھے بُلبُلِ تبریز کا

(دیوان زادہ ' مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی)

اس شعر پر کاتب دیوان زادہ مکند سنگھ فارغ شاگرد حاتم نے حاشیہ لکھا ھے اور طوطئی ھند ' کنایہ امیر خسرو رح اور بُلبُل تبریز ' کنایہ مرزا صائب رح قرار دیا ھے - لیکن دیوان زادہ کے دیباچے میں شاہ حاتم کے بیان کے بعد یہ حاشیہ آرائی قابل قبول نہیں رھتی -

دیوان ولی کی آمد پر شاہ حاتم نے ولی سے متاثر ھو کر متعدد غزلیں اُن کی زمینوں میں لکھیں - ڈاکٹر زور نے ان کی تعداد ۱۳ بتائی ھے -[۱] لیکن ڈاکٹر زور کا یہ بیان محلِّ نظر ھے کہ ولی جب محمد شاہ کے عہد میں دھلی آئے تو حاتم نے بھی اُن سے ملاقات کی[۲] -

(۱) سرگزشت حاتم ' مرتّبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ' ص ۲۶ -
(۲) سرگزشت حاتم ' مرتّبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ' ص ۲۵

نواب اصغر علی خان کی فرمائش پر حاتم نے ولی کی زمین میں جو غزل ۱۱۳۸ھ میں کہی ہے اُس کا مقطع ہے:

اے ولؔی مجھ سے تُو آزردہ نہ ہونا کہ مجھے
یہہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے

ڈاکٹر زور نے دیوان زادہ مخطوطۂ لندن کے حوالے سے اس غزل کو ۱۱۴۱ھ کی تخلیق بتایا ہے۔ (پہلے مصرعہ میں تُو کی بجائے ''اب'' لکھا ہے)۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ولؔی غالباً ۱۱۴۱ھ میں دہلی میں موجود تھے[۱]۔ لیکن بات یہ ہے کہ حاتؔم کی یہ عذر خواہی غائبانہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ اب جب کہ ولی کا سال وفات ۱۱۱۹ھ متعیّن ہو چکا ہے[۲] اور مصحفی کے تذکرۂ ہندی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں ولی خود شمالی ہند نہیں آئے بلکہ اُن کا دیوان آیا۔ تو ولی سے حاتم کی ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کلام ولی سے متاثر ہو کر ریختہ میں انہیں اپنا استاد ماننا ایسے ہی ہے جیسے فارسی میں مرزا صائب کو حاتم نے اپنا اُستاد مانا ہے۔

شاہ حاتم ایّام جوانی میں مرد سپاہی پیشہ تھے۔ تذکرہ نگاروں نے اُن کی اوائل زندگی کو فراغت و خوش حالی کی زندگی قرار دیا ہے۔ قائم چاند پوری لکھتے ہیں: ''در روزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ منصب ندیمی و خدمت بکاولیٔ نواب عمدۃ الملک مغفور پا بہ امتیاز داشت۔ بعد فوت او توکّل روزگار نمود با کمال آزادگی می گذارند''[۳] مصحفی

---

(۱) سرگذشت حاتم، مرتّبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۲۶۔
(۲) بحوالہ رسالہ "اردو" بابت جنوری ۱۹۳۴ع و اوریئنٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۳۴ع۔
(۳) مخزن نکات، قائم چاند پوری، ص ۲۴۔

عقد ثریا میں لکھتے ہیں: "از بسکه این خرابه از قدر دانان معمور بود امیر زاده هاے والا تبار و رؤساے ذوالاقتدار او را بیش از بیش بتواضع و تعظیم پیش آمده بر مسند برابر خود جا میدادند و مناسب حال خود با هر یکے زر وافر میگذرانید - مرد بزرگ و جهان دیده و فرسودۂ روزگار است - عمرها بعیش و طرب بوده و سالها بناز و نعمت پرورش یافته، حالا چوں کسے نماند بسبب مصلحت وقت هواے زمانه را مختلف دیده متوکلی و خانه نشینی اختیار کرده"[1] - چند سال بعد "تذکرۂ ہندی" میں مصحفی نے یہ لکھا: "همیشه عمده معاش و اوقات بخوبی گزرانیده، مردِ سپاهی پیشه از هندوستان زایان قدیم بود"[2]

حکیم قدرت اللہ قاسم نے مجموعہ نغز میں شاہ حاتم کی زندگی کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالتے ہوئے اُن کی رند مشربی کے عجیب و غریب واقعات بیان کیے ہیں - قاسم نے یہ باتیں غالباً اپنے اُستاد ہدایت اللہ خاں ہدایت کی زُبانی سُنی تھیں - کریم الدین نے طبقات الشعراے ہند میں مجموعہ نغز کے بیان کا ترجمہ پیش کر دیا ہے اور آب حیات میں آزاد نے بھی حاتم کے ذکر میں زیادہ تر انھی دو کو اپنا مآخذ بنایا ہے - اس لیے یہاں مجموعۂ نغز کی عبارت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

در اوایل حال به سپاهگری ایّام بسرمی برد و در آخرها بهدایت سعادة ازلی و ره نمونیٔ مشیت لم یزلی تعلقات دنیوی را خیر باد گفته مشت خاک خود بدامان اهلِ دل بربست و بریاضات

(۱) عقد ثریا، غلام همدانی مصحفی، ص ۲۳ -

(۲) تذکرۂ ہندی، غلام همدانی مصحفی، ص ۸۰ -

درویشانه در پیوست - در ایّامے که بسرکار دولت مدار نواب معلّٰے القاب عمدة الملک امیر خاں بہادر عفی الله عنه ملازم بود و ارتکاب منہیات بدرجه اعلیٰ می نمود - گاه گاه به تکیهٔ میر بادل علی مرحوم بجوار فایض الانوار نقش قدم رسول علیه الصلواة مبداء النفوس و العقول میرفت و میر مغفور که فقیر آزاد متشرع و درویش خُدا یاد متورع و از مُریدان خاص حضرت شاه امین سُہروردی که عقب دیوار پائین قاضی حمید الدین ناگوری قدس الله تعالیٰ اسرار ہما مجردانه خُفته است بوُد ، در میخورد تا رفته رفته اراده بدلش جا گرفت و بعد اظہار مافی الضمیر عزّ قبول پذیرفت - اما حسب ظاہر مامور معروفات و ممنوع از منہیات نگشت - در عرصه پنج شش ماه به عطاے تسبیح و مصلّیٰ و کلام الله و خرقه و ماینا سبہا بے آنکه مکلف بعمل شرائع گردد بمرور و تدریج سرفراز گشت - در آخر ہمه ورقے که بران استغفارے که از اوراد خاصهٔ حضرات سُہرورد بود روح الله تعالیٰ ارواحہم باو رسید و بخواندن آن مامور گردید - بمجرد خواندن حالتے بوے دست داد که در حین میل مباشرة زنا حرکتے از قویٰ شہوانی در خود نمی یافت و ہنگام اراده شرب مدام بمجرد رسیدن بوے ام الخبائث بمشام تہوع و قے دست میداد - تا بالمره حرف عمل منہیات از صفحهٔ خاطر عاطرش حک گردید و به صلاح و فلاح دنیوی و اخروی وارسید - بہرحال بسیار آزادانه زندگی می نمود و خیلے خوش مزاج و خلیق بود - در آخر ہاے روز مدام به تکیه شاه تسلیم که بر شاه راه راج گھاٹ ، زیر دیوار قلعه مبارک واقع است ، تشریف شریف ارزانی میداشت ، و

برخلاف وضع آزادان نیمہ می پوشید و بسیار با نظافت و طہارۃ
می زیست و گرد مسکرات نمی گشت و بصوم و صلواۃ و سائر
شرعیات سخت مقیّد بود ۔ اما دستار چہ آزادانہ بر کلاہ می بست
و چوبک باریک و رومال کہ شعار آزادان است با خویش
میداشت ۔ بالجملہ درویشے بود نیک دین ، صاحب یقین و شاعرے
بود باتمکین[1] ،، ۔

شاہ حاتم کے حالات زندگی تذکرہ نگاروں کے بیانات کے مطابق
کم و بیش یہی ہیں ۔ ان میں سے بعض باتیں شاہ حاتم کی زندگی پر
روشنی ڈالتی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جو ذرا محلّ نظر ہیں ۔ اگر
کسی شاعر کا اپنا کلام اُس کی زندگی کے حالات و کوائف پر روشنی
ڈال سکتا ہے تو یقیناً شاہ حاتم کا کلام بھی اس بارے میں ہماری
رہنمائی کر سکتا ہے ۔ دیوان زادہ میں ایسے بہت سے اشعار مل جاتے ہیں
جو ہمیں شاہ حاتم کی زندگی کے حالات اور اُن کی شخصیت کے خط و خال
معلوم کرنے میں ممد ثابت ہو سکتے ہیں اور اُن کی مدد سے ہم تذکرہ
نگاروں کے بیانات کی صحت یا عدم صحت کا جائزہ بھی لے سکتے ہیں ۔

شاہ حاتم مرد سپاہی پیشہ بھی تھے اور ایک خوش نوا
شاعر بھی ۔ اور اس لحاظ سے اُن کی زندگی کا ایک حصّہ ضرور ایسا ہے
جو امرا و رؤسا کی مصاحبت و سرپرستی میں گزرا اور انہیں عیش و آرام
بھی میّسر آیا ۔ لیکن مصحفی کا یہ بیان کہ ''ہمیشہ عمدہ معاش و
اوقات بخوبی گزرانیدہ،، کلام حاتم کی روشنی میں مکمل طور پر قابل
قبول نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح قائم چاند پوری کا یہ بیان کہ عمدۃ

---

(۱) مجموعہ نغز ، حصّہ اوّل ، حکیم قدرت اللہ قاسم ، مرتّبہ حافظ محمود شیرانی ،
ص ۱۷۹ تا ۱۸۰ ۔

الملک نواب امیر خاں کی وفات کے بعد توکّل کی راہ اختیار کی، کچھ درست معلوم نہیں ہوتا۔ مصحفی نے عیش و طرب اور ناز و نعمت میں زندگی گزارنے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن حکیم قدرت اللہ قاسم نے اس میں جو رنگ بھرا ہے وہ کچھ افسانوی سا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اُن کی اکثر معلومات بڑی قیمتی ہیں۔ بہر کیف ہم ان آراء و اقوال کو خود شاہ حاتم کے کلام کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ حاتم نے جب آنکھ کھولی تو مغل سلطنت کے زوال و انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اورنگ زیب عالم گیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) کے بعد تخت و تاج کے حصول کی خاطر تیموری شہزادوں کی خون آشام جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو روشن اختر محمد شاہ کی تخت نشینی (۱۱۳۱ھ) کے ایک دو سال بعد تک جاری رہا۔ اس عرصے میں برّعظیم ہندوستان کی سٹیج پر جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا اُس نے مغلوں کے نظام سلطنت کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ اورنگ زیب کے زمانے کے بیشتر امرا خانہ جنگیوں کی نذر ہو گئے، جو بچ رہے وہ اپنی عزّت و آبرو بچانے کے لیے خانہ نشین ہو بیٹھے۔ مرد سپاہی پیشہ کی وہ قدر و قمیت جو مغلوں کے عروج کے زمانے میں تھی باقی نہ رہی۔ شاہی دربار یا تو عیش و طرب کا اڈّا بنا ہوا تھا اور یا مختلف درباری گروہوں اور اُن کے سربراہوں کی سازشوں کا اکھاڑہ۔ جہاں ایرانی، تورانی اور ہندوستانی گروہوں کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے گروہ شب و روز اپنے اپنے مفادات کی خاطر سیاسی داؤ پیچ کرتے رہتے تھے؛ جس سے سلطنت کا رہا سہا وقار بھی ختم ہو رہا تھا۔ تاریخ کا یہی وہ نازک دور ہے جب سر زمین ہند میں ایسے ایسے فتنوں نے سر اُٹھایا کہ جن کے نتیجے میں صدیوں کا بنا بنایا معاشرتی و سیاسی نظام درہم

برہم ہو کر رہ گیا۔ مرہٹوں نے شمالی ہند پر یورشیں اسی زمانے میں کیں، مرکز سلطنت کے قرب و جوار میں جاٹوں، سکھوں اور روہیلوں کی فتنہ آرائیاں اور پھر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے اور قتل عام بھی اسی زمانے میں ہوئے۔ غرض یہ وہ فتنہ خیز عہد ہے جس میں نہ مغل سلطنت میں کوئی دم خم باقی رہا تھا اور نہ ملک کے معاشرتی و معاشی نظام میں کوئی سکون و ثبات کی صورت رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں افراد کی نجی زندگیوں میں عیش و طرب اور ناز و نعمت کی کیفیت کب تک باقی رہ سکتی تھی۔ بادشاہوں اور امیروں کا اپنا اقتدار پا در ہوا تھا تو اُن کے متوسلین کس طرح عمدہ معاش کر سکتے تھے۔

شاہ حاتم کا سفینۂ حیات بھی اسی گرداب حوادث میں سے گزرا — وہ مرد سپاہی پیشہ تو ضرور تھے لیکن ایک ایسے عہد میں پیدا ہوئے جب مرد سپاہی پیشہ کی کوئی قدر نہ رہی تھی۔ مغلوں کا فوجی نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ ایک کھوکھلا سا بھرم رہ گیا تھا جس کو پہلے مرہٹوں نے (۱۱۴۹ھ میں دلّی تک یلغار کرکے) اور پھر نادر شاہ نے (۱۱۵۱ھ میں) پوری طرح کھول کر رکھ دیا — شاہ حاتم کی زندگی کے ابتدائی ایّام بھی تلاش معاش اور فاقہ مستی و احتیاج ہی میں گزرے معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۱۳۵ھ کی ایک غزل کا مقطع ہے[1] ؎

محتاجگی سے مجکو نہیں ایک دم فراغ

حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

---

(۱) ڈاکٹر زور نے سرگذشت حاتم میں یہ شعر ۱۱۴۵ھ کی غزل کا قرار دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی شاہ حاتم کی عمر اس وقت چوبیس سال بتائی ہے۔ حالانکہ اُن کی عمر ۱۱۳۵ھ میں چوبیس سال ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے یہ شعر ۱۱۳۵ھ ہی کا درست ہے۔

اسی سال (۱۱۳۵ھ) کی ایک دوسری غزل کا مقطع ہے ؎

رات دن جاری ہے عالم میں مرا فیضِ سخن

گوکہ ہوں محتاج پر حاتم ہوں ہندستان کے بیچ

۱۱۳۶ھ میں شاہ حاتم نے ایک نظم (مسدس) توکّل و قناعت پر لکھی ہے۔ اس کے دس بند ہیں اور یہ دیوان قدیم میں شامل تھی۔ آخری بند ہے:

چشم امید رکھ کے خدا کے کرم کے ساتھ

باندھا نہیں ہے دل کو میں دام و درم کے ساتھ

گزران اب کروں ہوں جہاں میں بھرم کے ساتھ

گزرا ہوں قوتِ بیش سے قانع ہوں کم کے ساتھ

قسمت اوپر خوشی ہوں نہیں کام غم کے ساتھ

روزی مری ہے روز مرے دم قدم کے ساتھ

۱۱۴۰ھ کی ایک غزل کا یہ مقطع بھی شاہ حاتم کی زندگی کے اسی رنگ کی ترجمانی کرتا ہے ؎

آشنا حاتم غریبوں کا ہو امراؤں کو چھوڑ

نام کو ذرہ نہیں ہے ان بچاروں میں دماغ

شاہ حاتم نے ۱۱۴۱ھ میں ایک مخمّس شہر آشوب لکھا جس میں انہوں نے عہد محمد شاہی کی سیاسی بد انتظامی، معاشی بد حالی، معاشرتی افراتفری اور عام بے چینی کا خاکہ بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔ اس شہر آشوب میں اُس وقت کے داخلی انتشار و اضطراب کی کیفیت پوری طرح منعکس ہے جب کہ دھلی نے ابھی مرہٹہ یلغاروں اور نادر و ابدالی کے حملوں کے تباہ کُن مناظر نہیں دیکھے تھے۔ تاہم ایک ہولناک طوفان کی آمد سے قبل کے آثار و قرائن پیدا ہو چکے تھے۔ شاہ حاتم

کا یہ شہر آشوب اس لحاظ سے ایک بڑی اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے شاکر ناجی، رفیع سودا اور میر تقی کے شہر آشوبوں کا پیش رو کہا جا سکتا ہے - عام سیاسی و معاشرتی اختلال کے علاوہ اس شہر آشوب سے شاہ حاتم کی اپنی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے - یہاں صرف تین بند پیش کیے جاتے ہیں :

شہوں کی بیچ عدالت کے کچھ نشانی نہیں
امیروں بیچ سپاہی کی قدر دانی نہیں
بزرگوں بیچ کہیں بُوئے مہربانی نہیں
تواضع کھانے کی چاہو کہیں تو پانی نہیں
گویا جہاں سے جاتا رہا سخاوت و پیار

امیر زادے ہیں حیران اپنے حال کے بیچ
تھے آفتاب پر اب آ گئے زوال کے بیچ
پھریں ہیں چرخے سے ہر دن تلاش مال کے بیچ
وہی گھمنڈ امارت ہے پھر خیال کے بیچ
خُدا جو چاہے تو پھر ہو پر اب تو ہے دُشوار

کرے ہے چرخ اگر تجھ اوپر جفا حاتم
تو سفلے پاس نہ کر جا کے التجا حاتم
ترے ہے رزق کا ضامن سدا خدا حاتم
تُو انقلاب زمانہ سے غم نہ کھا حاتم
کہ تجھ کو رزق بہت اور روزگار ہزار

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ حاتم بھی اس زمانے میں دوسرے

مردان سپاہی پیشہ کی طرح عام معاشی اختلال کی زد میں تھے۔ شاہ بادل کا تکیہ اس غربت اور افلاس میں ایک سہارے سے کم نہ تھا۔ حاتم نے درویشی کا وہ رنگ ابھی شاید اختیار نہیں کیا تھا جس میں صبر و شکر، توّکل و قناعت اور تسلیم و رضا زندگی کی مثبت اقدار بن جاتی ہیں۔ شہر آشوب میں حاتم کا لہجہ خاصا تلخ ہے جو ایک عام دنیا دار کی محرومی و نارسائی کے ردّعمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں درویشی اور فقر کا پہلو مفقود ہے۔ تاہم شاہ بادل سے عقیدت رفتہ رفتہ حاتم کے دل و دماغ میں تغیّر پیدا کر رہی تھی۔

۱۱۴۴ھ کی ایک غزل کا یہ مقطع ہے

خودی کو چھوڑ، آ حاتمؔ خدا دیکھ
کہ تیرا رہنما ہے شاہ بادل

اور ۱۱۴۷ھ کی ایک غزل کا یہ مقطع ہے

قدموں لگا ہوں میر محمد امین کے میں
حاتم نہیں جہاں میں کمی اور غمی مجھے

فقر و درویشی کی ابتدائی منزلوں کا پتا دیتے ہیں لیکن ان میں ترک دنیا اور گوشہ نشینی کا نشان نہیں ملتا۔ اس زمانے میں شاہ حاتم نے بعض امراء کی فرمائشوں پر کچھ غزلیں بھی کہی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کبھی کبھی کوئی امیر ان کی سرپرستی بھی کر دیتا ہوگا۔ شاہ حاتم نے ۱۱۴۴ھ کے لگ بھگ اپنا دیوان قدیم مُرتّب کیا۔ اس زمانے میں اُن کی شاعری کا خاصہ شہرہ ہو چکا تھا۔ ۱۱۴۸ھ میں عہد محمد شاہی کے ناسور امیر عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام نے اُن کی سرپرستی کی۔ اس سال کی ایک غزل کا مقطع ہے

ممتاز کیوں نہ ہووے وو اپنے ہم سروں میں
حاتم کا قدر دان اب نواب امیر خاں ہے

۱۱۴۸ھ ہی کی ایک دوسری غزل کے مقطع میں شاہ حاتم نے نور الدولہ فاخر خاں کے لطف و عنایت کا ذکر یوں کیا ہے ؎

ہوں تو حاتم لیک ہردم لطف سے
مول لیتا ہے گا فاخر خاں مجھے

ڈاکٹر زور نے سرگذشت حاتم میں "دیوان زادہ" مخطوطہ لندن کے حوالہ سے اس غزل کی سرخی یہ لکھی ہے "بنام نورالدولہ فاخر خاں بہادر خلف نواب شمس الدولہ مشہور جنگ در ۱۱۵۱ھ"۔ چند برس بعد ۱۱۵۴ھ کی ایک غزل کے اس مقطع سے ؎

کچھ اب سامان اپنے عاقبت خانے کا کر حاتم
نہ بھول اس پر کہ نُورالدولہ کا میں خان ساماں ہوں

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ حاتم کی سرپرستی نواب امیر خاں کے علاوہ دوسرے امراء بھی کر رہے تھے - نواب امیر خاں ۱۱۵۲ھ کے اواخر یا ۱۱۵۳ھ کے اوائل میں الہ آباد کے صوبہ دار بن کر وہاں چلے گئے تھے اور تین سال بعد آخر ۱۱۵۶ھ میں واپس دھلی آئے تھے[1] - غالباً اس دوران میں کچھ عرصہ کے لیے شاہ حاتم نورالدولہ فاخر خاں کے خان ساماں بن گئے ہوں گے[2] - اس زمانے میں شاہ حاتم کی شاعری ملک کے

---

(۱) بحوالہ "انجام، نواب عمدۃ الملک" کاتب علی خاں فائق، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۶۰ء ص ۱۰۹ -

(۲) ڈاکٹر زور نے "سرگذشتِ حاتم" میں یہ شعر ۱۱۵۲ھ کا بتایا ہے اور پہلا مصرع یوں لکھا ہے ع

کچھ اب بھی فکر اپنے عاقبت خانے کی کر حاتم

"سرگذشت حاتم صفحہ ۴۸" لیکن واقعات کے اعتبار سے ۱۱۵۴ھ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے -

خاص و عام میں مقبول ہو چکی تھی۔ ۱۱۴۸ھ کا یہ شعر ؎

تمام ھند میں دیوان کو ترے حاتم
رکھے ہے جان سے اپنی عزیز عام اورخاص

اسی شُہرت و مقبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ زمانہ شاہ حاتم کے دنیوی عروج کا ہے۔ جس میں اُمرا و سلاطین اُن کی قدر کرنے لگے تھے۔ ڈاکٹر زور نے مخطوطۂ لندن کے حوالے سے جو "عرضی بہ جناب نواب عمدۃ الملک در استعفاٗ خدمت در ۱۱۴۵ھ" (سرگذشت حاتم ص ۴۴) میں نقل کی ہے وہ اس زمانے کی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے کئی برس بعد کی چیز ہے۔ اگر اس مفروضے کو درست مان لیا جائے تو پھر جن وجوہ کی بنا پر حاتم نے استعفیٰ دیا اُن کے پیش نظر وہ نورالدولہ کے خانساماں کبھی نہ بنتے بلکہ درویشی اختیار کر لیتے۔ اس زمانے میں عمدۃ الملک جیسے صاحب اقتدار امیر کی ملازمت چھوڑ کر کسی دوسرے امیر کی ملازمت اختیار کرنا بعید از قیاس ہے۔ اور پھر اس زمانے میں شاہ حاتم نے چند ایسی نظمیں بھی تخلیق کی ھیں جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس وقت عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے ملازم و مصاحب تھے اور اس صاحب اقتدار امیر کی سرکار میں اُن کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ۱۱۴۹ھ میں شاہ حاتم نے دو نظمیں لکھیں۔ ایک نظم "وصف قہوہ" حسب الارشاد نواب عمدۃ الملک در ۱۱۴۹ھ (دیوان زادہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۵۱)، اور دوسری نظم "وصف تمباکو و حُقّہ" حسب الحکم فردوس آرامگاہ محمد شاہ بادشاہ (دیوان زادہ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی، ورق ۱۵۱ب تا ۱۵۵)[1] علاوہ بریں

---

(۱) میر تقی میر "نکات الشعرا" میں جعفر علی خان ذکیؔ کے بیان میں لکھتے ھیں:

"جعفر علی خاں ذکی مرد عمدہ روزگاریست، متوطن دھلی، بادشاہ محمد شاہ

ایک مثنوی بہاریہ موسوم بہ بزم عشرت ۱۱۴۷ھ کی تخلیق ہے جس میں شاہجہان آباد کی توصیف اور محمد شاہ کی مدح بھی شامل ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شاہ حاتم نے اپنے زمانے کے دستور کے بر عکس کسی امیر کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں کہا۔ زیادہ سے زیادہ ایک آدھ شعر میں کسی قدر دان امیر کی تعریف کر دی ہے ورنہ خاموش رہے ہیں۔ صرف اس مثنوی کے چند اشعار میں محمد شاہ کی مدح کی ہے جو درج ذیل ہیں:

کہوں ہوں وصف اور مدح شہنشاہ
محمد شاہ غازی آسمان جاہ

شہِ عالی لقب دریائے ہمّت
مہِ روشن لقا خورشید طلعت

شجاع دھر و شاہ ہفت کشور
کمینے جن کے ہیں خاقان و قیصر

لیا ہے سلطنت کو مار شمشیر
پھٹا ہے جس کے ڈر سے گردۂ شیر

جواں مرد و جواں طالع، جواں بخت
کہ دے ہے زیب جس کو تاج اور تخت

وہ بے شک آج شاہ بحر و برّ ہے
جلَو میں جس کے نُصرت اور ظفر ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸)

بر او فرمائش مثنوی حقہ کردہ بود۔ دو سہ شعر موزوں کرد۔ دیگر سر انجام ازو نیافت اکنوں شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد باتمام رسانید۔ و آں مثنوی خالی از مزہ نیست۔۔۔۔" (نکات الشعرا، صفحہ ۱۴۶)۔

مبارک اُس کو تاج و تخت و خوبی
سدا یہ سلطنت ہندوستاں کی

نہ رکھ حاتم طمع شاہ و گدا سے
جو کُچھ چاہے سو مانگا کر خُدا سے

توقع غیر سے خطرات ہے گا
کہ سب کا رزق اُس کے ہات ہے گا

شریک مصلحت ہو آؤ ساقی
شراب بے کدورت لاؤ ساقی

پیالا دے کہ ہے وقت مُلاقات
جمع یاراں کو کر کہنا (کذا) کچھ بات

شاہ حاتم عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام کی سرکار میں منصب ندیمی و خدمت بکاولی (میر مطبخ) پر فائز تھے[1]۔ شاہ حاتم کی زندگی میں یہ زمانہ خوش حالی و فارغ البالی سے معمور تھا۔ عقد ثُریا میں مصحفی کا یہ بیان "از بسکہ ایں خرابہ (شاہجہان آباد) از قدر دانان معمور بود، امیر زادہ ہاے والا تبار و رؤساے ذوالاقتدار او را بیش از بیش بتواضع و تعظیم پیش آمدہ بر مسند برابر خود جامیدادند و مناسب حال خود باھریکے زر وافر میگذانید"[2] غالباً اسی دور کی زندگی کے بارے میں ہے۔ لیکن تاریخ کا یہی وہ نازک دور ہے جب سرزمین ہند خونین حادثات سے دو چار ہوئی۔ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ کا حملہ اور دھلی میں قتل عام ہوا۔ ادھر نادر شاہ ہندوستان کی دولت سمیٹ کر واپس ایران کو لوٹا

---

(۱) مخزن نکات، قائم چاندی پوری، صفحہ ۳۴۔

(۲) عقدِ ثریا، غلام ہمدانی مصحفی، صفحہ ۲۳۔

اور ادھر دارالسلطنت میں امراء کی رسہ کشی پھر سے شروع ہوگئی - جس کے نتیجے میں عمدۃ الملک کو الہ آباد کی صوبے داری پر جانا پڑا - ۱۱۵۶ھ میں اُسے واپس بُلایا گیا - تین سال بعد ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ کو اُسے دیوان خاص کے پاس قتل کر دیا گیا[1] -

شاہ حاتم کی زندگی کے رُخ کو کلیۃً درویشی کی طرف موڑنے میں ان الم انگیز واقعات کا بھی خاصہ دخل ہے - عمدۃ الملک جب تک الہ آباد میں رہے غالباً شاہ حاتم کی سرپرستی دوسرے اُمرا کرتے رہے - شاہ حاتم نے اس زمانے کے بعض اشعار میں نورالدولہ فاخر خاں کا ذکر کیا ہے اور اُن کی فرمائش پر چند ایک غزلیں بھی کہی ہیں - آخری غزل ۱۱۵۶ھ کی ہے - اس کے بعد عمدۃ الملک کی واپسی پر شاہ حاتم پھر اُن کے ندیم اور بکاؤل بن گئے ہوں گے - لیکن اب اُن کا دل دُنیوی جاہ و منصب سے اُچاٹ ہو چکا تھا - اس دور میں اُن کے کلام میں جابجا اس رُجحان کا اظہار ہوا ہے - مثلاً چند شعر ملاحظہ ہوں :

اس زمانے میں ہمارا دل نہ ہو کیوں کر اُداس
دیکھ کر احوال عالم اُڑتے جاتے ہیں حواس ۱۱۵۱ھ

کس کنے لے جائیں تیرے ظُلم کی فریاد ہم
تُجھ ہی سے تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم[2] ۱۱۵۱ھ

---

(۱) انجام ' عمدۃ الملک ' مطبوعہ اوریئنٹل کالج میگزین ' نومبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۲-

(۲) عمدۃ الملک امیر خان انجام نے بھی اس طرح میں یہ شعر کہا ہے؎
اب یہی احسان ہے تیرا جو نہ ہوں آزاد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا منہ لے کے اے صیّاد ہم
بقول کلب علی فائق' انجام نے یہ مطلع ۱۱۵۶ھ میں محمد شاہ کے فرمان طلبی کے جواب میں موزوں کرکے عریضے میں درج کر دیا - (بحوالہ اوریئنٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۶۰ء' صفحہ ۱۰)-

جہاں کے باغ میں کرتا ہے سَیر اس واسطے حاتمؔ
کہ شاید مہرو اُلفت کی کسو بھی گُل سے بُو آوے ۱۱۵۱ھ

دم غنیمت جان ٹک چل اور گُلوں کا دید کر
سیرِ گلشن کو تجُھے حاتمؔ بُلاتی ہے بہار ۱۱۵۲ھ

بُلبُل کے مُشت پَر کو بہت جا ہے کُنجِ باغ
صیّاد سے بچے تو کرے آشیاں وسیع ۱۱۵۲ھ

خُدا نے سب طرح کی دی ہے نعمت، شُکر ہے لیکن
مجھے حاتمؔ مری ہمّت سے ہے افلاس یا قسمت ۱۱۵۵ھ

حاتمؔ جہاں کو جان کے فانی خُدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس ۱۱۵۵ھ

دینار اور درم کے نہ لا دل کو دام میں
قاروں سے ہے خبر کہ خزانے نے کیا کِیا ۱۱۵۶ھ

آخری شعر جس غزل کا ہے وہ نورالدولہ کی فرمائش پر کہی گئی تھی۔ ان اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور کے الم انگیز حالات کا شاہ حاتم کی زندگی پر کتنا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ فقر و درویشی کی طرف تو شروع ہی سے میلان رکھتے تھے لیکن ترک دنیا کا خیال ان حالات میں پُختہ ہوا۔ چنانچہ ۱۱۵۸ھ میں انھوں نے عمدة الملک کی خدمت میں ایک منظوم عرضی پیش کی اور منصب ندیمی و بکاؤلی سے استعفیٰ دے

کر درویشی اختیار کر لی[۱] عرضداشت درج ذیل ہے :

تمہارا عمدۃ الملک اس قدَر سے خوان نعمت ہے
کہ جس پر رات دن شاہ و گدا مہمان نعمت ہے
جسے دیکھوں ہوں تیری بندگی میں میں نہ یک تنہا
تری دولت سے ہر یک صاحب الوان نعمت ہے
کہیں ہیں مہر و مہ جس کے تئیں روشن ہے عالم پر
سو دسترخوان کا تیرے وو قرص نان نعمت ہے
سحر سے شام تک اور شام سے تا صبح برسوں سے[۲]
ہمارا کام تیری بزم میں سامان نعمت ہے
ہوا ہوں سیر ایسا چاشنی سے چشک کی تیرے
خدا شاھد ہے کس کافر کو پھر ارمان نعمت ہے
جیوں گا جب تلک حق نمک تیرا نہ بھولوں گا
رہے گا یاد سب جو کچھ ترا احسان نعمت ہے
ہوا ہوں جب سے داروغہ ترے باورچی خانے کا
اگر شکوہ کروں اس کا تو یہ کُفران نعمت ہے
ولے قیدی ہوا ہوں بس کہ رات اور دن کی محنت سے
ہے مطبخ کانِ نعمت پر مجھے زندانِ نعمت ہے

(۱) کامب علی خاں فائق نے اپنے مضمون " نواب عمدۃ الملک انجام " میں اس عرضی کا سال تصنیف ۱۱۵۶ھ لکھا ہے - (اوریئنٹل کالج میگزین' نومبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۵) - لیکن ہماری رائے میں ۱۱۵۸ھ درست ہے کیونکہ عمدۃ الملک ۱۱۵۶ھ کے آخر میں دھلی واپس آئے - اس لیے اُن کے آتے ہی شاہ حاتم کے مستعفی ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا -

۲- " سرگذشت حاتم " مؤلفہ ڈاکٹر زور میں " برسوں سے " کی بجائے " مدت تک " ہے صفحہ ۴۴ -

یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاؤل کی
یہ خدمت بخش اُس کو جو کوئی خواہاں نعمت ہے

قائم چاند پوری کا یہ بیان کہ "بعد فوت او (نواب عمدة الملک) توکّل روزگار نمود۔ با کمال آزادگی می گزارند"[۱] اس استعفیٰ کی روشنی میں غلط ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حاتم کے استعفیٰ اور نواب عمدة الملک کے واقعۂ قتل میں صرف ایک سال کا فرق ہے۔ اس لیے قائم کے بیان سے کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور مل جاتا ہے۔ کہ شاہ حاتم نواب عمدة الملک کی زندگی کے آخری زمانے میں اُن کے ہاں ملازم تھے۔

قائم نے اپنا تذکرہ ۱۱۶۸ھ میں مکمل کیا۔ اس لیے یہ ایک قریبی شہادت پیش کرتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسے تسلیم نہ کیا جائے۔ اس سے شاہ حاتم کے ۱۱۴۵ھ میں مستعفی ہونے کا مسئلہ خارج از امکان ہو جاتا ہے۔

درویشی اختیار کرنے کے بعد بھی اگرچہ امرا و سلاطین شاہ حاتم کی قدر دانی کرتے رہے لیکن اب انہوں نے منصب و جاگیر کے خیال ہی کو دل سے نکال دیا تھا۔ اب وہ عرفان حقیقت کی ایسی منزلوں تک پہنچ چکے تھے جہاں فقر و استغنا وسیلۂ ظفر سمجھے جاتے ہیں اور دنیاوی مال و مناصب کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جاتی۔ اس دور کے کلام میں بعض قدر دان اُمرا کی حاتم نے تعریف بھی کی ہے۔ مثلاً ۱۱۶۳ھ کی ایک غزل کے مقطع میں ہدایت علی خاں ضمیر کے لُطف و احسان کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) مخزن نکات، قائم چاند پوری، صفحہ ۲۴۔

ہدایت علی خاں بہادر نے حاتم
مجھے لطف و احساں سے مرہوں کیا ہے

۱۱۶۹ھ کی ایک غزل کا عنوان یہ ہے ”تضمین مصرع بادشاہ عالم گیر ثانی بموجبِ حکم“ اور مقطع میں لکھتے ہیں :

شاہ عالم گیر کا مصرع ہے حاتم رمزِ عشق
دل میں آتا ہے کہ شاہی میں گدائی کیجیے

۱۱۸۷ھ کی ایک غزل میں روھیلہ سردار ضابطہ خان کی تعریف کی ہے :

حاتم اس دور کے امیروں میں حاتم وقت ضابطہ خاں ہے

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ حاتم کے لیے دُنیوی خوش حالی کے راستے اب بھی کُشاوہ تھے۔ وہ چاہتے تو عیش و نشاط کی زندگی اب بھی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن کچھ طبیعت کے رنگ نے اور کچھ زمانے کے حالات نے اُن کا مطمح نظر ھی بدل دیا تھا۔ فقر و فاقہ کی حالت میں اُن پر نازک وقت بھی آئے، مفلسی اور تنگ دستی نے انہیں تنگ بھی کیا لیکن جس راہ طریقت کو انہوں نے اختیار کیا تھا اس پر اُن کے پاؤں نہیں ڈگمگائے۔ صبر و شکر، توکّل و قناعت اور تسلیم و رضا اب ان کی زندگی میں مثبت اقدار بن گئی تھیں۔ اس لیے اب اُن کے کلام میں لہجہ کی وہ تلخی بھی نہیں رھی تھی جو شروع زمانے کے کلام میں نظر آتی ہے۔ اس دور کے کلام سے چند اشعار کے آئینہ میں شاہ حاتم کی زندگی کے خط و خال دیکھیے :

تنگ دستی سے نہ ہو دل تنگ و حاتم چشم تنگ
دل توّنگر چاھیے تیرا تُو گو مُفلس ہوا ۱۱۵۸ھ

دام سے منصب و جاگیر کے باز آ حاتم
یہ دمِ نقد نہ کھو فکرِ محالات کے بیچ ۱۱۶۱ھ

بچاوے حق عذابِ جوع سے اس دور میں حاتم
جدھر سنتا ہوں اب سب کی زُباں پر روٹی روٹی ہے ۱۱۶۵ھ

مفلسی اور دماغ اے حاتم
کیا قیامت کرے جو دولت ہو ۱۱۶۸ھ

فیض سے ہمّت کے حاتم دل تونّگر چاہیے
مفلسی سے ان دنوں گو دست تیرا تنگ ہے ۱۱۶۹ھ

گھر کیا ہے ہم نے حاتم بر سر دار فنا
بھاڑ میں ڈالیں گے لے کر منصب و املاک ہم ۱۱۶۹

جہاں کو جان کر فانی اُٹھایا دل کو حاتم نے
فقیری کی ہوس میں شوق سب جاگیر و منصب کا ۱۱۷۱ھ

نہ پہنچا ہاتھ ذلّت کا کبھو میرے گریباں تک
لگا ہے جب سے دل کے دست میں دامن قناعت کا ۱۱۷۱ھ

شاہ حاتم بڑا قلندر ہے گھر میں تنکا نہیں خلال کرے
۱۱۹۱ھ

مستعفی ہونے اور ترک علائق کے بعد شاہ حاتم اپنے پیرو مرشد شاہ بادل علی کے قدموں سے آ لگے۔ پہلے وہ گاہ گاہ آستانۂ مرشد پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اب وہ مستقل طور پر اُن کے حلقۂ بگوش ہو گئے۔ مُرشد کی نگاہ نے مُرید کی قلب ماہیّت کرکے ظاہر و باطن کے فاصلوں کو ملا دیا اور شاہ حاتم عرفان حقیقت کی منزلوں کی طرف گامزن ہوگئے۔ غالباً یہی وہ موقعہ ہے جب بقول صاحب مجموعۂ نغز پانچ چھ ماہ کی کاھش و ریاضت کے بعد مُرشد نے اُنہیں تسبیح و مصلّیٰ و کلام اللہ و

خرقہ وغیرہ عطا کیے اور وہ سلسلۂ سہروردیہ کے طریق پر درود و وظائف میں لگ گئے - اس قلب ماہیّت اور فیض روحانی کے بارے میں شاہ حاتم نے بعض اشعار میں بھی ذکر کیا ہے - مثلاً :

حاتم کیا ہے حق نے دو عالم میں سر بلند
بادل علی کے جب سے لگے ہیں قدم سے ہم ۱۱۶۱ھ

اُٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسمان اوپر
میرے اللہ نے ، بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں ۱۱۶۱ھ

جناب حضرت حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادل عادل کی صحبت میں ۱۱۶۴ھ

اس آخری شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ بادل علی ۱۱۶۴ھ سے قبل وفات پا چکے تھے اور اب مُرید اُن کے فیضِ صحبت اور تعلیم و تربیت کا ذکر بڑے فخریہ انداز میں کر رہا ہے - ۱۱۶۹ھ کی ایک غزل کا مقطع بھی اسی انداز کا ہے :

شاہ بادل کا ہر سخن حاتم
اپنے حق میں کتاب جانے ہے

شاہ بادل علی کی وفات کے بعد شاہ حاتم اُن کے آستانہ کی بجائے اس عہد کے ایک دوسرے مشہور درویش شاہ تسلیم کے تکیہ میں وقت گزارنے لگے - صاحب مجموعۂ نغز لکھتے ہیں کہ ”در آخرہائے روز مدام بہ تکیہ شاہ تسلیم کہ بر شاہ راہ راج گھاٹ زیر دیوار قلعہ مبارک واقع است ، تشریف شریف ارزانی میداشت“[۱] - ”سرگذشتِ حاتم“ میں

(۱) مجموعہ نغز ، حکیم قدرت اللہ قاسم ، صفحہ ۱۸۰ -

ڈاکٹر زور نے ۱۱۶۷ھ کا ایک شعر بھی درج کیا ہے[1]۔

اب ہندستاں کے درویشوں میں حاتم
ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

مولوی محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں: "شاہ تسلیم ایک نیک مرد فقیر تھے اور خود شاعر تھے۔ چونکہ اُن کا تکیہ بھی ایک دلکشاہ اور با فضا مقام تھا اس لیے اکثر شعر و سخن کے شائق بھی صبح شام وہاں جا کر بیٹھا کرتے تھے۔"[2] سعادت یار خاں رنگین "مجالس رنگین" کی پہلی مجلس میں لکھتے ہیں "از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم شاہ بود کہ ہمیشہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیہ شاہ تسلیم شاہ کہ پائین قلعہ مبار کست تا شام نشستہ میماندند۔ اکثر شاگردان و مردم دیگر کہ در خدمت او شان بندگی داشتند آنوقت آنجا رفتہ حاضر می شدند۔ چنانچہ بندہ ہم شاگرد اوشان بود۔ روزے در ایام نو مشقی بہان تکیہ درخدمت شاہ صاحب موصوف بندہ و محمد امان خاں نثار و لالہ مکند رائے فارغ و اکبر علی اکبر امروہی وغیرہ چند شاگردان دیگر حاضر بودیم۔ حضرت شاہ صاحب فرمودند کہ شب مطلعے گفتہ ام: مطلع۔

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کُوٹا ہے
رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لُوٹا ہے

چونکہ در مزاج چالاکی بسیار بود و شعور کم، بے تکلّف از راہ نادانی

(۱) "سرگذشت حاتم" صفحہ ۵۱۔ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی میں یہ شعر ۱۱۹۳ھ کا ہے جو درست نہیں۔ سرگذشت حاتم کا شعر کہ سے شروع ہوتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ میں کہ کی بجائے اب ہے، اور یہی موزوں معلوم ہوتا ہے۔

(۲) آب حیات صفحہ ۱۱۴۔

گستاخانہ عرض کردم کہ اگر مصرعۂ ثانی این قسم ارشاد شود بہتر است ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کُوٹا ہے
ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لُوٹا ہے

بمجرد شنیدن ایں دست بندہ را قریب خود کشیدہ، دست بر سر گردانیدہ فرمودند کہ آفریں صد آفریں، انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشان بسیار ترقی خواہد کرد ایں مثل از زبان ارشاد فرمودند، مثل: ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ شخصے از حاضران مجلس اظہار کرد کہ ایں قدر گستاخی لازم نبود۔ فرمودند کہ واللہ در دیوان ہمیں قسم خواہم نوشت و ایں قطعہ بر زبان آوردند قطعہ:

من و آں سادہ دل کہ عیب مرا ہم چو آئینہ روبرو گوئید
نہ چو شانہ بصد زُباں و دو رُو پس سر رفتہ مُو بمُو گوئید"[1]

یہ واقعہ مختصراً آزاد نے آب حیات میں نقل کیا ہے لیکن حوالہ نہیں دیا۔ ڈاکٹر زور نے سرگذشت حاتم میں "مجالس رنگین" مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری سے نقل کیا ہے۔ محولہ بالا عبارت اور سرگذشت حاتم کی عبارت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ شاگردوں میں میاں غلام علی شاہ غلامی اور مرزا عظیم بیگ عظیم کے نام زائد ہیں۔ شعر کے بارے میں حاتم کے الفاظ یہ ہیں "کہ شب در خواب ایں شعر گفتہ بودم، چوں بیدار شدم یاد ماند۔۔۔"[2]

یہ واقعہ لکھنے کے بعد ڈاکٹر زور اس پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حاتم کی وفات کے کچھ ہی عرصہ پہلے کا ہے۔ لیکن اس میں

(۱) مجالس رنگین، سعادت یار خان، مطبوعہ ۱۸۶۴ع۔
(۲) سرگذشتِ حاتم، صفحہ ۵۱۔

ایک بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اور وہ یہ کہ حاتم شاہ تسلیم کے تکیہ میں صرف شام کے وقت جاتے تھے - کیونکہ مجموعہ نغز میں لکھا ہے ''کہ در آخر ہاے روز مدام بہ تکیہ شاہ تسلیم - - تشریف ارزانی میداشت ''[1]

اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ محولہ بالا شعر جس غزل کا مطلع ہے وہ غزل ۱۱۶۱ھ کی ہے - اس لیے پہلے تو یہی بات محل نظر ہے کہ شاہ حاتم نے اس مطلع کے بارے میں یہ کہا ہوگا کہ رات خواب میں یا بیدرای میں یہ مطلع کہا ہے- رنگین ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں انہوں نے مشق سخن جاری کی اور شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے - گویا یہ واقعہ ۱۱۸۶ھ کے لگ بھگ زمانے کا ہے - اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ حاتم ۱۱۶۱ھ کے مطلع کے بارے میں پچیس سال بعد یہ کہیں کہ رات ہی یہ مطلع کہا ہے ! اور پھر رنگین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حاضرین نے اس گستاخی پر ٹوکا تو شاہ صاحب فوراً بولے کہ نہیں صاحب میں اپنے دیوان میں اس مطلع کو اسی طرح قلم بند کروں گا — ! حالانکہ دیوان زادہ میں یہ شعر اسی طرح ہے جس طرح حاتم نے کہا ہے - ممکن ہے کہ حاتم نے یہ شعر اس مجلس میں پڑھا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہو کہ رات ہی اس کا نزول بھی ہوا ہے -

مجالس رنگین ۱۲۱۵ھ کی تصنیف ہے - رنگین نے اسے بعض دوستوں کے کہنے پر ترتیب دیا - اس لیے ممکن ہے کہ اٹھائیس برس بعد یاد داشت نے اُن کا پورا ساتھ نہ دیا ہو - مجالس رنگین میں پچاس سال کی مدت کا تعین بھی قیاسی ہی ہے اسے من و عن درست تسلیم کر لینا

---

(۱) سرگذشتِ حاتم ، صفحہ ۵۲ -

مناسب نہیں۔ شام کے وقت تکیہ شاہ تسلیم میں جانے کی روایت قرین صحت ہے۔ مجموعہ نغز میں ”در آخر ھاے روز مدام“ سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ وفات سے تین چار سال پیشتر وہ ہمہ وقت شاہ تسلیم کے تکیہ میں اقامت گزیں ہوگئے ہوں گے۔ شاہ حاتم تکیہ شاہ تسلیم کے علاوہ دوسری شاعرانہ مجالس میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مصحفی تذکرۂ ہندی میں لکھتے ہیں کہ ”در ایامیکہ فقیر در شاہجہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ اکثر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ می فرمود و در مجلس نشستہ زمانۂ سابق خود راہ می ستود“ [۱]

شاہ حاتم کے آخر عمر کے کلام سے اُن کے اس زمانے کے فکر و احساس کا اندازہ ہوتا ہے۔ شباب کی منزلوں سے گزر کر جب انسان شیب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو جاتی جوانی کا احساس دل میں چٹکیاں لینے لگتا ہے۔ پھر جوں جوں آفتاب عمر ڈھلنے لگتا ہے اور انسان کی زندگی میں سائے دوڑنے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں، آسے عاقبت کا احساس ایک اور ہی عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ زندگی کی اس دھوپ چھاؤں کی کیفیت کو ذرا حاتم ہی کے چند اشعار کی روشنی میں دیکھیے:

نوجوانوں کو دیکھ کر حاتم
یاد عہدِ شباب آوے ہے ۱۱۶۱ھ

پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر
سُوکھے درخت پھر کے ہوئے ہیں کہیں ہرے ۱۱۶۹ھ

عمر یوں جلد چلی جائے ہے جُوں وقتِ غروب
دوڑتا سایۂ دیوار چلا جاتا ہے ۱۱۹۰ھ

---

(۱) تذکرۂ ہندی، مصحفی صفحہ ۸۰۔

مزا دنیا کا اپنی زندگانی تک ہے اے حاتم
جو ہم گزرے جہاں سے ہم نے یہ جانا جہاں گزرا ۱۱۹۲ھ

جو مقدر تھا ہو چکا حاتم
فکر میں دم نہ کھو، ہوا سو ہوا ۱۱۹۵ھ

مرگ سے ہم دو چار بیٹھے ہیں
گور کے ہم کنار بیٹھے ہیں (غالباً ۱۱۹۶ھ)

کچھ دور نہیں منزل اُٹھ باندھ کمر حاتم
تجھ کو بھی تو چلنا ہے کیا پُوچھے ہے راہی سے ۱۱۹۶ھ

اور ذیل کی غزل، جو ۱۱۹۷ھ کی تخلیق ہے، شاہ حاتم کی کتاب زندگی کے آخری ورق کو پیش کرتی ہے۔ انسان موت کے دروازے پر پہنچ کر کیا کچھ سوچ سکتا ہے یا کیا سوچتا ہے اس کی جھلک اس کے چند اشعار میں نظر آ جائے گی:

جو کوئی کہ یار و آشنا ہے　　رخصت کی مری اُسے دُعا ہے
کیا بیٹھا ہے راہ میں مسافر　　چلنا ہی یہاں سے پیش پا ہے
امروز جو ہو سکے (سو) کرلے　　فردا کی خبر نہیں کہ کیا ہے
معشوق تو بے وفا ہیں، پر عمر　　ان سے بھی زیادہ بے وفا ہے

دُنیا میں تو خُوب گزری حاتم
عقبےٰ میں بھی دیکھیں (اب) خدا ہے

اور اسی برس یعنی ماہ رمضان المبارک ۱۱۹۷ھ میں شاہ حاتم کا انتقال ہوا۔ مصحفی ''عقد ثُریا'' میں لکھتے ہیں ''در یک ہزار یک صد و نود و ہفت در ماہِ مبارکِ رمضان رحلت کردہ۔ فقیر تاریخِ رحلتش

چنیں یافتہ :

حاتم آں پیشوائے اہلِ سخن — کہ قدم در مقامِ فقر فشرد
حرفِ عمرش قضا بکزلکِ حک — چوں کہ از صفحۂ زمانہ سترد
سالِ تاریخ از خرد جُستم — ناگہ ایں مصرعۂ بگوشم خورد

کہ بگو مصحفی چُو پرسیدت
آہ صد حیف شاہ حاتم مُرد

''عقد ثّریا'' کے بعد مصحفی نے ''تذکرۂ ہندی'' میں شاہ حاتم کی رحلت کے بارے میں یہ لکھا ہے '' پیشتر ازیں در تذکرۂ فارسی احوال او معہ تاریخ رحلتش صورت تحریر یافتہ ۔ عمرش قریب بہ صد رسیدہ بود و سہ سال است کہ در شاہجہان آباد ودیعت حیات سپردہ خدایش بیا مرزاد ''[1] مصحفی کے یہ بیانات بڑے واضح ہیں ۔ ان میں ابہام یا پیچیدگی کی کوئی بات نہیں لیکن بعض مغالطوں کی وجہ سے کچھ دوسرے تذکرہ نگاروں کے علاوہ ''سرگذشت حاتم'' کے مؤلف ڈاکٹر محی الدین زور نے بھی جو نتیجہ اخذ کیا ہے ۔ اُس سے یہ واضح بات بھی ایک مسئلہ بن گئی ہے ۔ ڈاکٹر زور لکھتے ہیں ''حاتم کی تاریخ وفات کے متعلق اُردو تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف ہے ۔ آزاد اور حسرت موہانی نے دونوں خیال پیش کر دیئے ہیں لیکن تحقیق و تفتیش نہیں کی اور نہ اپنے اوپر کوئی ذمّہ داری لی ہے ۔ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ حاتم نے ۱۱۹۶ھ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۲۰۷ھ میں ۔ سب سے زیادہ تعجب اس واقعہ پر ہوتا ہے کہ مصحفی نے اپنے فارسی تذکرہ میں ایک تاریخ لکھی ہے اور اردو میں دوسری ۔ ''عقد

(۱) تذکرۂ ہندی ، مصحفی ، صفحہ ۸۱ ۔

ثُریا'' ۱۱۹۹ھ کا مرتبہ ہے اُس میں حاتم کی وفات کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے ۔ ۔ ۔ (محولہ بالا عبارت و قطعۂ تاریخ ' عقد ثُریا) ۔ ۔ ۔ مصحفی کا ''تذکرہ ہندی'' فارسی تذکرے سے دس سال بعد یعنی ۱۲۰۹ھ میں لکھا گیا تھا' اس میں حاتم کی وفات کا ذکران الفاظ میں کیا ہے ۔ ۔ ۔ (محولہ بالا عبارت ' تذکرہ ہندی) ۔ ۔ ۔ حیرت ہے کہ مصحفی ''تذکرۂ ہندی'' میں اپنے قدیم تذکرہ کی تاریخ کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن دونوں کے بیانات سے جو اختلاف پیدا ہوگیا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی! صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حاتم ۱۲۰۷ھ میں فوت ہوئے ۔ ''تذکرہ ہندی'' بعد کا لکھا ہوا ہے اس لیے اس کی تاریخ زیادہ مستند ہو سکتی ہے ۔ تذکرہ فارسی کے قطعۂ تاریخ کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید اُس وقت مصحفی کو حاتم کی وفات کی غلط اطلاع مل گئی ہو ۔ چونکہ وہ خود اس وقت دھلی میں نہیں تھے اور حاتم بہت ضعیف العمر ہوگئے تھے اس لیے ان کی نسبت ایسی خبر سن کر اُس پر یقین کر لینا اور قطعۂ تاریخ لکھنا بعید از قیاس نہیں ۔ چونکہ اکثر تذکرے وفات کے وقت حاتم کی عمر قریب سو سال کی بتاتے ہیں اس لیے بھی ہمیں ۱۲۰۷ھ کو صحیح ماننا پڑتا ہے'' (سرگزشت حاتم ' ص ۵۴'۵۵)

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مصحفی نے دونوں تذکروں میں جو تاریخیں لکھی ہیں' وہ درست ہیں اور یہ مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک ہی تاریخ ہے ۔ اس لیے مصحفی کے بیانات میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ مصحفی کو حاتم کی وفات کی اطلاع درست ملی تھی اور وہ اُس وقت غالباً دھلی میں ہی تھے ۔ (ملاحظہ ہو ''عقد ثریا'' ترجمۂ بے تاب کی یہ عبارت ''در ایامے کہ فقیر ہمراہ غلام علی خان ولد بھکاری خان کہ مشارالیہ

از پیشگاہ خلافت جہاں بانی خلعت نوازش شاہانہ برائے بندگان عالی وزیرالمالک نواب آصف الدولہ بہادر و سرہشٹن گورنر بہادر آوردہ بود درسنہ یک ہزار و یک صد و نود و ہشت صعوبت سفر کشیدہ از شاہجہان آباد در لکھنؤ رسیدہ ۔ "[1] گویا لکھنو آنا ۱۱۹۸ھ میں ہوا۔ تیسری بات یہ کہ وفات کے وقت شاہ حاتم کی عمر ۸۶ سال سے اوپر تھی اور تذکرہ نگاروں کا اس کو قریب بہ صد کہہ دینا دُور از فہم نہیں۔ مصحفی نے بھی تذکرۂ ہندی میں اسی انداز میں "عمرش قریب بہ صد رسیدہ بود" کہا ہے۔

در اصل مغالطے کی بُنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ مصحفی نے اپنا تذکرۂ فارسی "عقد ثریا" ۱۱۹۹ھ میں مرتّب کیا اور تذکرۂ ہندی اس کے دس سال بعد یعنی ۱۲۰۹ھ میں مرتّب ہوا۔ اب اگر بنیاد ہی درست نہ ہو تو نتیجہ جو بھی نکلے گا اُس میں غلط فہمی کا شکار تو ہونا ہی پڑے گا۔ "عقد ثریا" کے دیباچے میں مصحفی نے اس تذکرے کا سال تالیف ۱۱۹۹ھ لکھا ہے لیکن اس تذکرے کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل کم از کم اس سال نہیں ہوئی بلکہ چند سال بعد جا کر ہوئی ہے۔ مثلاً "عقد ثریا" میں خواجہ میر درد (متوفی ۲۴- صفر ۱۱۹۹ھ) کی وفات کے بارے میں لکھا ہے "چند سال است کہ جائے خود را برادر خورد محمد میر اثر تخلّص گزاشتہ رفتہ" (صفحہ ۲۷)۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تذکرہ ۱۱۹۹ھ میں مکمل ہوگیا ہوتا تو ۱۱۹۹ھ میں وفات پانے والے شخص کے بارے میں "چند سال است" نہ لکھا جاتا۔ اب ۱۲۰۹ھ کی تالیف "تذکرۂ ہندی" میں انھی خواجہ میر درد کی وفات کے بارے میں یہ

---

(۱) عقدِ ثریا، صفحہ ۱۳، ۱۴۔

عبارت دیکھیے ”یک سال است کہ درد مہجوریش شفا یافتہ و بہ شافئی علی الاطلاق واصل گشتہ“ (صفحہ ۹۳) - گویا یہ عبارت خواجہ میر درد کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۱۲۰۰ھ میں لکھی گئی - اس صورت میں ”عقد ثریا“ میں درد کا ذکر تذکرۂ ہندی کے بعد لکھا گیا - اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ”تذکرۂ ہندی“ کی تالیف کا سلسلہ ۱۲۰۰ھ سے شروع ہو گیا تھا اور اسے ۱۲۰۹ھ میں تکمیل تک پہنچایا گیا - اسی طرح فارسی تذکرے کی تالیف کا آغاز اگرچہ ہندی تذکرے سے پہلے (۱۱۹۹ھ) ہوا لیکن اس کی تالیف کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری رہا - ”عقد ثریا“ کے چند دیگر تراجم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ ۱۱۹۹ھ میں مکمل نہیں ہوگیا تھا - مثلاً فصیح کے حال میں لکھا ہے ”---عمرش بست و سہ سال است اسمش حسب الاسمش دریک ہزار و دو صد و دو از دہ ہجری داخل تذکرہ کردہ شد“ (صفحہ ۴۵) یعنی یہ ترجمہ ۱۲۱۲ھ میں تحریر کیا گیا - مضطر کے بارے میں (حاشیہ میں) یہ لکھا گیا ہے ”---امسال کہ سن یک ہزار و دو صد و سیزدہ ہجری عمرش بست و پنج سالہ ---“ (صفحہ ۵۷) -

اس سے یہ مفروضہ بالکل غلط ہو جاتا ہے کہ ”عقد ثریا“ اور ”تذکرۂ ہندی“ علی الترتیب ۱۱۹۹ھ اور ۱۲۰۹ھ میں تصنیف ہوئے - دراصل ”عقد ثریا“ کا آغاز ۱۱۹۹ھ میں ہوا اور اس کی تکمیل کچھ سال بعد ہوئی - اسی طرح ”تذکرۂ ہندی“ کی ابتدا تقریباً ۱۲۰۰ھ میں ہوئی اور اس کا اختتام ۱۲۰۹ھ مین ہوا - اس کے بعد شاہ حاتم کے بارے میں مصحفی کے بیانات کو دیکھیے تو ان میں کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا - ”تذکرۂ ہندی“ کی عبارت یہ بتاتی ہے کہ اس میں شاہ حاتم کا ترجمہ

بھی خواجہ میر درد کے ترجمے کے ساتھ ساتھ ۱۲۰۰ھ میں ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اور ''عقد ثریا'' کا ترجمۂ شاہ حاتم اس سے ایک سال قبل یعنی ۱۱۹۹ھ میں سپرد قلم کیا جا چکا تھا۔ اس لیے مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں تذکرہ فارسی کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا کہ ''لہذا پیشتر ازیں در تذکرۂ فارسی احوال او معہ تاریخ رحلتش صورت تحریر یافتہ۔ عمرش قریب بہ صد رسیدہ بُود و سہ سال است کہ در شاہجہان آباد ودیعت حیات سپردہ خدایش بیامرزاد''۔

قاضی عبدالودود بھی شاہ حاتم کے سال وفات کے تعیّن کے سلسلے میں اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مصحفی کے دونوں بیانات درست ہیں۔ ان کی رائے میں ''تذکرۂ ہندی'' کا آغاز تذکرۂ فارسی کے بعد ہی ہوا ہے۔ یہ مصحفی نے لکھا ہے اور کتاب کے مندرجات سے بھی ثابت ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ تذکرۂ ہندی اور تذکرۂ فارسی کے بیانات میں اختلاف ہے، صحیح نہیں[1]۔

قاضی عبدالودود نے اپنے محولہ بالا مضمون میں شاہ حاتم کے سال وفات ۱۱۹۷ھ کی تصدیق کے سلسلے میں مکند سنگھ فارغ بریلوی شاگرد حاتم کا ایک قطعۂ تاریخ خیراتی لعل بے جگر کے تذکرے (مخطوطۂ لندن) سے نقل کیا ہے:

فارغ چو بہ جستجوے تاریخ   گشتم بہ تلاش و فکر ہم دم
با نالہ و آہ ہاتف از غیب   گفتا ز جہاں بـرفت حـاتم

صاحب ''سرگذشت حاتم'' کی طرح دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی اسی غلط مفروضے کی بنا پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ڈاکٹر اشپرنگر نے فہرست کتب خانہ شاہان اودھ میں لکھا ہے ''تذکرۂ مصحفی کی

---

(۱) معاصر، جنوری ۱۹۵۲ع۔

تصنیف سے دو یا تین سال پیشتر انہوں نے انتقال کیا"[1]
گارسن دی تاسی نے ۱۷۹۱ و ۱۷۹۲ع سال وفات لکھا ہے[2] اور اسی کو مولوی کریم الدین نے تذکرہ شعرائے ہند میں نقل کر دیا ہے (ص ۱۳۳)۔ آزاد کا ماخذ بھی یہی ہے لیکن انہوں نے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے "مگر مصحفی نے تذکرہ فارسی میں لکھا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے اور ۸۳ برس کی عمر پائی" (آب حیات ص ۱۱۹)۔ یہ سال اور عمر بالکل غلط ہے۔ مصحفی نے صاف طور پر لفظوں میں ۱۱۹۷ھ لکھا ہے اور ساتھ قطعۂ تاریخ رحلت بھی لکھا ہے۔ عمر نہیں لکھی۔ نسّاخ نے "سخن شعرا" میں لکھا ہے کہ "سو برس سے زائد کی عمر پائی تھی"۔ معلوم نہیں اس تحقیق کی بنیاد کیا ہے۔

شخصیّت

شاہ حاتم کی شخصیت کو پہلے تو انہی کے دو شعروں کی روشنی میں دیکھیے۔ اس کے بعد تذکرہ نگاروں کی آراء میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ حاتم نے ذیل کے دو اشعار میں اپنی شخصیت کی جو مختلف تصاویر پیش کی ہیں ان میں سے ایک تصویر تو ایام شباب کی ہے جب وہ زندگی کے ہنگاموں میں شریک تھے اور دوسری تصویر آخر عمر کی ہے جب وہ ترک علائق کے بعد درویشی اختیار کر چکے تھے۔

(۱) اے قدر داں، کہاں حاتم دیکھ
عاشق و شاعر و سپاہی ہے ۱۱۴۴ھ

(۲) شعر استادانہ و حاتم ہے بے باکانہ وضع
طبع آزادانہ و اوقات درویشانہ ہے ۱۱۷۳ھ

(۱) یادگار شعرا، ترجمہ طفیل احمد، مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی، ۹۶۔
(2) Garcin de Tassy, Histoire de litterature Hindoui et Hindoustani Vol. I, 1839, p. 223.

سپہ گری، عاشق مزاجی اور شاعری، یہ گویا ایام جوانی کے وہ اوصاف ہیں جو محمد شاہی عہد کے ایک عام دنیا دار انسان، رنگین مزاج نوجوان اور شعر و سخن کے دلدادہ فن کار میں عام طور پر پائے جاتے تھے۔ حاتم بھی کم و بیش انہی اوصاف سے متّصف تھے۔ متذکرہ بالا پہلے شعر میں اسی قسم کی شخصیت جلوّہ گر نظر آتی ہے۔

اس کے بعد زندگی کا وہ دَور آتا ہے جب حاتم کا دل زندگی کے ہنگاموں اور دلفریبیوں سے سیر ہو چکا تھا اور درویشی اور قناعت پسندی نے اُن کی زندگی کا رُخ ہی بدل دیا تھا۔ آزادگی اور فقر منشی کے ساتھ ساتھ یہ دَور حاتم کی شاعرانہ عظمت اور اُن کے مرتبۂ استادی کے اعتراف کا دَور بھی تھا۔ دوسرا شعر اسی منفرد اور یگانۂ روزگار ہستی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ صاحبِ مجموعہ نغز اور صاحبِ طبقات الشعرائے ہند نے اسی دَور کی زندگی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ "بہت آزادانہ زندگی کرتا تھا۔ اور بہت خوش مزاج اور خلیق تھا اور شام کے وقت ہمیشہ تکیہ شاہ تسلیم میں جو کہ اوپر شاہراہ راج گھاٹ کے زیر دیوار قلعہ مبارک کے واقع ہے تشریف لے جاتا تھا اور خلاف وضع آزادوں کے نیمہ پہنتا تھا اور بہت پاک صاف رہتا تھا اور مسکرات کے گرد نہ پھرتا تھا اور نماز اور روزہ اور تمام شرعیات میں سخت مقیّد تھا لیکن دوپٹہ آزادانہ ٹوپی پر باندھتا تھا اور ایک لکڑی باریک اور ایک رومال کہ لباس فقیروں کا ہے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ المختصر درویش تھا، نیک دین، صاحب یقین اور شاعر تھا باتمکین"[1]

شاہ حاتم کی شخصیت، اُن کے مزاج، افعال، اطوار اور کردار پر اکثر تذکرہ نگاروں نے روشنی ڈالی ہے اور اُن کی دل کھول کر تعریف

(۱) طبقات الشعرائے ہند، مولوی کریم الدین، صفحہ ۱۳۲۔

کی ہے لیکن پیشتر اس کے کہ ہم ان آراء پر نظر ڈالیں سرتاج شعرائے اُردو میر تقی میر کی اس رائے کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو باقی سب سے الگ اور منفرد و یگانہ ہے۔ میرؔ اپنے تذکرہ ''نکات الشعرا'' (تالیف ۱۱۶۵ھ) میں فرماتے ہیں:

''شیخ محمد حاتم، حاتم تخلُص، از شاہجہان آباد است۔ میگوید کہ من با میاں آبرو ہم طرح بودم۔ مردیست جاہل و متمکّن، و مقّطع وضع، دیر آشنا، غنا ندارد۔ دریافتہ نمیشود کہ ایں رگ کہن بسبب شاعری است کہ ہمچو من دیگرے نیست یا وضع او ہمیں است۔ خُوب است۔ ما را باینہاچہ کار۔ شعر بسیار دارد۔ دیوانش تا ردیف میم بدست آمدہ بود و پارۂ اشعارِ آں نگاشتہ میشود۔ بامن ہم آشنائے بیگانہ است''[۱]

میر نے شاہ حاتم کے بارے میں جو درشت لہجہ اختیار کیا ہے وہ ایک عام قاری کے لیے حیران کُن ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو نکات الشعرا میں تنہا حاتم ہی میر کے خنجر بے داد کا نشانہ نہیں بنے، بلکہ اس مقتل میں کئی اور بے گناہ بھی کُشتۂ ستم نظر آتے ہیں؛ جنھیں میر نے طرح طرح کے حربوں سے گھائل کیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ''نکات الشعرا'' کے مقدمے میں فرماتے ہیں '' نکات الشعرا کو غور سے پڑھنے کے بعد پورا یقین ہو جاتا ہے کہ میر صاحب نہایت پاک مشرب، مؤدب، مہذب، زندہ دل، یار باش، انصاف پسند اور منکسر المزاج انسان تھے۔ بے تحقیق کسی بات کا لکھنا پسند نہیں کرتے۔'' ایک طرف یہ بیان کردہ اوصاف حسنہ ہیں اور دوسری طرف میر کی شاعرانہ عظمت کا جادو ہے، جو قاری کو کسی دوسری طرف

(۱) نکات الشعرا، میر تقی میر، مطبوعہ نظامی، صفحہ ۷۹۔

متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہیں دے سکتا۔ لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ حقیقت کے دوسرے رُخ کو بھی دیکھا جائے۔ شاید اس صورت میں ان مجروحین اور مقتولین کی بے گناہی کے ثبوت میں بھی بہت کچھ کہا جا سکے اور میر صاحب کی نام نہاد انصاف پسندی اور منکسر المزاجی کا پردہ بھی (کم ازکم ''نکات الشعرا'' کی حد تک) بخوبی فاش کیا جا سکے۔ لیکن ہم اس موقعے پر ادبی گروہ بندیوں اور معاصرانہ چشمکوں کے اس سلسلے کو چھیڑنا نہیں چاہتے جس کی ایک کڑی ''نکات الشعرا'' بھی ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ ایک طویل مقالے کا موضوع بن سکتا ہے[1]۔ قصّہ مختصر یہ ہے کہ میر کا تذکرہ آن کی زندگی کے اُس دور کی تصنیف ہے جب وہ بقول خود ؎

یہ میرؔ ستم کُشتہ کسو وقت جواں تھا

اور یہ وہ زمانہ تھا جب میر کی شاعرانہ عظمت ابھی کسی گوشۂ عزلت میں چھپی ہوئی تھی اور آفق شاعری پر دوسرے ستارے جگمگا رہے تھے۔ میر میں انا کا شدید احساس تو بے دماغی کی حد تک پہنچا ہوا تھا؛ جو کبھی کبھی بد دماغی کی صورت بھی اختیار کر لیتا تھا، لیکن اس زمانے میں ابھی یہ اَنَا کسی کے سہارے ہی میدان عمل میں نکل سکتی تھی۔ ''نکات الشعرا'' میں خان آرزو کی مبالغہ آمیز توصیف، اور پھر بعد میں ''ذکر میر'' میں انہی خان آرزو کے بارے میں تلخ نوائی، میر کے اس طرز عمل کی واضح مثال ہے۔ ''نکات الشعرا'' میں شاہ حاتم کے علاوہ محمد یار خاکسار اور انعام اللہ خاں یقین اور بعض دوسرے

(۱) اس مسئلے پر بعض حضرات نے کچھ لکھا بھی ہے۔ "میر و گردیزی" مجتبیٰ ہاشم نوگانویں کا مضمون مطبوعہ ''اوریئنٹل کالج میگزین'' بابت مئی و اگست ۱۹۴۴ع، اور "معارضۂ مظہر و آرزو" خلیق انجم کا مضمون مطبوعہ ''نقوش' مئی ۱۹۶۱ع اس سلسلے کے دو اہم مضمون ہیں۔

شعرا کے بارے میں جو جو گُہر افشانیاں کی گئی ہیں انھیں دیکھ کر میر کی ''انصاف پسندی'' اور ''منکسر المزاجی'' کی داد نہ دینا شاید کورذوق کے مترادف سمجھا جائے گا - سچ یہ ہے کہ میر ''ستم کُشتہ'' تو بعد میں ہوئے لیکن پہلے وہ ''ستم پیشہ'' بھی رہ چکے تھے!

صاحب ''سرگذشت حاتم'' نے میر کے اس طرز عمل میں میر و سودا کی معاصرانہ چشمک کی کار فرمائی کا خیال بھی ظاہر کیا ہے - چنانچہ وہ صاحب گُل رعنا کی اس رائے سے کہ ''چونکہ مرزا رفیع حاتم کے شاگرد تھے اور وہ میر صاحب کے حریف تھے کیا عجب کہ شاہ حاتم میر صاحب کو خاطر میں نہ لاتے ہوں'' [1] اتفاق کرتے ہوئے میر تقی میر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''وہ پہلے پہلے دلّی کے دوسرے نوجوان شعرا کی طرح حاتم کے معتقد تھے اور بعد کو محض سودا سے رشک کی بنا پر اس بوڑھے اُستاد سے برگشتہ ہوگئے تھے'' [2]- ڈاکٹر زور کے خیال میں یہ شبہہ اس لیے مبدل بہ یقین ہو جاتا ہے کہ حاتم نے ''نکات الشعرا'' کی تالیف کے ایک سال بعد ہی (۱۱۶۶ھ) ایک غزل کے دو ایک اشعار میں میر کی بے ادبی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

تھا ابھی ہم پاس ابھی جاتا رہا اوروں کے پاس
آشنائی میں وہ لڑکا گنجفہ کا میر ہے

مُرشد کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
بے ادب ہو جو کہ پیر اُستاد سے، بے پیر ہے

لیکن صاحب گُل رعنا اور صاحب سرگذشت حاتم کا یہ خیال اور

(۱) گُلِ رعنا، مولوی عبدالحی، صفحہ ۱۱۵ -
(۲) سرگذشتِ حاتم، ڈاکٹر زور، صفحہ ۸۱ -

شبہہ زیادہ تر قیاسات پر مبنی ہے۔ اس کی کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں!

شاہ حاتم کی شخصیت کے بارے میں اب ذرا دوسرے تذکرہ نگاروں کی آراء ملاحظہ ہوں۔ خواجہ خان حمید اورنگ آبادی ''گلشن گفتار'' (تالیف ۱۱۶۵ھ) میں لکھتے ہیں: ''حاتم، محمد حاتم، باشندۂ حضرت دھلی، مرد صاحبِ ہمّت و طبیعت عالی دارد، و بخل در دادن شعر ہرگز نہ کردہ، و دراین امر کہ فی الحقیقت سخن درست بہ مشابہ درست گوئی از حاتم بردہ صرفہ نہ دارد''[۱]۔

سیّد فتح علی گردیزی تذکرہ ''ریختہ گویاں'' (تالیف۱۱۶۵—۱۱۶۶ھ) میں لکھتے ہیں: ''اسرار معنی را ملہم محمد حاتم، حاتم۔ پر بخود می جنبد وسیہ مستانہ راہ می رود، زاد بومش شاھجہان آباد است و طبع صیر فیش نقد و قلب سخن را نقاد''[۲]۔

قائم چاند پوری صاحب ''مخزنِ نکات'' (تالیف ۱۱۶۸ھ) لکھتے ہیں: ''۔۔۔ بعد فوتِ او (نوابَ عمدۃَ الملک) توکّل روزگار نمود، با کمال آزادگی می گزارند''[۳]

لچھمی نرائن شفیق ''چمنستان شعرا'' (تالیف ۱۱۷۵ھ) میں لکھتے ہیں: ''شیخ محمد حاتم، حاتم تخلّص، عمدۂ نکتہ پردازاں و علاّمۂ سخن طرازاں است۔ نکات رنگینش تازگی بخش دلہاے محزوں و خیالات دل نشینش از نزاکت معانی مشحون۔ اشعار دل آویزش گلدستہ انجمن و بہار طبعش رشک افزاے چمن است''[۴]۔

---

(۱) گلشن گفتار، صفحہ ۲۵۔
(۲) ریختہ گویاں، صفحہ ۹۴۔
(۳) مخزنِ نکات، صفحہ ۲۴۔
(۴) چمنستان شعرا، صفحہ ۱۳۴۔

شفیق نے اپنے تذکرے میں اپنا انتخاب کردہ کلام حاتم دینے کے بعد میر اور گردیزی کا انتخاب بھی دے دیا ہے۔ میر نے ''نکات الشعرا'' میں حاتم کے مندرجہ ذیل شعر کی تحریف کی ہے:

''ھائے بے درد سے ملا کیوں تھا آگے آیا مرے کیا میرا

اگر شعر من میبود۔ این چنیں می گفتم:

مبتلا آتشک میں ہوں اب میں آگے آیا مرے کِیا میرا

پیش گرسی ایں مصرع و خنکیٔ آں شعر روشن است''[1]۔

شفیق اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''اگرچہ مضمونش اعلیٰ است، لیکن کلمۂ بد را باخود نسبت دادن آئین عقل بعید می نماید و طرفہ تر ایں کہ فتح علی خاں در تذکرۂ خود مصرع میر تقی میر را بنام حاتم نوشتہ و اصلاً اشارہ بطرف میر ننمودہ''[2]۔

تذکرۂ قدرت اللہ شوق قلمی تالیف ۱۱۸۸ھ مکتوبہ ۱۲۰۱ ''حاتم متوطن دھلی معاصر میاں آبرو تا الی یومنا ھٰذا بقید حیات است، مردیست سنجیدہ، فہمیدہ، جہاندیدہ۔۔۔''[3]۔

میر حسن ''تذکرۂ شعرائے اردو'' (تالیف ۱۱۸۸-۱۱۹۲ھ) میں لکھتے ہیں: ''شاعرے ست صاحب کمال و پسندیدہ افعال، عالی فطرت و بلند ھمّت''[4]۔

مصحفی ''عقد ثریا'' میں لکھتے ہیں: ''مرد بزرگ و جہاں دیدہ و فرسودۂ روزگار است۔ عمرھا بعیش و طرب بودہ و سالہا بناز و نعمت پرورش یافتہ، حالا چوں کسے نماند بسبب مصلحت وقت ھوائے زمانہ را مختلف دیدہ متوکلی و خانہ نشینی اختیار کردہ۔ از ھندی گویان قدیم

---

(۱) نکات الشعرا، صفحہ ۸۰۔ (۲) چمنستان شعرا، صفحہ ۱۴۴۔

(۳) بحوالہ اوریئنٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۴۴ع، صفحہ ۴۰۔

(۴) تذکرہ شعرائے اردو، صفحہ ۴۶۔

ایں دیار یادگار است و نامِ نامیش از بس شہرت بسیار مذکورِ زُبانِ صغار و کبار"[۱] ۔

صاحب مجموعہ نغز اور صاحب طبقات الشعرائے ہند کی آراء پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ محولہ بالا آراء شاہ حاتم کے معاصرین کی ہیں۔ حمید اورنگ آبادی، گردیزی، قائم، شفیق، شوق، میر حسن، مصحفی اور قاسم کے بیانات کی روشنی میں شاہ حاتم کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو اُن کی ذات میں یہ پہلو نمایاں ہوتے ہیں: "مرد صاحب ہمّت، عالی طبیعت"، صبر فی طبع، متوکّل، با کمال آزاد، عمدۂ نکتہ پردازان، علاّمۂ سخن طرازاں، مرد سنجیدہ، فہمیدہ، جہاندیدہ، صاحب کمال، پسندیدہ افعال، عالی فطرت، بلند ہمّت، مرد بزرگ، درویش، خوش مزاج، خلیق، نیک دین، صاحب یقین" ـــ یہ سب آراء ایک طرف اور جنابِ میر صاحب کی رائے دوسری طرف! سچ ہے:

صحبت کسو سے رکھنے کا اُس کو نہ تھا دماغ
تھا میر بے دماغ کو بھی کیا ملا دماغ

اور ---

اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میر تم کو
اُلجھاؤ ہے زمیں سے، جھگڑا ہے آسماں سے

یہ در اصل میر کی اُس زخم خوردہ انا کی صدائے پر درد ہے جسے میر کے نجی حالات کی مجبوریوں اور تلخیوں اور کچھ زمانے کی ستم ظریفیوں نے پھلنے پھولنے کا مناسب موقعہ نہ دیا ـــ جس کے نتیجے میں میر ضبط و حوصلہ اور رواداری اور نیاز مندی کا وہ انداز اپنی زندگی میں پیدا نہ کر سکے جسے ایک خلوت پسند صوفی بھی عام انسانی سطح پر آ کر اختیار کر لیتا ہے۔

---

(۱) عقد ثریا صفحہ ۲۳ ۔

اس کے برعکس شاہ حاتم نے بھرپور زندگی بسر کرنے اور تجربات زندگی میں سے گزرنے کے بعد درویشی اور فقرو غنا کا مسلک اختیار کیا تھا اور اس رنگ کو اپنی زندگی میں جذب کر لیا تھا - یہ کہنا شاید بے محل نہ ہوگا کہ اس زمانے میں دہلی کے نامور اُردو شعرا میں خواجہ میر درد کے بعد شاہ حاتم ہی ایک ایسے درویش منش انسان تھے جنھوں نے دہلی کی تباہی و بربادی کے الم انگیز مناظر بھی دیکھے، خود اُن کی ذات پر نازک سے نازک تر لمحات بھی گزرے، لیکن اُنھوں نے در بدر کی خاک نہیں چھانی اور انتہائی ضبط و حوصلے اور صبر و سکون سے دہلی میں رہ کر حادثات روزگار کا تجربہ و مشاہدہ کیا اور درویشانہ انداز میں زندگی گزار دی - یہ ان دونوں بزرگوں کی روحانی و صوفیانہ تربیت اور ریاضت کا نتیجہ تھا - خواجہ میر درد اس معاملے میں خوش قسمت تھے کہ اُنھیں گھر میں ہی وہ فضا مل گئی - شاہ حاتم کو تلاش حق میں نکلنا پڑا اور بالآخر شاہ بادل کا سہارا اُنھیں بھی صوفیانہ زندگی کے ساحل مُراد پر لے آیا - یہ حقیقت بھی دلچسپ ہے کہ دونوں حضرات پہلے مرد سپاہی پیشہ تھے؛ اور پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ درویشی اختیار کر لینے کے بعد انھوں نے خلوت نشینی کا مسلک اختیار نہیں کیا، بلکہ ان کی محفلوں میں دوستوں اور شاگردوں کا جھمگٹا لگا رہتا تھا - شاہ تسلیم کے تکیئے کی پر کیف فضا میں شاہ حاتم کی بزم آرائی کی کیفیت مجالسِ رنگین کی پہلی مجلس میں ہم دیکھ آئے - مصحفی نے دہلی کے زمانۂ قیام میں اپنے ہاں جو شاعرانہ محافل آراستہ کیں، حاتم کبھی کبھی اُن میں بھی چلے جایا کرتے تھے اور وہاں بیتے دنوں کی باتیں مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے - مصحفی "تذکرۂ ہندی" میں لکھتے ہیں: " در ایامیکہ فقیر در شاہجہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ

اکثر بعد مغرب در مُشاعَرہ قدم رنجہ می فرمود و در مجلس نشستہ زمانۂ سابق خود را می ستود'' [۱] - اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ حاتم کی شخصیت میں کتنی کشش و جاذبیت تھی اور وہ کتنے مجلس پسند اور احباب نواز انسان تھے —!

شاہ حاتم کی وسیع المشربی اور عالی ظرفی کا ثبوت معاصرین، احباب اور شاگردوں سے اُن کے حُسنِ سلوک کی صورت میں بھی ملتا ہے - انہوں نے اپنے پیش رو اساتذۂ سخن کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں، اپنے ہم عصروں کی زمینوں میں بھی، حتیٰ کہ اپنے شاگردوں اور اُن شاعروں کی زمینوں میں بھی جنہوں نے اُن کے سامنے آنکھ کھولی اور گھٹنوں گھٹنوں چلنا سیکھا - یہ ظرف اساتذۂ سخن میں سے بہت ہی کم لوگوں کو ملا ہوگا - معاصر شعراء سے چشمک کا رُجحان بھی ایک عام حقیقت ہے اور حاتم بھی اس صورت حال سے دوچار ہوئے - لیکن اُنہوں نے جس تحمل، بردباری اور ملائمت سے اس کا مقابلہ کیا ہے اس کی مثالیں بھی ذرا کم ہی دیکھنے میں آئی ہیں - شاہ حاتم کے معاصروں میں شاکر ناجی کو ہجو گوئی میں یدّ طولیٰ حاصل تھا - بقول صاحبِ طبقات الشعرائے ہند ''بہت شوخ مزاج تھا، ہر کسی کی ہجو کرتا، راہ چلتے سے لڑتا تھا، ہر ایک سے بھڑتا تھا - اُس سے ہر ایک کو نجات پانی مشکل تھی - بجائے ناجی کے اگر ہاجی تخلُّص اختیار کرتا تو میرے نزدیک بہت بہتر تھا'' [۲] اتفاق سے یہ بھی نواب عمدۃ الملک کے نعمت خانے کے داروغہ تھے - شاہ حاتم نے ناجی کے ہجویہ انداز کے بارے میں جو اُسلوبِ بیان اختیار کیا ہے وہ اُن کی شخصیت کا آئینہ دار

(۱) ''تذکرۂ ہندی'' مصحفی، صفحہ ۸۰ -

(۲) طبقات شعرائے ہند، کریم الدین، صفحہ ۱۲۰ -

ہے - سلامت روی اور صلح پسندی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے :

نہ تھا ناجی کو لازم طعن کرنا ہر سخن گو پر
جواب اس غزل کا حاتم نہیں کچھ کام تو کہہ لا (۱۱۳۷ھ)

سخن میں فخر اپنا بن کیے رہتا نہیں ناجی
اُسے سمجھائے حاتم کس طرح اشعار کہہ کہہ کے (۱۱۴۲ھ)

شاہ حاتم کے شاگردوں کی تعداد بھی خاصی تھی - مصحفی "تذکرۂ ہندی" میں لکھتے ہیں کہ "نغمہ سنجانِ حال وضیع و شریف او را استاد مسلّم الثبوت میدانند بلکہ او خود اسامئی کسانیکہ از اوّل تا آخر استفادۂ شعر ازو گرفتہ اند، بر دوسہ ورق بطریقِ فہرست بر پشت سر لوحِ دیوان خود نوشتہ، چسپانیدہ، تا معلوم کساں گردد کہ حاتم ایں قدر شاگرد داشت و درآنجملہ اسم مرزا رفیع سودا ہم کہ باتفاق ہمہ یکے از سر آمدِ شعرائے ہندی گویانِ ایں دیارگذشتہ، مسطور است - و الحق کہ دروغ نیست - قیاس استادیش ازینجا باید کرد نیز بنا براں میر محمد تقی میر، کہ شاعرے است جادو کار، اکثر او را در مشاعرہ بطریقِ ظرافت 'واہ الشعرا' می گفت"[۱] -

میر کا یہ طریق ظرافت معلوم نہیں ظرافت کی کون سی قسم کا حامل ہوگا - بظاہر حالات تو میر اور ظرافت کا جوڑ کچھ عجیب سا ہی معلوم ہوتا ہے -

قاسم "مجموعہ نغز" میں لکھتے ہیں : "تلامذہ بسیار داشت - در دیباچۂ دیوان نام چہل و پنج کس از شاگرداں خود برشتۂ تحریر

(۱) "تذکرۂ ہندی" صفحہ ۸۱ -

کشیدہ ۔ سر آمد شعرائے فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا ہم دراں سلک منسلک است ۔ از انصاف گستریش چہ بر طرازم استاد سراپا درائت ہدایت اللہ خاں ہدایت عفی اللہ عنہٗ می فرمودند کہ بارہا از زبان نصفت بیان آن استادِ دوراں شنیدہ‌ام کہ ایں مصرعہ میخواند ؂

رتبہ شاگردی من نیست استاد مرا

و می گفت کہ ایں در حق استادیٔ من و شاگردیٔ مرزاست ۔''[1] ۔

مرزا رفیع سودا کے علاوہ شاہ حاتم کے شاگردوں میں عبدالحی تاباں، مرزا سلیمان شکوہ، بقا اللہ بقا، سعادت یار خاں رنگین، شیخ محمد امان نثار، مکند سنگھ فارغ، میر محمدی بیدار، مرزا عظیم بیگ، نعیم اللہ خاں نعیم وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں ۔ تاباں کے بارے میں حاتم ۱۱۵۷ھ کی ایک غزل میں کہتے ہیں :

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

اور تاباں کا یہ شعر غالباً اسی کے جواب یا اعتراف میں ہے :

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اُس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

نعیم اللہ خاں نعیم اپنے استاد کے اصلاح سخن کا اعتراف یوں کرتے ہیں[2]

نہ اصلاح کرتا اگر اپنا حاتم
نعیم اس لطافت پہ دیوان نہوتا

الغرض شاہ حاتم کا برتاؤ اپنے ہم عصروں اور شاگردوں کے ساتھ بہت روادارانہ اور خوشگوار تھا ۔ بقول ڈاکٹر زور ''ان کی طبیعت اور

---

(۱) "مجموعہ نغز" صفحہ ۱۸۰ ۔

(۲) قلمی نسخہ، مملوکہ ڈاکٹر رانا احسان الہی ۔

مشرب کا اقتضا ھی یہ تھا کہ وہ ہر کس و ناکس کے ساتھ خندہ پیشانی اور مروّت و اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ وہ نہ صرف میر درد کی طرح اپنی بزرگی اور صوفیانہ روش کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے بلکہ مرزا مظہر کی طرح حُسن کارانہ ذوق اور خوش طبعی کے باعث نوجوان طبقے میں بھی مقبول تھے۔ ایک طرف نواب عمدة الملک امیر خاں اور اشرف علی خاں فغاں جیسی ظریف اور بذلہ سنج ہستیوں کا اثر تھا، تو دوسری طرف بادل علی شاہ اور شاہ تسلیم جیسے بے ریا درویشوں کے فیضِ صحبت سے بھی بہرہ مند ہوئے تھے''[1]۔

حاتم کا کلام

شاہ حاتم نے فارسی اور اردو دونوں زُبانوں میں شاعری کی۔ فارسی میں وہ مرزا صائب تبریزی کے طرز سخن سے متاثر تھے اور اردو میں اُنھیں ولی دکنی نے متاثر کیا، جس کا اعتراف اُنھوں نے دیوان زادہ کے دیباچے میں بھی کیا ھے۔ حاتم کی شاعری کے آغاز کا ذکر پہلے کیا جا چکا ھے۔ یہاں مختصراً اُن کے اردو و فارسی دواوین کی ترتیب کے سلسلے میں چند معروضات پیش کی جاتی ھیں۔

ڈاکٹر زور ''سرگذشت حاتم'' میں فرماتے ھیں کہ حاتم کا پہلا دیوان ۱۱۴۰ھ میں مرتب ہو چکا تھا[2] اس سلسلے میں انھوں نے ۱۱۴۰ھ کی ایک غزل کا یہ شعر بھی نقل کیا ھے:

تمام ھند میں دیوان کو ترے حاتم
رکھے ھے جان سے اپنی عزیز عام اور خاص

یہ شعر ''دیوان زادہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی'' میں ۱۱۴۸ھ کا ھے

---

(۱) سرگذشت حاتم، صفحہ ۷۴، ۷۵۔
(۲) سرگذشت حاتم، صفحہ ۱۰۴۔

اور یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اس میں شبہہ نہیں کہ ۱۱۴۰ھ تک حاتم کے کلام کا اچھا خاصا ذخیرہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ۱۱۴۱ھ کی ایک غزل میں وہ فرماتے ہیں :

کئی دیوان کہہ چُکا حاتم
اب تلک پر زباں نہیں ہے درست

یہاں ''کہہ چکا'' سے مراد مرتبہ دیوان نہیں بلکہ غیر مرتبہ کلام ہو سکتا ہے۔ اس کے دو تین سال بعد اُنہوں نے اپنا دیوان مرتب بھی کر ڈالا جس کے بارے میں دیوان زادہ کے دیباچے میں فرماتے ہیں کہ ''فقیر دیوان قدیم از بیست و پنج سال در بلاد ھند مشہور دارد۔'' دیباچۂ دیوان زادہ ۱۱۶۹ھ میں لکھا گیا۔ گویا ''دیوان قدیم'' ۱۱۴۴ھ میں مرتب ہو کر بلاد ھند میں مشہور ہوا۔ چنانچہ اسی زمانے (یعنی ۱۱۴۲ھ) کا یہ قطعہ دیوان حاتم کی ترتیب کا ثبوت پیش کرتا ہے :

کوئی سخن کو مرے لاتا ہی نہیں خاطر میں
واسطہ یہ ہے کہ سب ہیں مرے اشعار غلط
سر دیوان پہ حاتم کے بجا ہے کہ لکھو
نسخۂ معتبر و خوش خط و بسیار غلط

شاہ حاتم بھی اپنے ابتدائی دور شاعری میں ایہام گوئی کے رجحان سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ اُن کے قدیم دیوان میں ایہام گوئی کا اثر نمایاں تھا۔ پھر وہ ایک ترقی پسند شاعر کی طرح زمانے کی ہوا کا رخ دیکھ کر ایہام گوئی سے تائب ہوگئے۔ مصحفی لکھتے ہیں : ''طرزِ اولش در شعر بطور مضمون و ناجی و آبرو وغیرہ شعرائے ایہام بند است و طرزِ آخرش با اندازِ تازہ گویانِ حال۔''[1] قدیم دیوان کی ترتیب کے بعد تخلیق

(۱) ''عقد ثریا'' مصحفی، صفحہ ۲۳۔

شعر کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جب میرزا مظہر جان جاں نے ترک ایہام کی مہم چلائی اور اُن کے شاگردوں، خصوصاً انعام اللہ خاں یقین نے، لفظ اور معنی میں ارتباط پیدا کرکے اردو شاعری کو ایہام گوئی کی لفظی شعبدہ بازی سے نجات دلائی؛ تو حاتم بھی اس مہم کے ساتھ ہوگئے۔ ۱۱۶۲ھ تک حاتم کا دیوان خاصہ ضخیم ہو چکا تھا:

حاتم کا آج دیوان دریا سے کم نہیں ہے
سب بحر ہیں گے اس میں ایسا ہے یہ سفینہ (۱۱۶۲ھ)

۱۱۶۵ھ میں میر تقی نے ''نکات الشعرا'' مرتب کیا تو انہیں ردیف میم تک دیوان حاتم ہاتھ لگا[1]۔ ۱۱۶۸ھ میں قائم نے ''مخزن نکات'' مکمل کیا اور دیوان حاتم کے اشعار کی تعداد تقریباً چار ہزار بتائی۔ ''کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گزشتہ''[2]۔ اس وقت (۶۸-۱۱۶۹ھ) شاہ حاتم نے اپنے دیوان کو ازسرنو ترتیب دیا اور نئے مرتّبہ دیوان کا نام ''دیوان زادہ'' رکھا۔ ''دیوان زادہ'' کی ترتیب سے بہت پہلے وہ ایہام گوئی ترک کر چکے تھے:

کہتا ہے صاف و شُستہ سخن بسکہ بے تلاش
حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگہ (۱۱۵۹ھ)

اور ''دیوان زادہ'' کی ترتیب کے دو سال بعد تک بقول شاہ حاتم ایہام گوئی کا نام و نشان نہ رہا تھا:

ان دنوں سب کو ہوا ہے صاف گوئی کا تلاش
نام کو چرچا نہیں حاتم کہیں ایہام کا (۱۱۷۱ھ)

ڈاکٹر محی الدین زور نے ''سرگذشت حاتم'' میں انڈیا آفس لائبریری

---

(۱) ''نکات الشعرا'' میر تقی میر، صفحہ ۷۹۔
(۲) ''مخزن نکات'' قائم چاند پوری، صفحہ ۲۴۔

کے جس نُسخے کا حوالہ دیا ہے، وہ بقول اُن کے ۱۱۷۹ھ کا مکتوبہ ہے اور اس کو خود حاتم ہی نے نقل کیا ہے[1]۔ ''دیوان فارسی'' کے بارے میں آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ حاتم کا ایک دیوان فارسی میں بھی ہے۔ مگر بہت مختصر۔ میں نے دیکھا وہ ۱۱۷۹ھ کا خود اُن کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ غزل ۹۰ صفحے، رباعی و فرد وغیرہ ۶ صفحے[2]۔ ''دیوان فارسی'' کے بارے میں سب سے پہلے مصحفی نے یہ لکھا ہے: ''در فارسی ہم دیوان مختصرے بقدر چہار جز بطور متاخرین بیاض فرمودہ''[3] حسرت موہانی کو بھی یہ نسخہ نہیں ملا اور ڈاکٹر زور نے بھی اسے لاپتہ بتایا ہے۔

''دیوان زادہ'' مخطوطہ رام پور کا سنہ کتابت ۱۱۸۸ھ ہے اور اس پر ۱۱۸۹ھ کے حواشی درج ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کا مخطوطہ ''دیوان زادہ'' ۱۱۹۵ھ کا مکتوبہ ہے اور اس پر ۱۱۹۷ھ تک کے حواشی دیئے گئے ہیں۔ یعنی حاتم کے سال وفات تک کا کلام اس میں شامل ہے۔ اس کی کتابت شاہ حاتم کے شاگرد مکند سنگھ فارغ بریلوی نے کی ہے۔ خاتمۂ دیوان کی عبارت یہ ہے:

''تمام شد اختصار دیوان مخاطب دیوان زادہ من تصنیف ظہورالدین حاتم مداللہ ظلہ، بتاریخ بیست و یکم جمادی الاخریٰ سن ۲۳ جلوس شاہ عالم بہادر مطابق ۱۱۹۵ ہجری کاتبہ کمترین شاگردان ایں جناب مکند سنگھ فارغ غفراللہ ذنوبہ وسّر عیوبہ''[4]۔

---

(۱) ''سرگذشت حاتم'' ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ص ۱۰۳ لیکن ۱۱۷۹ھ غالباً درست نہیں۔ یہ مخطوطہ در اصل ۱۱۶۹ھ کا مکتوبہ ہے اور اس میں ۱۱۷۰ھ تک کے حواشی کا اندراج ہے۔ فہرست مخطوطات انڈیا آفس لائبریری، مرتبہ بلوم ہارٹ ۱۹۲۶ع، صفحہ ۸۲، ۸۳۔

(۲) ''آب حیات'' محمد حسین آزاد، صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹۔

(۳) ''عقد ثریا'' مصحفی، صفحہ ۲۳۔

(۴) دیوان زادہ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی، ورق ۱۵۶۔

غالباً ''دیوان زادہ'' کی کتابت کے فوراً بعد مکند سنگھ فارغ نے شاہ حاتم کے ''دیوان فارسی'' کے مختصر سے نسخے کی کتابت شروع کر دی تھی۔ یہ نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔ اس نُسخے کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو نے اس کے خاتمے کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

''به تاریخ بیست و نہم رجب المرجب سن ۲۳ جلوس شاہ عالم بہادر، موافق ۱۱۹۵ ھجری ۔ ۔ ۔ دیوان تصنیف ظہورالدین حاتم المخاطب به دیوان زادہ کاتبہ مکند سنگھ فارغ کمترین شاگردان آں جناب غفراللہ ذنوبه وسر عیوبه والسلام والاکرام''[۱]۔

فارسی دیوان کے خاتمے کی تحریر میں ''دیوان زادہ'' کے الفاظ سے کچھ مغالطہ سا پیدا ہو جاتا ہے لیکن اگر اُردو اور فارسی دونوں دواوین کے اختتامیوں کو بغور دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ اصل دیوان زادہ ۲۱ جمادی الآخر ۱۱۹۵ھ کو اختتام پذیر ہوا اور اس کے بعد فارسی دیوان کی کتابت شروع کی گئی جو ۲۹ رجب المرجب ۱۱۹۵ھ کو مکمل ہوئی۔ غالباً کاتب نے سہواً فارسی دیوان کی اختتامی عبارت میں بھی دیوان زادہ لکھ دیا۔ چونکہ دونوں نسخوں کا کاتب ایک ہی شخص ہے لہٰذا یہ غلطی ممکن تھی۔

شاہ حاتم نے کم و بیش ستر (۷۰) سال تک اُردو شعر و ادب کی آبیاری میں حصّہ لیا۔ اُردو زُبان اور شاعری کی تاریخ میں وہ کئی اعتبار سے منفرد و یگانہ ہیں:

(۱) بحیثیت محقق لسانیات ــ شاہ حاتم نے ۱۱۶۹ھ میں ''دیوان زادہ'' مرتب کیا تو اس کے ساتھ ایک مختصر سا دیباچہ بھی لکھا جس میں

---

(۱) بحوالہ ''معاصر'' جنوری ۱۹۵۲ع صفحہ ۳۷۔

غالباً پہلی بار اُردو کے لسانی مسائل کو چھیڑا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اُردو زبان ابھی سیال حالت میں تھی لیکن فارسی کی جگہ رفتہ رفتہ اپنا مقام بنا رہی تھی - حاتم کا یہ اقدام بہت اہم اور بر محل تھا۔

(۲) بحیثیت شاعر — شاہ حاتم نے اُردو شاعری کے دو اہم ادوار میں دو مختلف شعری میلانات کا ساتھ دیا۔ اول ایہام گوئی کا اور پھر سادہ گوئی یا تازہ گوئی کا۔ اس طرح اُنھوں نے اپنے جدّت پسند یا ترقی پسند ہونے کا پورا ثبوت دیا۔ اُنھوں نے ایہام گوئی کو نہ صرف خود خیرباد کہا بلکہ دوسروں کو بھی ترک ایہام پر آمادہ کیا۔ دوسرے دور میں اُن کے کلام میں لفظ و معنی کے ارتباط سے وہی حسن اظہار و بیان نمایاں ہے جو سودا، درد اور میر کے دور کی خصوصیت ہے۔

(۳) شاہ حاتم نے اپنے کلام کی ترتیب میں سنین کا التزام کرکے اُردو شاعری کا تاریخی لحاظ سے مطالعہ کرنے والوں کے لیے بڑی آسانی پیدا کر دی ہے - چونکہ اُن کی اکثر غزلیات طرحی، فرمائشی یا دوسرے شعراء (ہم عصروں و شاگردوں) کی زمینوں میں ہیں، جیسے ہر غزل کی سرخی میں واضح کر دیا گیا ہے، اس لیے ان غزلیات سے دوسرے شعراء کے کلام کا زمانہ بھی متعین کیا جا سکتا ہے - اگرچہ "دیوان زادہ" کے مختلف قلمی نسخوں میں بعض سنین کا معمولی سا اختلاف بھی پایا جاتا ہے، تاہم اس سے "دیوان زادہ" کی اہمیت پر کچھ زیادہ زد نہیں پڑتی۔ اس تاریخی ترتیب سے محققین زبان کو اُردو زبان کے عہد بہ عہد ارتقا کا مطالعہ کرنے میں خاطر خواہ مدد مل سکتی ہے - شاہ حاتم آخر عمر تک اپنے کلام میں ردّ و بدل کرتے رہے - اس طرح دیوان زادہ کے مختلف نسخوں، نیز تذکروں میں شائع شدہ کلام کے تقابلی مطالعے سے زبان کی تبدیلیوں کا پتا چل سکتا ہے۔

(۴) بحیثیت شاعر حاتم کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے عہد کی نمائندہ صنف سخن یعنی غزل کے علاوہ نظم میں بھی طبع آزمائی کی اور منظومات کا خاصہ سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ ڈاکٹر زور نے ''سرگذشت حاتم'' میں آٹھ نظموں کا ذکر کیا ہے:

(۱) حمد و نعت۔ (۲) حقہ۔ (۳) قہوہ۔ (۴) نیرنگیٔ زمانہ۔ (۵) عرضی استعفا۔ (۶) بنام فاخر خاں۔ (۷) بارھویں صدی۔ (۸) حال دل۔

ان میں سے ''نیرنگیٔ زمانہ'' ''عرضی استعفا'' اور ''بنام فاخر خاں'' تو قطعات ہیں۔ ''حمد و نعت'' (مثنوی) کا ٹکڑا ''گلشن گفتار'' مؤلفہ خان حمید اورنگ آبادی میں محفوظ رہ گیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطہ ''دیوان زادہ'' میں غزلیات اور رباعیات و قطعات کے علاوہ مندرجہ ذیل نظمیں شامل ہیں:

(۱) مخمس (۱۱۴۲ھ) ۱۱ بند، از ''دیوان قدیم''۔

(۲) مخمس (۱۱۳۹ھ) ۱۱ بند، از ''دیوان قدیم''۔

(۳) مخمس شہر آشوب (۱۱۴۱ھ) ۲۵ بند۔ از ''دیوان قدیم''۔ ''سرگذشت حاتم'' میں اس نظم کا عنوان بارھویں صدی تجویز کیا گیا ہے۔

(۴) مخمس (۱۱۶۶ھ) ۵ بند، از ''دیوان جدید''۔

(۵) مخمس (۱۱۸۰ھ) ۷ بند، از ''دیوان جدید''۔

(۶) مسدس در توکل و قناعت (۱۱۳۶ھ) ۱۰ بند، از ''دیوان قدیم''۔

(۷) سوز و گداز (۱۱۳۹ھ) ۱۰ بند (چار اشعار فی بند)، از ''دیوان قدیم''۔ ''سرگذشت حاتم'' مین اس کا عنوان ''حال دل'' لکھا گیا ہے، (واسوخت کا مرادف)۔

(۸) ترجیع بند در جواب ولی، (۱۱۳۵ھ) از "دیوان قدیم"
۱۰ بند، فی بند ۱۱ و ۱۲، اشعار۔

(۹) وصف سراپا (۱۱۴۶ھ)، ۶۶ اشعار۔

(۱۰) ساقی نامہ (۱۱۶۱ھ) مثنوی، ۶۰ اشعار۔

(۱۱) وصف قہوہ (۱۱۴۹ھ) مثنوی، ۱۹ اشعار، از "دیوان قدیم"۔

(۱۲) وصف تماکو و حقہ (۱۱۴۹ھ) مثنوی، ۹۵ اشعار، از
"دیوان قدیم"۔

(۱۳) مثنوی بہاریہ (۱۱۴۷ھ) ۳۵۵ اشعار وصف روشنی تک، آگے
(نامکمل) آخری عنوان "وصف رقص"۔

مآخذ

(۱) نکات الشعراء، میر تقی میر، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔

(۲) گلشن گفتار، خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی، مطبوعہ ۱۳۲۹ھ۔

(۳) تذکرہ ریختہ گویاں، سید فتح علی حسینی گردیزی، مطبوعہ ۱۹۳۳ء

(۴) مخزن نکات، شیخ محمد قیام الدین قائم چاند پوری، مطبوعہ ۱۹۲۹ء۔

(۵) چمنستان شعراء، لچھمی نرائن شفیق، مطبوعہ ۱۹۲۸ء۔

(۶) تذکرہ شعرائے اُردو، میر حسن، مطبوعہ ۱۹۴۰ء۔

(۷) گلزار ابراہیم، خان خلیل علی ابراہیم، مطبوعہ ۱۹۳۴ء۔

(۸) عقد ثریا، غلام ہمدانی مصحفی، مطبوعہ ۱۹۳۴ء۔

(۹) تذکرۂ ہندی، غلام ہمدانی مصحفی، مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔

(۱۰) گلشن ہند، مرزا علی لطف، مطبوعہ ۱۹۰۶ء۔

(۱۱) مجموعہ نغز، میر قدرت اللہ قاسم، مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔

(۱۲) گلشن بے خار، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، مطبوعہ ۱۹۱۰ء۔

(۱۳) یادگار شعرا ، سپرنگر (ترجمہ) طفیل احمد ، مطبوعہ ۱۹۴۳ء -

(۱۴) طبقات شعرائے ہند ، مولوی کریم الدین، مطبوعہ ۱۸۴۸ء -

(۱۵) سخن شعراء ، عبدالغفور نساخ ، مطبوعہ ۱۲۹۱ھ -

(۱۶) تذکرہ جلوۂ خضر ، صفیر بلگرامی ، مطبوعہ ۱۸۸۴ء -

(۱۷) آب حیات ، محمد حسین آزاد ،

(۱۸) گل رعنا ، مولوی عبدالحی ، مطبوعہ ۱۳۴۲ھ -

(۱۹) شعر الہند ، عبدالسلام ندوی ، مطبع معارف اعظم گڑھ -

(۲۰) تاریخ ادب اُردو ، سکسینہ ، (ترجمہ) عسکری -

(۲۱) مجالس رنگین ، سعادت یار خاں رنگین ، مطبوعہ ۱۸۶۴ء -

(۲۲) سعادت یار خاں رنگین ، ڈاکٹر صابر علی خاں، مطبوعہ ۱۹۵۶ء -

(۲۳) سرگذشت حاتم ، ڈاکٹر محی الدین قادری زور ، مطبوعہ ۱۹۴۴ء -

(۲۴) دیوان زادہ، شاہ حاتم، (مخطوطہ ۱۱۹۵ھ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی)

(۲۵) دیوان نعیم، نعیم اللہ خاں (قلمی، مملوکہ ڈاکٹر رانا احسان الہی)-

(۲۶) انتخاب سخن ، حسرت موہانی ، احمد المطابع کانپور -

(۲۷) Histoire de la Litterature Hindoui et Hindoustani, M. Garcin De Tassy, Paris, 1839.

(۲۸) History of Urdu Literature, Ram Babu Saksena, 1927.

(۲۹) Catalogue of the Hindustani Manuscripts in the Library of the India Office, J. F. Blumhardt, 1926

" رسائل " :

(۳۰) اوریئنٹل کالج میگزین -

(۳۱) ہندوستانی -

(۳۲) اُردو -

(۳۳) معاصر -

(۳۴) نقوش -

انتخاب کلام

دیوان زادہ

شاہ حاتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ[1]

بعد حمد الٰہی و نعت رسالت پناہی معروض می دارد فقیر خاکسار[2] درویشاں و خوشہ چین خرمن سخنوراں، ہیچ مدان عالم، بصورت محتاج بمعنی، حاتم کہ از سنہ یک ہزار و یکصد و بیست و ہشت تا یک ہزار و یکصد و شصت و نہ کہ چہل سال باشد[3] نقد عمر دریں فن صرف نمودہ،

---

(۱) راقم نے دیباچہ "دیوان زادہ" شاہ حاتم کی تدوین کے سلسلے میں تین نسخوں کو پیش نظر رکھا ہے۔

۱۔ دیباچہ "دیوان زادہ" (مخطوطہ ۱۱۶۹ھ۔ لندن) جسے ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے مرتب کرکے "سرگذشت حاتم" مطبوعہ ۱۹۴۴ء (صفحہ ۱۲۵-۱۲۸) میں پیش کیا ہے۔

۲۔ دیباچہ "دیوان زادہ" (مخطوطہ ۱۱۸۸ھ۔ رضا لائبریری، رام پور)۔

۳۔ دیباچہ "دیوان زادہ" (مخطوطہ ۱۱۹۵ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے قلمی نسخے کا پہلا ورق غائب ہے۔ اس لیے اس نسخے میں دیباچے کی عبارت دوسرے ورق پر یہاں سے شروع ہوتی ہے "و لفظ در و بر و از و او کہ فعل و حرف باشد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" راقم نے رام پور والے نسخے کے دیباچے کو بنیاد بنایا ہے اور جہاں کہیں پہلے اور تیسرے نسخے سے اس کی عبارت کا اختلاف پیدا ہوا ہے اسے خط کشیدہ کرکے حاشیے میں ظاہر کر دیا ہے۔ اس مقصد کے لیے حاشیے میں "سرگذشت حاتم" والے دیباچے کے لیے نشان "ا" اور پنجاب یونیورسٹی والے دیباچے کے لیے نشان "ب" کا اندراج کیا گیا ہے۔

نسخہ رام پور کے دیباچے اور دیگر متعلقہ معلومات کے لیے میں اپنے دوست حامد خاں حامد لیکچرار گورنمنٹ کالج لائل پور کا ممنون ہوں جو بغرض تحقیق رام پور گئے تھے اور میری فرمائش پر یہ تحفہ میرے لیے لائے۔

(۲) نسخہ ا : "خاکپائے"۔

(۳) نسخہ ا : "از سنہ یکہزار و بیست و ہشت تا یکہزار و شصت و ہشت کہ قریب چہل سال باشد"۔ غالباً یہاں دونوں جگہ کاتب سے یکہزار کے بعد "یکصد" سہواً کتابت میں رہ گیا ہے۔ "سرگذشت حاتم" کے مؤلف ڈاکٹر زور اور فہرست مخطوطات انڈیا آفس کے مؤلف بلوم ہارٹ نے اسی طرح نقل کر دیا ہے۔

ہنوز تربیت طلب و جاے استاد خالی دارد - در شعر فارسی پیرو میرزا صائب است و در ریختہ ولی را استاد میداند - اول کسے کہ دریں فن دیوان ترتیب نمود او بود فقیر[1] دیوان قدیم از بہست و پنج سال در بلاد ہند مشہور دارد و بعد بترتیب آن تا امروز، کہ سنہ احد عزیز الدین عالمگیر ثانی باشد، بقول فقیر[2] کہ - بیت؎

ما را بفراغتِ اجل دیر رساند این عمرِ دراز سخت کوتاہی کرد

ہر رطب و یابس ، کہ از زبان این بے زبان برآمدہ، داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ - چنانچہ نقل آن بسیار بہر کس دشوار بود - بنا بر خاطر داشت یاران نازک طبعان[3]، از فکر قدیم و جدید کہ از مذاق[4] ماضی و حال ازو[5] خبر دہد ، از ہر ردیف دو سہ غزلے و از ہر غزل دو سہ بیتے ورائے مناقب و مرثیہ و مخمس و مثنوی وغیرہ موقوف داشتہ[6] - مشتے نمونہ از خروار بر آوردہ ، بطریق اختصار سواد بیاض نمودہ بہ دیوان زادہ مخاطب ساختہ، تا خوانندگان و نقل نویسان[7] را ملالے نیفزاید -[8] و اوزان و بحور نیز داخل کردہ، تامبتدیان از و فایدہ بردارند - و بسرخی غزلیات مع سنہ بسہ قسم بقید قلم آورد[9] : یکے

(۱) نسخہ ا : "و در شعر فارسی بطرز مرزا صائب و در ریختہ بطور ولی رحمہم اللہ اوقات خود بسر می برد - و ہر دو را استاد می داند - و دیوان قدیم - - -"

(۲) نسخہ ا : "عالمگیر بادشاہ باشد بقول بزرگے کہ - - - بیت"

(۳) نسخہ ر : "طالبان این فن و نازک طبعان مشتاق سخن از فکر - - -"

(۴) نسخہ ا : "فراق" -

(۵) نسخہ ا : "را" -

(۶) نسخہ ا : "سوائے مرثیہ و مناقب و مخمس ساقی نامہ و مثنوی - - -"

(۷) نسخہ ا : "نقل کنندگان" -

(۸) نسخہ ا : "نیفزاید" کے بعد یہ عبارت "خیر الکلام ماقل و دل" -

(۹) نسخہ ا : "و اوزان بحور بسرخی نوشتہ تامبتدیان ازان فایدہ بردارند - و سرخی غزل مع سنہ بسہ قسم تقسیم نمودہ" -

طرحی، دوم فرمایشی، سیوم جوابی، تا تفریق آن معلوم گردد۔ و فقیر از معاصران شاہ مبارک آبرو[1] و شرف الدین مضمون و مرزا جان جاناں مظہر و شیخ احسن اللہ و میر شاکر ناجی و غلام مصطفیٰ یکرنگ است[2] و لفظ "در" و "بر" و "از" و "او"، کہ فعل و حرف باشد[3]، بقول شاہ مبارک آبرو:

وقت جن کا ریختے کی شاعری میں صرف ہے
اُن ستی کہتا ہوں بوجھو حرف میرا ژرف ہے
جو کہ لاوے ریختے میں فارسی کے فعل و حرف
لغو ہیں گے فعل اُس کے، ریختے میں حرف ہے

بندہ در دیوان قدیم خود تقید دارد و دریں ولا از دہ دوازدہ سال[4] اکثر الفاظ را از نظر انداختہ۔ لسان عربی و زبان فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشد و روز مرۂ دہلی کہ میرزایان ہند و فصیحان[5] رند در محاورہ دارند منظور داشتہ[6]، زبان ہر دیار تابہ

(۱) نسخہ ا: "و لفظ در و بر و از و او کہ فعل و حرف باشد پیش از قول شاہ مبارک آبرو بندہ در "دیوان قدیم" خود نداشت۔۔ و معاصران دیگر مثل شرف الدین مضمون"۔

(۲) نسخہ ا کے ناموں کی ترتیب میں ذرا سا فرق ہے۔ شاہ مبارک آبرو کا ذکر پیشتر آ جانے کی وجہ سے دوبارہ نہیں لکھا گیا۔ مرزا جان جاناں مظہر کا نام یکرنگ کے بعد یعنی آخر میں ہے۔

(۳) نسخہ "ا" میں یہ عبارت اسماء معاصرین سے پہلے ہے اور نسخہ "ب" میں مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق۔

(۴) نسخہ ا: "و دریں ولا ایں تربیت طلب از دہ و دوازدہ سال سوائے آن۔۔۔"

(۵) نسخہ ا: "و فصیح گویان رند"۔

(۶) نسخہ ا: میں "منظور داشتہ" کے بعد "سوائے آن زبان۔۔۔" نسخہ ب میں "داشتہ" کے بجائے "شد"۔

هندوی که آن را بهاکها گویند موقوف کرده، محض[۱] روز مرهٔ که عام فهم و خاص پسند بوُد اختیار نموده[۲]، شمّهٔ ازاں الفاظ که تقیّد دارد به بیان می آرد :—

چنانچه عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانه را بگانه و دیوانه را دوانه و مانند آن بطور عامه ؛ یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک : چنانچه مَرَضْ را مَـرْض و غَـرَضْ را غَـرْض و مانند آن ؛ یا الفاظ هندی[۳] که نین و جگ و نت و بسر وغیره آنچه باشد، یا لفظ ''مار'' و ''مؤا'' و ازیں قبیل که برخود قباحتے لازم لازم[۴] آید ؛ یا بجاے سے ستی[۵] یا اِدھر را اودھر و کدھر راکیدھر که در آن زیادتی حرف باشد ؛ یا بجاے پر په[۶] یا یہاں را یاں و وهاں را واں[۷] که در مخرج تنگ بود ؛ یا کسر[۸] و فتح وضم در قافیه ؛ یا قافیه راء فارسی با راء هندی - چنانچه گهوڑا و بورا و دهڑ و سر و مانند آن - مگر هاے هوّز را بدل کردن به الف، که از عام تا خاص در محاوره دارند - بنده دریں امر بمتابعت جمهور مجبور است - چنانچه بنده را بندا و پرده را پردا[۹] و آنچه ازیں

---

(۱) نسخه ا : '' موقوف نموده - فقط روز مره - - - '' -

(۲) نسخه ا : '' اختیار کرده و شمهٔ - - - '' -

(۳) نسخه ا : هندوی -

(۴) نسخه ا : قباحتے کی بجائے قباحت - '' لازم '' ایک بار - نسخه ب میں بھی '' لازم '' ایک بار -

(۵) نسخه ا : ستی کے بعد '' یا سیتی '' -

(۶) نسخه ا : '' بجائے پر په '' کے بعد یه عبارت '' و تیری را تجه (حاشیه پر : و لفظ تجه بعضے جا مناسب و بعضے جا غیر مناسب - چنانچه تجھے و تجکو بہتر است، و تجه چشم نے و تجه نگاه نے محاوره نیست - بجائے اس تیری چشم نے و تیری نگاه نے می تواں گفت) که باختصار آید '' -

(۷) نسخه ا : '' واں '' کے بعد حاشیه پر : '' و هر ایک را هر یک '' -

(۸) نسخه ا اور ب دونوں میں '' کسر '' کی بجائے '' کثر '' ہے -

(۹) نسخه ا : '' شرمنده را شرمندا '' -

قبیل باشد۔ و ایں قاعدہ را تا کجا شرح دھد۔ غرض کہ خلاف محاورہ و غیر مصطلح و غلطی (کذا) روزمرہ و نقصان فصاحت را دخل نباشد۔ العاقل یکفی الاشارہ و دریں مختصر الفاظ مذکور انشاء اللہ تعالیٰ نخواھد بود، مگر در مثنوی قہوہ و حقہ وغیرہ اشعار دیوان قدیم۔ و اگر اتفاقاً دریں مختصر باشد بر خذ ما صفا و دع ما کدر، نظر نمودہ[1] از خطا در گذرند و انصاف را از دست ندھند؛ کہ الانسان مرکب الخطاء و النسیان[2] واقع است۔ علیٰ نبینا الصلوٰۃ و السلام و علیٰ آلہ الکرام[3]۔

(۱) نسخہ ا میں خط کشیدہ عبارت "دخل نباشد" سے "تا گفتگوے قدیم نیز" تک حاشیے میں ہے اور "در مثنوی قہوہ و حقہ" سے آگے یہ عبارت ہے "۔۔۔ کہ عمداً مرقوم نمودہ تا گفتگوے قدیم نیز بنظر موشگافان ایں فن و دُور بینانِ معانی سخن درآید۔ و اتفاقاً اگر در غزلیات باشد بر "خذ ما صفا و دع ما کدر" مُلاحظہ نمودہ۔۔۔"

نسخہ ب میں "انشاء اللہ تعالیٰ نخواھد بود" کے بعد یہ عبارت ہے "مگر در اشعار دیوان قدیم کہ از سنہ معلوم خواھد شد و اگر اتفاقاً در اشعار دیوان جدید باشد بر "خذ ما صفا و دع ما کدر"۔

(۲) نسخہ ا: "السہو و النسیان"۔

(۳) نسخہ ا: "واللہ علی التوفیق"۔

حمد

زمین طرحی سر غزل دیوان قدیم - ۱۱۳۱ھ

کیا کہے قاصر زبان توحید و حمد کبریا
جن نے کن کے حرف میں کونین کو پیدا کیا
جو کہ ہے غوّاص اس بحر عمیق عشق کا
سب شناور دیکھ کر کہتے ہیں اُس کو مرحبا
کب ہے محتاج شراب ناقص انگور و قند
جن نے میخانے میں وحدت کے پیالا بھر پیا
مزرع دنیا میں جو اپنے تئیں دانا کہے
پیس ڈالے اس کو گردش میں فلک کی آسیا
چھوڑ کر سب خلق حاتمؔ دل لگا خالق کے ساتھ
جن نے تجھ کو صورت انساں کیا اور جی دیا

زمین طرحی در ۱۱۳۱ھ

رکھتا ہوں میں حق پر نظر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو
ھشیار ہوں یا بے خبر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو
قسمت مقدر بوجھ کر غفلت میں آ کر حرص سے
پھر کیا ہے پھرنا در بدر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو
جز معصیت کے کچھ نہیں ہے کام مجھ عاصی کے تئیں
ہر روز و ہر شام و سحر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو
کچھ نیک و بد کہنے کا اب خطرا نہیں ہے خلق کا
یکساں کیا نفع و ضرر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

ہے چار دن کی زندگی خوش رہ کہ آخر کے تئیں
دنیا سے جانا ہے گذر کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو
حاتم توقع چھوڑ کر عالم میں تا شاہ و گدا
آ کر لگا حیدر کے در کوئی کچھ کہو کوئی کچھ کہو

نعت

زمین طرحی در ۱۱۳۲ھ

اوّل خدا نے نور تمہارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہہ زمین و زماں کیا
تجھ در پر آرزو میں سلیماں مثال مور
کیوں کر نہ ہو کہ تجکو شہہِ خسرواں کیا
صاحب دلوں کو حشر تلک ہے وہ سجدہ گہہ
جس سر زمیں میں تم نے قدم سے نشاں کیا
کحل البصر کی جا تری خاک قدم کو بوجھ
آنکھوں کو مردماں نے بنا سرمہ داں کیا
دیکھا فلک سے قد کا ترے مرتبہ بلند
طوبیٰ نے قد تیر کو اپنے کہاں کیا
غفلت کے خار ہوش کے تیشہ سے کاٹ ہم
گلشن بنا کے دل کو تمہارا مکاں کیا
حاتم کا دل ہوا تھا سراپا اگر ضعیف
تجھ عشق نے یہہ پھر سرِ نو سے جواں کیا

زمین طرحی در ۱۱۳۲ھ

تاباں ہے اس جبیں سے مرے دل میں نور آج
جس نور سے ہر ایک ہوا کوہ طور آج

اس کی نگاہِ مست نے دیوانہ کر دیا
دل سے خیالؔ، سر سے رہا ہوش دور آج
اس کی بھواں کی تیغ کی شہرت غلط نہیں
عالم کیا ہے قتل ہمارے حضور آج

زمین طرحی در ۱۱۳۲ھ

کاملوں کا یہہ سخن مدت سے مجکو یاد ہے
یعنی بے معشوق جینا زندگی برباد ہے
بندگی سے سرو قد کی یک قدم باہر نہیں
کیا ہوا (جو)[1] سرو کہنے میں اگر آزاد ہے
بے مدد زلفوں کی اُس کے حسن نے قیدی کیا
صید دل بے دام کرنا صنعت صیاد ہے
رخ کو تیرے دیکھ کر کہتا ہوں میں شمس الضحا
خط تس اوپر سورۂ والشمس کی اسناد ہے
دل نہاں پھرتا ہے حاتم کا نجف کے گرد گرد
(گو)[2] وطن ظاہر میں اس کا شہ جہان آباد ہے

زمین طرحی در ۱۱۳۲ھ

جو عاشق ہیں تمہارے سیر ہیں دنیا سے من اُن کے
نہیں رکھتے گرہ میں دام، ہے ہمت کا دھن اُن کے
لب شیریں سے تیرے کام لینا کام ہے جن کا
تصدق ہر قدم ہوتی ہے روح کوہکن اُن کے
نہ کر روشن دلوں کی بزم میں تو شمع کو روشن
کہ داغ عشق سے روشن رہیں ہیں انجمن ان کے

---

(۱) مخطوطے میں "گر"۔ (۲) کرم خوردہ۔

کہاں فرصت ہے عشاقوں کو سیر گلستاں کرنا
چبھے ہے خارسا آنکھوں میں کیا گل کیا چمن اُن کے
جو کوئی مرتا ہے عالم میں سیہ چشموں کی حسرت میں
دفن کے وقت لازم ہے سیہ کرنا کفن اُن کے
جو ہیں خاموش لب سو نیک و بد کہنے سے فارغ ہیں
برنگ غنچۂ تصویر ہیں دائم دہن اُن کے
جو ہیں اہل سخن حاتم انہیں مرنے سے کیا دہشت
مسیحا کی طرح جیویں گے تا محشر سخن اُن کے

زمین ولی در ۱۱۳۳ھ

جس کے دل میں ترا خیال ہوا — اُس کو جینا یہاں محال ہوا
ہجر میں زندگی سے موت بھلی — کہ کہیں سب آسے وصال ہوا[1]
گرمیٔ حسن سے ترے خورشید — تجھ طرف دیکھنا زوال ہوا
ہے وہ چرخے مثال سرگرداں — جس کو حاتم تلاش مال ہوا

زمین طرحی در ۱۱۳۳ھ

دیکھ کر چشم یار کی بد مست — صوفی آکر ہوے ہیں بادہ پرست
دے کے دل اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ — ہم نے سودا کیا ہے دست بدست
عشق کی راہ میں میں مست کی طرح — کچھ نہیں دیکھتا بلند اور پست
اُس شرابی کے ہاتھ سے حاتم — شیشۂ دل کے تئیں ہوئی ہے شکست

زمین طرحی در ۱۱۳۴ھ

ہوا ہے خط سے عارض جان من سبز — کیا ہے ابر رحمت نے چمن سبز

---

(۱) ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی — کہ کہے سب جہاں وصال ہوا
(نکات الشعرا، میر)
ہجر کی زندگی سے مرگ بھلی — کہ یہ کہوے جہاں وصال ہوا
(مجموعہ نغز، قاسم)

مگر قمری کا ماتم ہے چمن میں جو بر میں سرو کے ہے پیرہن سبز

زمین طرحی در ۱۱۳۴ھ

جا کر ہوا وہ جب سے چمن میں دو چار گل
شرمندہ ہو جلو میں چلے ہیں قطار گل
پہنچی ہے جس دماغ میں تجھ گل بدن کی بو
نزدیک اُس کے کچھ نہ رہا اعتبار گل
گلشن میں ایسی دھوم پڑی تیرے رنگ کی
جاتی رہی چمن سے یکایک بہار گل
گلگوں قبا سے بند ہوا ہے جنھوں کا دل
اُن کی نگہ میں خار ہے نقش و نگار گل
حاتم گلوں کا کیوں نہ فلک پر ہو اب دماغ
پہنا ہے اُس نے آج گلے بیچ ہار گل

زمین طرحی در ۱۱۳۴ھ

عاشق اوپر نہ جور و ستم اس قدر کرو
عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو
جو کچھ کیا ہو ہم نے سو دیوانہ بوجھ کر
بخشو خدا کے واسطے آ درگذر کرو
دل کے نگیں پہ اسم تمہارے کا نقش ہے
نام اپنے کے سبب تم اسے نامور کرو
دل لے گئے ہو تو بھی جفا چھوڑتے نہیں
ہم دل جلوں کی آہ سحر سے حذر کرو
آساں نہیں ہے شوخ ستم گر کو دیکھنا
جی نذر کر چکو تب اُس اوپر نظر کرو

حاتم کہے ہے تم کو میاں ایک جا تو رہ
آنکھوں میں آ بسو یا مرے دل میں گھر کرو

زمین طرحی در ۱۱۳۴ھ

یار کا مجھ کو اس سبب ڈر ہے شوخ، ظالم ہے (اور) ستم گر ہے[1]
دیکھ سرو چمن ترے قد کو خجل ہے، پا بہ گل ہے، بے بر ہے
حق میں عاشق کے ترے لب کا سخن قند ہے، نیشکر ہے، شکّر ہے
کیونکہ سب سے تجھے چھپا نہ رکھوں جان ہے، دل ہے، دل کا انتر ہے
مارنے کو رقیب کے حاتم شیر ہے، ببر ہے، دھنتر ہے

۱۱۳۴ھ

پلک لگنے میں دو کرتے ہیں پیارے
تری آنکھوں کے ہیں تیغے دو دھارے
ترا خط آج لے فوج سیہ پوش
ہوا ہے قتل عاشق پر اتارے
نہانی ہم سے یہ ملنا تمہارا
رقیبوں کے چلے ہیں سر پر آرے

زمیں طرحی در ۱۱۳۵ھ

آب حیات جا کے کسی نے پیا تو کیا
گو خضر ہو جہاں میں اکیلا جیا تو کیا
شیریں لبان سنگ دلوں کو اثر نہیں
فرہاد کام کوہ کنی کا لیا تو کیا
جلنا ہمیشہ شمع صفت سخت کام ہے
پروانہ کی طرح سے اگر جی دیا تو کیا
ناسور ہو گیا ہے نہ ہوگا کبھو وہ بند
جرّاح زخم عشق کو آ کر سیا تو کیا

---

(۱) مخطوطے میں "شوخ ہے ظالم ہے ستم گر ہے"

محتاجگی سے مجکو نہیں ایک دم فراغ
حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

زمین طرحی در ۱۱۳۵ھ

عشق نے چٹکی سی لی پھر آ کے مری جاں کے بیچ
آگ سی کچھ لگ گئی ہے سینۂ بریاں کے بیچ
اہل معنی جز نہ بوجھے گا کوئی اس رمز کو
ہے ظہور مظہر حق صورت انساں کے بیچ
زلف و چشم و خال و خط چاروں ہیں دشمن دین کے
حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستاں کے بیچ
نقد دل کھویا ہے ہم نے جان کر اس راہ میں
فی الحقیقت عاشقوں کو سود ہے، نقصاں کے بیچ
گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اُسے رسوا کروں گا باندھ کر دیواں کے بیچ
رات دن جاری ہے عالم میں مرا فیض سخن
گو کہ ہوں محتاج پر حاتم ہوں ہندستاں کے بیچ

زمین طرحی در ۱۱۳۵ھ

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ
حسن رہزن ہے جو پنجاب کی راہوں کے بیچ
دفتر عشق سے اب اس کو سند پہنچی ہے
جن نے دل بند کیا زلف سیاہوں کے بیچ
کئی فرہاد ہیں جویا ترے شیریں لب کے
کئی یوسف ہیں زنخدان کے چاہوں کے بیچ
عشق کی فوج نے آ گھیر لیا ہے ظالم
یک بیک دل کو مرے نیزۂ آہوں کے بیچ

ہاتھ حاتم کا پکڑ پار اوتارو یا شہ
غرق ہے بسکہ سدا بحر گناہوں کے بیچ

زمین طرحی در ۱۱۳۵ھ

یار نکلا ہے آفتاب کی طرح | کون سی اب رہی (ہے) خواب کی طرح
چشم مست سیہ کی یاد مدام | شیشۂ دل میں ہے شراب کی طرح
صاف دل ہے تو آ کدورت چھوڑ | مل ہر اک رنگ میں تو آب کی طرح
پست ہو چل مثال دریا کی | خیمہ برپا نہ کر حباب کی طرح
تو پیئے ہے شراب حاتم ساتھ | کیوں نہ دشمن جلیں کباب کی طرح

زمین طرحی در ۱۱۳۵ھ

پہن نکلا صنم گھر سے قبا سبز | ہوا جوں سرو سر سے تا بہ پا سبز
کف پا دیکھ تیری، خون سے سرخ | ہوا ہے وہم سے رنگ حنا سبز
میاں چل سیر کر ابر و ہوا ہے | ہوا ہے کوہ و صحرا جابجا سبز
نہو اس سے تو نا اُمید حاتم | کرے گا کھیت کو تیرے خدا سبز

زمین طرحی در ۱۱۳۵ھ

یوں ہے تم سے ہمیں سدا اخلاص | گل سے رکھتی ہے جوں صبا اخلاص
دوستی میں عجب نہیں کہ رکھیں | آشناؤں سے آشنا اخلاص
کبھو پایا نہ ایک دم آرام | جب سے تم ساتھ ہم کیا اخلاص
دل میں دشمن رہا تو سو نہ پر دوست | ہم نے دیکھا میاں ترا اخلاص
یہی ہوتی ہے دوستی کی شرط؟ | وہ چہ خوش واہ وا بھلا اخلاص
ہم نے چھوڑا تمہیں خدا کی قسم | کیجیے جا کے اور جا اخلاص
حاتم اُس بے وفا کا نام نہ لے | ایسے نا آشنا سے کیا اخلاص

زمین شاہ مبارک آبرو[1] در ۱۱۳۵ھ

اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے
سب چھوڑ ہم کو غم میں نہ جانے کدھر گئے

جو اُس پری کو شیشۂ دل میں کریں تھے بند
وے علم عاشقی کے سیانے کدھر گئے

فوجیں جنوں کی دیکھ کے یکبارگی ستی
اس ملک دل سے عقل کے تھانے کدھر گئے

معلوم ہے کسو کو کہ وہ اج شعلہ خو
ہم کو جلا کے آگ لگانے کدھر گئے

ڈھونڈھا بہت پہ ہم نے نہ پایا اُنھوں کا کھوج
دل کو چرا کے ہم سے چھپانے کدھر گئے

حاتم کے دل کو مصرع اوّل نے خوں کیا
اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے

زمین ولی در ۱۱۳۵ھ

جس کو تیرا خیال ہوتا ہے — اُس کو جینا محال ہوتا ہے
خم ابرو کی یاد سے دل پر — زخم ناخن ہلال ہوتا ہے
فیض قد سے ترے چمن میں سرو — ہر قدم پر نہال ہوتا ہے
جب میں روتا ہوں کھول کر دل کو — شہر میں برشکال ہوتا ہے
کون جانے ہے غیر حق تجھ بن — جیسا حاتم کا حال ہوتا ہے

زمین شرف الدین مضمون در ۱۱۳۶ھ

تو ہوا ہے جب سے ہم زانو مرا — دل ہوا ہے تب سے اب یکسو مرا
ہر قدم پر سرو پانی ہو بہے — جو چلے وہ قامت دل جو مرا

---

(۱) شاہ مبارک آبرو:

پھرتے تھے دشت دوانے کدھر گئے — وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے
نے نام ہی بتایا نہ گھر کا دیا پتا — پوچھوں میں کس طرح کہ فلانے کدھر گئے

بحر و بر یکساں کیا رو رو کے آج — تو بھی اب تھمتا نہیں آنسو مرا
تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے — بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
ہوں تری محراب ابرو کا غلام — کیوں پھرے قبلہ سے جاں اب رو مرا
ہائے مجھ وحشی کو تنہا چھوڑ کر — کس طرف کو رم کیا آہو مرا
حاتم بے کس کا تجھ بن کون ہے — کون ہووے جو نہووے تو مرا

زمین طرحی در ۱۱۳۶ھ

بن ترے جان نہ تھی جان، مری جان کے بیچ
آن کر پھر کے جلایا تو مجھے آن کے بیچ
ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ
آج عاشق کے تئیں کیوں نہ کہے تو دُر دُر
واسطہ یہہ ہے کہ موتی ہے ترے کان کے بیچ
ہوئی زباں لال ترے ہاتھ سے کھاتے بیڑا
کیا فسوں پڑھ کے کھلایا تھا مجھے پان کے بیچ
کچھ تو مجنوں کو حلاوت ہے وہاں دیوانو
چھوڑ شہروں کو جو پھرتا ہے بیابان کے بیچ
دیکھ حاتم کو بھلا تو نے برا کیوں مانا
کیا خلل اُس نے کیا آ کے تری شان کے بیچ

زمین طرحی در ۱۱۳۶ھ

ہاتھ لے قوس قزح جب ہم اوپر آتا ہے چرخ
سہم کھا کر آہ کے تیروں سے پھر جاتا ہے چرخ
مردماں سے گر فلک دشمن ہے اُس کی دید کا
چشم کی گردش پر اُس کی آپ کیوں کھاتا ہے چرخ

آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر، دل غرق خوں
یہہ بلائیں عاشقوں کے سر اوپر لاتا ہے چرخ
بس نہیں چلتا جو اس دم ان کے اوپر گر پڑے
عاشق و معشوق کو جب ایک جا پاتا ہے چرخ
سر کش و زر دار سے ہے جنگ حاتم اس کے تئیں
خاکسار و عاجز و مفلس سے شرماتا ہے چرخ

زمین طرحی در ۱۱۳۶ھ

لکھوں احوال کا اس شوخ خوش خط کو اگر کاغذ
سیہ بختی سے میری پیچ کھاوے سر بسر کاغذ
بہار و موسم گل کی رقم کیں اس میں ہم خبریں
عجب کیا گر کرے پیدا ہمارا برگ و بر کاغذ
لگن میں شمع رو کے اڑ کے کہتا التماس اپنی
اگر رکھتا وہ اپنے مثل پروانے کے پر کاغذ
نہ پایا ایک پرزا تب لکھا ہم پرزۂ دل پر
ہوا ہے شہر سے نایاب دیکھو اس قدر کاغذ
ثنا خواں ہے تو ان سیمیں تنوں کا، اس سبب حاتم
ترے اشعار کا عالم رکھے ہے مثل زر کاغذ

زمین طرحی در ۱۱۳۶ھ

جس طرف کو کہ یار جاتا ہے — دل ہو بے اختیار جاتا ہے
چاہ، پر دل کی چاہ گو نہ جتا — دلربا اس میں خوار جاتا ہے
گھات چڑھ من ہرن (شکار؟)[1] منے — دور یو یہہ شکار جاتا ہے
بے وفا وعدہ کر نہ آیا حیف — میرا حاتم قرار جاتا ہے

---

(۱) نگار؟ (کرم خوردہ)

زمین شاہ مبارک آبرو ۱۱۳۷ھ

چاند سے تارے کا ہوتا ہے کبھو جو اتفاق
اس طرح پیارے ترے مونہہ پر جھمکتا ہے بلاق

یا کہاں یا ماہ نو کہنا بھواں کو ہے بجا
یہہ تعجب ہے کہ عالم جفت کو کہتا ہے طاق

جوں سکندر کے تھی دل میں حسرت آب حیات
اس طرح تجھ لب کے بوسے کا مجھے ہے اشتیاق

کیا ہوا گر تو نہیں مجھ پاس اور میں تیرے پاس
روز و شب مونس ہے میرے درد کا تیرا فراق

رو برو حاتم کے ہوتے کیوں کہاتے ہیں غلام
گر عدو رکھتے ہیں اس کے ساتھ دل اندر نفاق

زمین مرزا جان جاناں مظہر ۱۱۳۷ھ

اے دل نکر تو فکر پڑے گا بلا کے ہاتھ
آئینہ ہو کہ جا کے لگے دل ربا کے ہاتھ

بیگانہ سے گلا کوئی عالم میں کیا کرے
جینا ہوا محال مجھے آشنا کے ہاتھ

پیغام درد دل کا مرے غنچہ لب کے پاس
پہنچا سکے گا کون مگر دوں صبا کے ہاتھ

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے
مینا لگا ہے جب سے کہ مجھ بے نوا کے ہاتھ

تابع رضا کا اُس کی ازل سے کیا مجھے
چلتا نہیں ہے زور کسی کا قضا کے ہاتھ

حاتم اُمید حق سے نہ رکھے تو کیا کرے
موقوف ہے ملاپ صنم کا خدا کے ہاتھ

زمین ولی ۱۱۳۷ھ

اس پری رو کا مجھے ہر دم تصور کام ہے
جس تصور سے دل بے صبر کو آرام ہے
اب شراب و ساغر و ساقی کی کچھ حاجت نہیں
چشم کی گردش تری مجکو لبالب جام ہے
شکر للہ بعد مدت کے صنم نے لطف سے
کھول کر زلفیں کہا مجکو نہ جا اب شام ہے
بستہ لب کی شوخیٔ مژگاں کی شہرت کیوں نہ ہو
جس کی ہیبت سے مشبکّ سینۂ بادام ہے
کھب گئی ہے دل میں حاتم کے تری بانکی ادا
جاتے جاتے ٹک بتاتا جا ترا کیا نام ہے

زمین طرحی در ۱۱۳۷ھ

نگہہِ لطف دلربا بس ہے
مجھ (سے) مس کو یہ کیمیا بس ہے
ناتوانوں کو وقت پیری کے
ہر قدم آہ کا عصا بس ہے
سفر عاشقی میں عاشق کو
زاد رہ دل کا مدعا بس ہے
قتل کرنے کو ایک عالم کے
تیری تروار سی ادا بس ہے
بلبل دل کو گل سے کام نہیں
جائے گل تیرا نقش پا بس ہے
کچھ نہیں چاہتا میں حاتم ہوں
مجکو ہر آن میں خدا بس ہے

زمین ولی در ۱۱۳۸ھ

جب چمن میں چلا وہ سرو بلند
ہر قدم سرو کو کیا پابند

دیکھ رخسار آتشیں تیرے
لالہ رویاں کا دل ہوا ہے سپند

کر نظر تیری زلف کے حلقے
کوئی زنجیر کوئی کہے ہے کمند

اُس کے چہرے کے آگے ہے بے نور
روشنی بخش ماہ ہے ہر چند

نام اپنے کو اُس نگیں لب نے
سب میں حاتم کا دل کیا ہے پسند

زمین ولی ۱۱۳۸ھ (حسب الفرمائش نواب علی اصغر خاں بہادر)

خوبرویوں میں تجھے رتبۂ آمرائی ہے
فوج عشاق ترے حسن کی مجرائی ہے

دیکھ رخسار ترا گل نے گریباں پھاڑا
اور کلی لب کو ترے دیکھ کے کمھلائی ہے

نہ چھپے دختر رز پردۂ مینا میں سو کیوں
محتسب تیرے بڑھاپے سے یہہ شرمائی ہے

اُس کو زنجیر کی حاجت نہیں دیوانوں میں
جو تری زلف گرہ گیر کا سودائی ہے

ہاں دل اب خوش ہو ترے ہجر کے گذرے ایام
یار غمخوار کے ملنے کی گھڑی آئی ہے

ق اے ولی مجھ سے تو آزردہ نہونا کہ مجھے
یہہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے

یعنی فیاض زمانے کا علی اصغر خاں
جس کی ہمت کی اب حاتم نے قسم کھائی ہے

زمین ولی در ۱۱۳۸ھ

اُلفت کی مجکو پیارے تیری نگاہ بس ہے
گر بے بہ بے نہ ہووے تو گاہ گاہ بس ہے

تیرے غبار خط کے سبزے کا دل ہے پیاسا
درویش کے نشے کو (چُٹکی)[۱] گیاہ بس ہے
نکلے سے جس کے حاتم شہروں میں عید ہووے
سارے برس میں مجکو وہ ایک ماہ بس ہے

زمین طرحی در ۱۱۳۹ھ

وقت رخصت ہم کہا اس سرو قد دلبر سے آج
پھل کہاں جینے کا جو تو اٹھ چلا ہے سر سے آج
تیرے آگے لے چکا خسرو لب شیریں سے کام
تو عبث سر پھوڑتا ہے کوہکن پتھر سے آج
دیکھیے جیتا بچے ہے کون اور مرتا ہے کون
دھوم ہے عالم میں وہ نکلے ہے اپنے گھر سے آج
حاتم اس کے قد سے گر دعویٰ کرے گلشن میں سرو
چیر ڈالے فاختہ ارّہ بنا شہپر سے آج

زمین طرحی در ۱۱۳۹ھ

صنم کی دید کر لب اور دہن سرخ ہوا ہے خون بلبل سے چمن سرخ
شہید لالہ رویاں کو بجا ہے دفن کے وقت گر کیجے کفن سرخ
ہوا مجنوں کے حق میں دشت گلزار کیا ہے عشق کی ٹیسوں نے بن سرخ
گلوں کا رنگ اب زرد ہو گیا ہے چمن میں دیکھ کر تیرا بدن سرخ
اے حاتم یاد کر حال شہیداں شفق سے جب کہ ہوتا ہے گگن سرخ

زمین طرحی در ۱۱۳۹ھ

جلوہ گر فانوس تن میں ہے ہمارا من چراغ
بے بتی اور تیل یہہ ہے روز و شب روشن چراغ

(۱) مخطوطے میں ''چکٹی''۔

آج کی شب لطف ھے سیر چمن اے عندلیب
روغن گل سے ھوا ھے ھر گل گلشن چراغ
ڈر نہیں مجنوں کو پھرنے کا شب ھجراں کے بیچ
حق میں اُس کے دیدۂ آھو ھوے بن بن چراغ
تا ابد اس کو نہیں باد مخالف سے خطر
ھے ھمارے ھاتھ پر بے پردۂ دامن چراغ
جب سے ھے روشن دلوں کے دل پہ حاتم کی نگہ
تب سے روشن ھے گا اُس کے دل کا بے روغن چراغ

زمین طرحی در ۱۱۳۹ھ

جب سے تیری نظر پڑی ھے جھلک تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک
کل نہیں تجھ بن، اب ھوے کئی سال تو نہ آیا اے ماہ آج تلک
گردش چرخ سے نہ ڈر حاتم آپ گردش میں رات دن ھے فلک

زمین طرحی در ۱۱۳۹ھ

اُس میاں کی کمر کہو نہ کہو مو سے باریک تر کہو نہ کہو
پار گذرا ھے دل سے تیر نگہ کوئی اسے کارگر کہو نہ کہو
صندلی رنگ یار بن جینا درد سر ھے اگر کہو نہ کہو
جو رقیبوں سے مصلحت کی ھے ھم کو سب ھے خبر کہو نہ کہو
نونہالوں کا عشق ھے حاتم زندگی کا ثمر کہو نہ کہو

زمین مرزا مظہر جان جاناں[1] در ۱۱۴۰ھ

کیا جو فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا
مگر سولی اوپر چڑھ کر دیا چاھے ھے جاں اپنا

---

(۱) مظہر جان جاناں:
چلے ھم گل کے ھاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا
نہ چھوڑا ھائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

بغل سے چھوڑ مصحف کس روش نکلے وہ گلشن سے
کہ بلبل جانتی ہے باغباں گل کو قُراں اپنا

فلاطوں کی طرح میں خم‌نشیں ہوں اے کماں ابرو
کہ تیرے چشم کے گوشے میں پایا ہے مکاں اپنا

قیامت اور عدم کے ہیں وہ منکر، جا کے گلشن میں
دکھا دے سرو کو قد اور غنچے کو دھاں اپنا

وہی ہوتا ہے حاتم سب میں نامی، بعد مرنے کے
جو جیتے جی اُڑا دے آپ سے نام و نشاں اپنا

در ۱۱۴۰ھ

چمن میں کیو(ں) نہ باندھے عندلیب اب آشیاں اپنا
کہ جانے ہے گل اپنا، گلشن اپنا، باغباں اپنا

تصدق تجھ اوپر کرتا ہوں، جوں بلبل گلوں اوپر
دم اپنا، ہوش اپنا، جسم اپنا بلکہ جاں اپنا

مرے رونے سے ناصح تو جو ناخوش ہے سو کیا باعث
دل اپنا، دامن اپنا، دیدہ و اشکِ رواں اپنا

گلایا آپ کو حاتم نے سر سے پاؤں تک تجھ بن
رگ اپنا، پوست اپنا، گوشت اپنا، استخواں اپنا

زمین طرحی در ۱۱۴۰ھ

ہے بجا ہووے اگر عاشق سے پیاروں میں دماغ
گل کے تئیں بلبل سے ہوتا ہے بہاروں میں دماغ

جب مزاجیں مل گئیں ہوویں تکلّف بر طرف
تب سے نئیں ہے خوشنما یاروں کو یاروں میں دماغ

بن لگائے عطر کے گھر سے کبھو آتا نہیں
شہر میں مشہور ہے اُس کا ہزاروں میں دماغ
آشنا حاتم غریبوں کا ہو اُمراؤں کو چھوڑ
نام کو ذرّہ نہیں ہے ان بچاروں میں دماغ

زمین طرحی در ۱۱۴۰ھ

عشق ہے یا نہنگ ہے یارو — دشمن نام و ننگ ہے یارو
صبر بن اور کچھ نہ لو ہمراہ — کوچۂ عشق تنگ ہے یارو
زلف کی دلربا کا آج خیال — دل کو قید فرنگ ہے یارو
شمع رو پر نہ ہووے کیونکر دور — دل ہمارا پتنگ ہے یارو
اُس پری رو سے اور حاتم سے — رات دن صلح و جنگ ہے یارو

زمین شاہ مبارک در ۱۱۴۰ھ

دماغ اتنا جو اب کرتے ہیں گل رو — یہہ ان کے مغز میں کس کی گئی بو
ہمارے دل پر اے ظالم فسوں کار — نگہ تری کرے ہے کار جادو
تری محراب میں ابرو کی یہہ خال — کدھر سے آ گیا مسجد میں ہندو
کمر تیری نہیں آتی نظر میں — تفاوت سے نہیں کہتا ہوں یک مو
دہن کو دیکھ تھا خاموش حاتم — ہوا تجھ لب کی باتیں سن سخن گو

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

مستوں میں جو شیخ آپھنسا تھا — میخانے میں طرفہ ماجرا تھا
مدت سے خبر نہیں کچھ اس کی — اک دل بھی ہمارا آشنا تھا
سو طرح ہے عاشقی کے فن میں — فرہاد بھی ایک سر چڑھا[1] تھا
کیوں کھینچی تھی تیغ گل کسی پر — اک نیم نگہ ہی نیمچا تھا

---

(۱) مخطوطے میں ''سرچرا''

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

زندگی ہے بحر میں تن کے تری مثل حباب
تس میں جاری رات دن ہے ہر نفس جوں موج آب
مزرع دنیا میں دانا ہے تو ڈر کر ھاتھ ڈال
ایک دن دینا ہے تجکو دانے دانے کا حساب
عشق اس کا آن کر یکبارگی سب لے گیا
جان سے آرام، سر سے ہوش، اور چشموں سے خواب
اس طرف سے انکسار و عجز و منّت دمبدم
اُس طرف سے غمزہ و جور و جفا، ناز و عتاب
یار اور حاتم دوئی کو دور کر اک ہو گئے
جب ہوا دل صاف تب جاتا رہا سارا حجاب

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

عشق میں پاس جاں نہیں ہے درست اس سخن میں گماں نہیں ہے درست
کسو مذہب میں اور مشرب میں ظلم اے مہرباں نہیں ہے درست
ڈر نہ دشمن کو کڑ کڑانے دے بانگ مرغی یہاں نہیں ہے درست
کئی دیوان کہہ چکا حاتم اب تلک پر زباں نہیں ہے درست

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

آج اُس بن ہوں بے قرار عبث ھاتھ سے دوں ہوں اختیار عبث
نہیں آنے کا ہے وہ وعدہ خلاف اُس کا کھینچے ہے انتظار عبث
دل کہاں ہے کہ ہوے دیوانہ کیوں ادھر آتی ہے بہار عبث
شکوہ اس کا کرے ہے سارا جہاں ہم سے آزردہ ہوے یار عبث
ایسے بے دید سے تو رکھتا ہے حاتم امید ہم کنار عبث

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

دل ترستا ہے یار کی خاطر اُس کے بوس و کنار کی خاطر
تیرے آنے سے یوں خوشی ہے دل جیسے بلبل بہار کی خاطر
ہم سے مستوں کو بس ہے تیری نگاہ صبح اُٹھ کر خمار کی خاطر
بس ہے اس سنگدل کا نقش قدم میری لوح مزار کی خاطر
عمر گذری کہ ہیں کھلے حاتم چشم دل انتظار کی خاطر

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

پایا نہ ہم نے آکے کہیں زندگی کا حظ
گویا کہ اس جہاں میں نہیں زندگی کا حظ
سن کر مرے سوال کو اس نے دیا جواب
ہم پاس آ کہ ہے گا یہیں زندگی کا حظ

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

ہے اپنے مرتبے میں اگر آسمان رفیع
لیکن ہے خاکساروں کے حق میں زمیں وسیع
کیا کچھ کریں گے آپ کو دیوانے اب کے سال
آیا ہے بے طرح سے یہہ پھر موسم ربیع
اخلاص اور تواضع تو عاشق کا کام ہے
ان دلبروں سے رسم مدارات ہے بدیع
اس کا مزاج سب کے دلوں کی کرے ہے سیر
صاحب طبیعتوں کی نہ ہو کیوں طبع مطیع
آہستہ یا بلند کہیں حاتم عرض حال
سب کی دعا سنے ہے کہ ہے گا خدا سمیع

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

تری شمشیر کی دھن پر چلا ہے سر بکف عاشق
آمید تیر پر تیرے ہوا دل سے ھدف عاشق
خرابی، خانہ ویرانی و بدنامی و رسوائی
یہہ سب جانے ہے تیرے عشق میں اپنا شرف عاشق
قیامت پر قیامت ہوے گی روز جزا ظالم
اٹھیں گے داد تجھ سے مانگتے جب صف بصف عاشق
تجھے حاتم تصوّر کرکے اے فیاض عالم کے
چلا ہے سب طرف کو چھوڑ اب تیری طرف عاشق

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

گلشن میں تم کدھر سے پیارے پڑے ہو بھول
ھنسنے کو دیکھ آج تمہارے، جھڑے ھیں پھول
حاتم کے کام سب ہوے انجام شکر حق
تجھ زلف کی یہہ شب میں ھوئی ہے دعا قبول

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

کافر اتنا بھی نہیں لازم ہے ھو کر رام رم
دیکھ میرے حال کو کر ظلم اے خود کام کم
دور میں چشموں کے ترے مست ہے عالم مدام
کیوں نہ ھو اس غم سے سرگردان لے کر جام جم
کیا ھوا گر پیچ کھا کر دل میں رکھتا ہے گرہ
تاب کیا جو زلف کے آگے نکالے دام دم
جو صدا آتی ہے باتوں کی تری کانوں کے بیچ
جانتے ھیں اس سخن تیرے کے تئیں الہام ھم

جوں کہا قاصد نے چل حاتم بلایا ہے تجھے
دل سے سب جاتا رہا سنتے ترا پیغام غم

در ۱۱۴۱ھ

آ کر بسا ہے جب سے وہ بادہ نوش دل میں
مانند مستئ مے آتا ہے جوش دل میں
ناصح کی دیکھ صورت یوں پھیرتا ہے آنکھیں
ڈرتا ہے محتسب سے جوں مے فروش دل میں

زمین طرحی در ۱۱۴۱ھ

کھڑا ہوں منتظر در پر تمہارے یک نظر دیکھو
سحر سے شام تک اور شام سے لے تا سحر دیکھو
مسیحا ہے ہمارا لعل لب اے دوستاں مانو
اگر باور نہیں کرتے تو تم یک بار مر دیکھو
مسخر اس پری روکو کیا ہم شیشۂ دل میں
ہماری عاشقی کے نقش کا یارو اثر دیکھو
سنا کر تلخ باتیں مت کرو پھیکا مرے دل کو
کبھو تو ترش روئی چھوڑ کر اے لب شکر دیکھو
اڑیں ہیں دیکھنے کے شوق میں اے شمع رو تیرے
لگا کر چشم پروانہ صفت مژگاں کے پر دیکھو
مقابل عشق کی شمشیر سے ہوتا ہے یہہ جاہل
کوئی اس خاک کے پتلے کا دل گردا، جگر دیکھو
اگر خواہش ہے تم کو سیر دریا کی مرے صاحب
تو حاتم پاس آؤ جوئبار چشم تر دیکھو

زمین طرحی در ۱۱۴۲

گر ظلم اور ستم ہے اس پر جفا کی خواہش
راضی ہیں ہم بھی اس پر جو ہو خدا کی خواہش

تیرے لبوں سے دل کو بوسے کی آرزو ہے
بیمار کو نہووے کیونکر دوا کی خواہش

عاشق کا خوں بہا کر پامال کیوں کرے ہے
قاتل کے تئیں ہوئی ہے شاید حنا کی خواہش

تیری نگہ کو پیارے ترسے ہیں چشم میرے
کیونکر نہ آشنا کو ہو آشنا کی خواہش

(اکسیر)[1] تجھ نگہ کا حاتم کو کیمیا ہے
جو مرد ہی نہیں ہے اس کو طلا کی خواہش

زمین طرحی در ۱۱۴۲ھ

یہہ غلط ہے کہ نہیں بولتا وہ یار غلط
ہم سے کہتا ہے وہ ہر بات میں سو بار غلط

عشق کے درس میں ہرگز نہیں ہے بحث کو جا
شیخ اس وقت تری سب ہے یہہ تکرار غلط

اس کے وعدے کی وفا ہم کو عبث ہے یارو
ہے سراپا ایسے بدقول کا اقرار غلط

ق : کوئی سخن کو مرے لاتا ہی نہیں خاطر میں
واسطہ یہہ ہے کہ سب ہیں مرے اشعار غلط

سر دیوان پہ حاتم کے بجا ہے کہ لکھو
نسخۂ معتبر و خوش خط و بسیار غلط

---

(۱) مخطوطے میں ''اکثیر''۔

زمین طرحی در ۱۱۴۲ھ

جہاں میں تم کو ہمیشہ رکھے خدا محظوظ
ہے آشنا کی خوشی گر ہو آشنا محظوظ

رقیب تو نے جو بدظن کیا ہے مجھ سے اسے
کروں گا تیرے تئیں میں بھی خوب سا محظوظ

میں کہہ رہا کہ تومت مل بتاں سے، حاصل کیا
ملے سے آن کے اب، اے دل! تو کچھ ہوا محظوظ؟

عجب لپٹ ہے پسینے کی گلبدن تیرے
کہ گل ہے عطر فروش اور ہوئے صبا محظوظ

کسو طرح کی نہیں احتیاج حاتم کو
وہ تیرے عشق کی دولت سے ہے سدا محظوظ

زمین طرحی در ۱۱۴۲ھ

کون سے دن مہربانی سے دکھاؤ گے جمال
روز و شب تم بن گذرتا ہے مجھے اے ماہ سال

خال تری چشم میں، آھو کے جوں نافہ میں مشک
اس طرح کا تل نظر آیا ہے ہم کو خال خال

وصف میں زلف رسا کی شان میں قاصر ہوں یار
گر بدن اوپر زباں ہووے ہمارے بال بال

گر اشارا ہوے ابرو کا ترے اے ماہ من
تا قیامت پھر نہ نکلے آسماں اوپر ھلال

چھوڑ[1] کر حاتم کو مفلس اٹھ گئے دولت کے یار
تب تو چرخے کی طرح کھاتے تھے چکّر جب تھا مال

---

(۱) دیکھ

زمین طرحی در ۱۱۴۲ھ

لبریز جب سے عشق کے ساغر پیے ہیں ہم
کرنے نہ تھے جو کام وہی سب کیے ہیں ہم

غواص ہو کے عشق کے دریا میں سربکف
مقصد کے دُر کے لینے کے تئیں مر جیے ہیں ہم

فانوس تن میں دیکھ لے روشن ہیں جوں چراغ
جو داغ دل پہ عشق میں تیرے لیے ہیں ہم

ہر یک سخن ہوا ہے ہمارا مثال قند
شیریں لباں کے جب سے کہ بوسے لیے ہیں ہم

شمشیر عشق کے جو تھے حاتم کے دل میں زخم
سوزن پلک کی تار نگہ سے سیے ہیں ہم

زمین میر شاکر ناجی ۱۱۴۲ھ

ہمیں یاد آتی ہیں گی باتیں اُس گل رو کی رہ رہ کے
نہیں ہیں باغ میں مشتاق ہم بلبل کی چہہ چہہ کے

کرے گا قتل کس کو دیکھئے وہ تیغ زن یارو
چلا آتا ہے اپنے ہاتھ میں قبضے کو کہہ کہہ کے

نشا ایسا ہوا اس کی نگہ کا جو نہیں تھمتے
ہمارے اشک جاتے ہیں چلے چشموں سے بہہ بہہ کے

ہم اس کا مسکرانا یاد کر رو رو کے ہنستے ہیں
نہیں مشتاق اب بازار کے خندوں کے قہہ قہہ کے

سخن میں فخر اپنا بن کیے رہتا نہیں ناجی
اسے سمجھائے حاتم کس طرح اشعار کہہ کہہ کے

زمین طرحی در ۱۱۴۳ھ

دل مرا مل کے بتاں ساتھ مسلماں نہوا
بت پرستی سے کبھو گبر پشیماں نہوا

کیا بڑا عیب ہے اس جامۂ عریانی میں
چاک کرنے کو کبھو اس میں گریباں نہوا

ذبح کرنے کو مرے عید کے دن نکلا تھا
ہائے کیا روز تھا، افسوس میں قرباں نہوا

آتش عشق سے دی اس کو ہزاروں آنچیں
تو بھی ایسا ہے یہہ دل سرد کہ بریاں نہوا

جی تو قرباں کیا اس ترک کماں ابرو پر
کیا کروں دل کو جو اُس تیر کا پیکاں نہوا

درد ہجراں کو ترے وصل نے درماں بخشا
للہ الحمد کہ محتاج طبیباں نہوا

نزع کے وقت وہ حاتم نہوا بالیں پر
مرتے مرتے بھی میں شرمندۂ احساں نہوا

زمین طرحی ۱۱۴۳ھ

ترا دل یار اگر مائل کرے ہے
تو جان اب تجکو صاحب دل کرے ہے

تجلّی کو نہیں تکرار ہرگز
یہاں تکرار اب جاہل کرے ہے

رعایت بوجھ تو معشوقوں کا جور
کہ تجکو عشق میں کامل کرے ہے

تو دنیا کی طلب میں دین مت کھو
کوئی یہہ کام بھی عاقل کرے ہے

بڑی دشمن تری غفلت ہے ہر دم
کہ تجکو موت سے غافل کرے ہے

کوئی دن کو چلے اور قاصد عمر
یہہ رات اور دن میں دو منزل کرے ہے

کسی کو کام میں تیرے نہیں درک
عبث حاتم کو تو شامل کرے ہے

زمین طرحی در ۱۱۴۳ھ

وہی ہے مرد اس عالم میں جس کے بیچ ہمّت ہے
کہ ہمت سے جہاں میں نام کو حاتم کے عزت ہے
گدا ہوں پر طمع رکھتا نہیں میں بادشاہوں سے
کہ دنیا دار (ہیں ؟) درویش کو دولت قناعت ہے
بلا وے قول پر وہ تو اسی دم جاں سے حاضر ہوں
وفاے وعدہ کرنا صادقوں کو عین راحت ہے
وہ تجھ میں چھپ رہا تو ڈھونڈھتا ہے جا بجا اس کو
غلط سمجھا ہے تو تنکے کے اوجھل دیکھ پربت ہے
دو عالم چھوڑ کر مانگے ہے تجھ سے تجکو اے پیارے
گدا ہونا تری درگاہ کا حاتم کو حرمت ہے

زمین طرحی در ۱۱۴۴ھ

ہم سے چھپا تو غیر سے جا روبرو ہوا
یاروں کا رو ہوا نہ رقیبوں کا رو ہوا
تیرا خیال خواب میں آیا تھا رات کو
کہیے کسو سے کیا جو ہوا جان سو ہوا
چشموں کی راہ دل مرا پانی ہو بہہ چلا
اس سروقد کے زیر قدم آب، جو ہوا
وہ شوخ بانکپن میں جو دیکھا تو ایک ہے
تیغہ نگہ کا جس کو لگایا سو دو ہوا
اس رات زلف کو تری آشفتہ دیکھ کر
حاتم کا دل اسیر میاں مو بمو ہوا

زمین طرحی در ۱۱۴۴ھ

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد — کوئی سنتا نہیں فریاد، فریاد
کہیں ہیں کیا بلا دام بلا ہے — تری زلفوں کو اے صیاد، صیاد
نہ رکھ امید آسائش جہاں میں — کہ ہے دنیا کی بے بنیاد، بنیاد
تجھے معشوقیت کے فن میں محبوب — کہیں ہیں عشق کے استاد، استاد
گئی غفلت میں ساری عمر حاتم — کہ جیسے خاک رہ برباد، برباد

زمین طرحی در ۱۱۴۴ھ[1]

طرفہ معجون ہے ہمارا یار — غیر سے ہمکنار ہم سے کنار
ہم کہیں باغ چل، تو ہاں نہ کہے — غیر کے ساتھ روز سیر و شکار
ہم کو مجلس میں دیکھ چپ ہو جائے — غیر سے ٹوک کر کرے گفتار
ہم کو دیکھے کہیں تو آنکھیں چرائے — غیر کو دیکھ آپ سے ہوئے دوچار
غیر سے صاف سینہ ہو کے ملے — ہم سے دل میں رکھے ہمیشہ غبار
غیر جور و جفا و بے مہری — ہم سے اس کا نہیں ہے اور شعار
غیر کی بات سن کے خوش ہووے — ہم سے ہر بات میں کرے تکرار
منت و عجز و انکسار و نیاز — کرتے کرتے ہوئے بہت لاچار
وہ کسی طرح آشنا ہی نہیں — امتحاں ہم کیا ہے چندیں بار
ذرا بھی کان دھر کبھو نہ سنے — درد دل ہم کریں اگر اظہار
جان اور مال دے چکیں اس کو — دل سے جانے اگر ہمیں غمخوار
جو رہے ہم سے روز بیگانہ — صحبت ایسے سے کس طرح ہو برآر
کر الٰہی تو مہرباں اس کو — جس کے پیچھے ہوئے ہیں زار و نزار
غرض اب شکوہ کب تلک کیجے — چپ ہی رہنا ہے حاتم اب درکار

---

(۱) کاتب نے اس غزل کا سنہ پہلے غالباً ۱۱۵۴ھ لکھا ہے، پھر ۵ کے ہندسے کو ۴ میں تبدیل کر کے ۱۱۴۴ بنایا ہے۔

زمین طرحی ۱۱۴۴ھ

عشق کی یارو نہیں آسان شرط   اس میں دینا ہے گا اول جان شرط
آہ سرد و رنگ زرد و سر بکف   چشم گریان و دل بریان شرط
دیکھ تو ہم کس طرح کھوتے ہیں جی   ہم سے کچھ بدتے ہو تم اے جان شرط
خوبصورت تو بہت ہوں گے ولے   حسن میں ہے گی ادا و آن شرط
حاتم اس کے ہونٹھ اصلی لال ہیں   اس کے تئیں کھانا نہیں ہے پان شرط

زمین طرحی در ۱۱۴۴ھ

کسو کو آپ سے گر آشنا کرے معشوق
تو پہلے اس کو سبھوں سے جدا کرے معشوق
قسم ہے یار مجھے اس گھڑی کوئی نہ جیے
جو برقع مونہہ سے اٹھا کر ادا کرے معشوق
حرم کو چھوڑ کے اس دم طواف دل کا کروں
جس آن آ کے مرے دل میں جا کرے معشوق
تو اپنے یار کا حاتم کرے ہے شکوہ عبث
ترے نصیب برے ہوں تو کیا کرے معشوق

زمین شاہ مبارک آبرو در ۱۱۴۴ھ

یکایک ہو گیا ایسا جدا دل   نہ تھا گویا کبھو یہہ آشنا دل
کبھو دیکھے سے یہہ ہوتا نہیں سیر   ہوا ہے اس قدر میرا گدا دل
گیا دل ہاتھ سے پانا ہے مشکل   مگر دے، گم ہوا پھر گر خدا دل
تب ہوئے روبرو محبوب کی شکل   جب ہو آئینہ سا تیرا صفا دل
خودی کو چھوڑ آ حاتم خدا دیکھ   کہ ترا رہنما ہے شاہ بادل

زمین طرحی در ۱۱۴۴ھ

دیکھ بنیاد رب کی، آدم ہے جان لے گا اگر تو محرم ہے
سب صفت اس کی دیکھ لے اس میں کہہ تو بندا خدا سے کیا کم ہے
ہر نفس یوں کہیں ہیں صاحب دم کہ جہاں بیچ عمر دو دم ہے
پاس ہے اور نظر نہیں آتا میرے وحشی میں اس قدر رم ہے
تیرے بندے ہیں سب، ولے سب میں بندۂ کمترین حاتم ہے

زمین طرحی در ۱۱۴۴ھ

دل کی اس بات پر گواہی ہے ہر طرف مظہر آلہی ہے
جن نے بوجھا ہے اس سخن کو یقین اس کو عرفاں کی بادشاہی ہے
اس کو روشن ہو کس طرح یہ حرف جس کے دل کے اوپر سیاہی ہے
جو کہ آیا رباط دنیا میں سو مسافر مثال راہی ہے
اے قدر داں کمال حاتم دیکھ عاشق و شاعر و سپاہی ہے

زمین سراج الدین علی خاں آرزو ۱۱۴۴ھ

گزک کی اس قدر اے مست تجکو کیا شتابی ہے
ہمارا بھی دل صد لخت دوکان کبابی ہے
نہیں جز قرص مہر و ماہ کچھ گردوں کے مطبخ میں
سو وہ بھی ایک گردا[1] سوختہ اور ایک آبی ہے
چھڑا مشاطہ زلف یار کو شانے کے پنجے سے
کہ اس کی کشمکش سے دل کو میرے پیچ و تابی ہے
بدن پر کچھ مرے ظاہر نہیں اور دل میں سوزش ہے
خدا جانے یہہ کس نے راکھ اندر آگ دابی ہے
شکست آتی ہے اس میں موج مے سے دیکھیو ساقی
بچانا ٹھیس سے شیشہ مرے دل کا حبابی ہے

---

(۱) نان (مجموعہ نغز)۔

رھے ھے کام ھم کو روز و شب قرآن و مسجد سے
کہ ابرو اس کی ھے محراب اور چہرہ کتابی ھے
کسو کے ابلق ایام چڑھنے کا نہیں راضی
ازل سے حاتم اس توسن میں عیب بد رکابی ھے

زمین طرحی در ۱۱۴۵ھ

حسرت تھی مجھے یار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
مدت سے وہ دیدار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
چشموں سے برستے ھیں مرے اشک کے موتی
یہ ابر گہر بار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
آنکھوں کو نظر کر کے تیری سارے جہاں میں
ھم آپ سا بیمار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
عصیاں کے سوا کام نہیں اس کو کسی سے
حاتم سا گنہگار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

زمیں طرحی ۱۱۴۵ھ

مونہہ سے ٹک دور کر نقاب کے تئیں لے غلامی میں آفتاب کے تئیں
تو نے اپنے دکھا کے رخسارے غرق شبنم کیا گلاب کے تئیں
شوق میں جوں کہ دیدۂ تصویر یوں ترستی ھیں چشم خواب کے تئیں
دل سوزاں سے آج حاتم کے مت مقابل کرو کباب کے تئیں

زمین طرحی در ۱۱۴۵ھ

کروں قربان جی کو اس گھڑی اس وقت اس پل کے
کہ جس دم ناز سے وہ یار آوے گھر مرے چل کے
جہاں کے خوبصورت ، دیکھ اس مورت کو مجلس میں
ھوے خاموش حیرت سے گویا پتلے تھے سب کل کے

ہمیں کیونکر نہ آوے خواب راحت بستر غم پر
کفِ پا کا تصور اس کے گل تکیے ہیں مخمل کے
تصدق ہوں میں اپنے رات دن اوقات کے اوپر
اس آہ متصل کے اور اس اشک مسلسل کے
دیکھو حاتم صنم ہر آن پر قربان جاتا ہے[1]
تری سج کے، اکڑ کے، چال کے، اور زلف کے بل کے

زمین شرف الدین مضمون ١١٤٦ھ

نہ اتنا چاہیے اے پر شکم خواب | کہ ترے حق میں ہے ظالم ستم خواب
خیال ماہ رو میں تا دم صبح | نہ آیا رات مجکو ایک دم خواب
کہو تو کس طرح آوے وہاں نیند | جہاں خورشید رو ہو آکے ہم‌خواب
پلک لگتے نہیں، کیا اڑ گیا ہے | نصیبوں کا ترے اے چشم نم خواب
ہمیں بہتر ہے سونا جاگنے سے | بھلاتا ہے ہمارا درد و غم خواب
کہے تھا رات کو حاتم سے مضمون | مجھے مخمل اوپر آتا ہے کم خواب

زمین طرحی در ١١٤٦ھ

دل کو مارا چشم نے ابرو کی تلواروں سے آج
کیوں اڑے تھا جا کے یہ ہشیار میخواروں سے آج
کوئی بتلاتا نہیں عالم میں اُس کے گھر کی راہ
مارتا پھرتا ہوں اپنے سر کو دیواروں سے آج
دل میں کچھ سوجھ پڑھیں کچھ یہ دیکھ کر وضع دورنگ
پھر گیا حاتم کا دل اس دور کے یاروں سے آج

---

(۱) 'تری ہر آن پر حاتم سجن! قربان جاتا ہے'' (چمنستان شعرا ' شفیق)

زمین طرحی در ۱۱۴۶ھ

نہ پھول اب اس قدر بلبل گلوں کی آشنائی پر
کہ سب اہل چمن ہنستے ہیں تری احمقائی پر

صنم نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھیے جو قرطاس خطائی پر

شکست دل کو میرے کام کیا تریاق سے ظالم
خیال خال تیرا چرب ہے گا مومیائی پر

سراپا چشم حیرت ہو گیا آئینہ حسرت سے
نظر کرتے تیرے آینۂ رو کی صفائی پر

تری قدرت کا مظہر دیکھ کر ہر آن میں حاتم
ہوا ہے جان سے قربان آ تری خدائی پر

زمین طرحی در ۱۱۴۶ھ

آشنائی کر کے تجھ بد خو سے پچھتائی ہے طبع
بے مروت بے وفا سن سن کے گن کھائی ہے طبع

غیر کی صحبت سوا تجکو نہ دیکھا ، اور جا
ہرزہ گردی میں تری اس درجہ ہرجائی ہے طبع

غصہ ہی کرتے ہو تم ہر یک سے ہر یک بات میں
اے مرے صاحب تمہاری کس طرف آئی ہے طبع

ایک مدت سے سخن کہنے میں ہم خاموش تھے
پھر تری صحبت ہماری شعر پر لائی ہے طبع

دوستی اس شوخ سے اب کس طرح حاتم نبھے
تندھی اس کا مزاج اور میری سودائی ہے طبع

واردات ۱۱۴۶ھ

ہے یاد دشمنوں میں اگا ہم نے گھات کو
کیا کیا مزے لیے تھے جہاں چھپ کے رات کو
وہ رمز دل فریب تری اب تلک ہے یاد
بیڑا بنا کے پھینکنا بیڑی کے پات کو
اس وقت دل مرا ترے پنجے کے بیچ تھا
جس وقت تو نے ہات لگایا تھا ہات کو
حاتم کو کیا کہوں کہ خضر بھی گیا ہے بھول
ترے لبوں کی چاہ میں آبحیات کو

۱۱۴۶ھ

کہیں وہ صورت خوباں ہوا ہے | کہیں وہ عاشق حیراں ہوا ہے
کہیں گل ہے، کہیں بلبل، کہیں باغ | کہیں درد (اور) کہیں درماں ہوا ہے
کہیں مست و کہیں ہشیار ہے وہ | کہیں دانا کہیں ناداں ہوا ہے
کہیں خاک و کہیں باد و کہیں آب | کہیں وہ آتش سوزاں ہوا ہے
کہیں لفظ و کہیں معنی کہیں حرف | کہیں پوتھی کہیں قرآں ہوا ہے
کہیں نور و کہیں ایمن کہیں طور | کہیں موسیٰ کہیں عمراں ہوا ہے
کہیں مسجد کہیں بت خانہ ہے وہ | کہیں کفر و کہیں ایماں ہوا ہے
کہیں خلق و کہیں خلّاق عالم | کہیں ظاہر، کہیں پنہاں ہوا ہے
کہیں حاتم، کہیں جاں بخش حاتم | کہیں حاتم کا جا مہماں ہوا ہے

زمین طرحی در ۱۱۴۶ھ

تری بھواں کی تیغ جب آئی نظر مجھے
کرنا ہوا ضرور میاں ترک سر مجھے

زینت ہے عاشقوں کو لب خشک و چشم تر
حاصل ہوئی ہے سلطنت بحر و بر مجھے
باریک بیں ہوں مجھ سے کہو اس میاں کی بات
رہتا ہے بسکہ دل میں خیال کمر مجھے
بیخود ہوں اس قدر کہ نہیں دل کو شوق مے
اس مست کی نگہ کا ہوا ہے اثر مجھے
میں کوہ و دشت ایک قدم میں کیا ہے طے
مجنوں و کوہ کن کی نہیں کچھ خبر مجھے
جب سیمبر کے غم سے ہوا رنگ جوں طلا
تب سب نے جا عزیز کیا مثل زر مجھے
حاتم ہوا ہوں آل نبی کی پناہ میں
دنیا و دیں کے غم سے نہیں کچھ خطر مجھے

زمین طرحی در ۱۱۴۷ھ

جس کو ہے گلعذار کی حسرت کب ہے اُس کو بہار کی حسرت
آ گئی مرگ وہ نہ آیا حیف! رہ گئی دل میں یار کی حسرت
ہے گی دشت جنوں میں مدت سے میرے پاؤں کو خار کی حسرت
ہے چمن بیچ دل میں لالا کے اس دل داغدار کی حسرت
تجھ سے رکھتا ہے جان من حاتم جی میں بوس و کنار کی حسرت

زمین طرحی در ۱۱۴۷ھ

چاہتا ہوں دوں تری خدمت میں آ کر التماس
اپنے صاحب کو میاں دیتا ہے چا کر التماس

جو زبانی اس سے کہتا ہوں تو وہ سنتا نہیں
اب مجھے لازم ہوا دیجے لکھا کر التماس

شمع کو کب ہے دماغ اُس پر کرے جو مہر داغ
عرض گو سو سو کرے پروانہ لا کر التماس

وہ تغافل پیشہ میرے کام کو پھینکے ہے دور
طاق نسیاں پر رکھے ہے گا پڑھا کر التماس

مطلب پنہاں ہمارا دوستاں ظاہر نہو
دشمنوں کے رو برو دینا چھپا کر التماس

معنی و الفاظ رنگین سے ہمارا مدعا
ہے کوئی ایسا کہ لکھ دیوے بنا کر التماس

شکر کر حاتم کہ وہ مانگے ہے تیرے ہاتھ سے
مہرباں ہو کر توجہ سے بلا کر التماس

زمین طرحی در ۱۱۴۷ھ

ہونا سبھوں کو اس کے ہے تابع رضا کا فرض
بندے سے گو ادا نہیں ہوتا خدا کا فرض

پروا نہیں ہے اُس کے تئیں گو ہمیں تو ہے
لکھنا کتابتوں میں سلام و دعا کا فرض

دل کا نہیں رفیق بڑھاپے میں غیر آہ
پیری میں ہے ضعیف کو رکھنا عصا کا فرض

میں تم کو چھوڑنے کا نہیں زندگی تلک
ملنا ہے آشنا کے تئیں آشنا کا فرض

حاتم تمام عمر تو رونے سے مونھہ نہ پھیر
ماتم ہے دوستوں کو شہہِ کربلا کا فرض

زمین طرحی در ۱۱۴۷ھ

عشق کے ھے گھائلوں کو غم سے فیض
ان کے زخموں کو نہیں مرھم سے فیض

عاشقی کے فن میں ھیں استاد ھم
لے گئے فرھاد و مجنوں ھم سے فیض

مست ھونے کو تری بس ھے نگاہ
ھم نہیں (چاھیں) ھیں جام جم سے فیض

ابر کو پہنچا ھے جا افلاک پر
اب ھمارے دیدۂ پر نم سے فیض

مر گیا تو کیا ھے مردے سے اُمید
جیتے جی ھر ایک کے ھے دم سے فیض

کوئی نہیں آتا کسو کے کام اب
اٹھ گیا ھے اس قدر عالم سے فیض

فیض کے کوئی نام سے واقف نہ تھا
ھے جہاں میں نامور حاتم سے فیض

زمین طرحی در ۱۱۴۷ھ

اے پری دل کو ترے عشق میں حیرانی ھے
یک نظر اس کو تری قید سلیمانی ھے

ھائے بے درد سے میں دل کو لگایا تھا کیوں
اب تلک جس کی مرے دل میں پشیمانی ھے

میں نے جس روز سے دیکھے ھیں ترے بال کھلے
مو بمو مجکو اسی دن سے پریشانی ھے

جب سے آزاد ہوا ہوں نہیں ہوں بند قبا
کہ خدا ساز مرا جامۂ عریانی ہے
قحبہ دنیا کے کبھو حسن پہ حاتم مت بھول
نفس کو پھیر کہ یہہ خطرۂ شیطانی ہے

زمین شیخ شرف الدین مضمون ۱۱۴۷ھ

تو اتنا مت لگا دے سرو سے جاجا من القمری
ابھی تو طوق ہے پر اب کٹے گی گردن القمری
مجھے اور تجکو آوے عشق میں کیونکر بن القمری
کہ میں ہوں عاشقی میں مرد اور تو ہے زن القمری
مجھے ہے جنگ طالع سے کہ بے مُل گل کو کیا دیکھوں
تجھے ہے عید سیر گلشن اور مجکو رن القمری
گلے میں ہے سمور اور بر میں جاما فاختئی ہے
دکھاتی کس کو ہے گلشن میں اپنا جوبن القمری
ہمارے تو وہی ہے کہنہ خرقہ اب تلک سو بھی
ہزاروں جا گریباں چاک ہے تا دامن القمری
تجھے اور اس کو راہ عشق میں دونا تفاوت ہے
کہ تو ہے باغ میں، حاتم پھرے ہے بن بن القمری

زمین طرحی در ۱۱۴۷ھ

درکار کب ہے عشق میں نام و نگیں مجھے
بس ہے یہہ نقش نام ترا دل نشیں مجھے
سامان گریہ بس ہے یہی زندگی تلک
ہر آن گوشۂ بغل و آستیں مجھے

کس طرح سے گذار کروں راہ عشق میں
کانٹے ہے اب ہر ایک قدم پر زمیں مجھے

دیکھوں ہوں تجکو دور سے بیٹھا ہزار کوس
عینک نہ چاہیے نہ یہاں دوربیں مجھے

جو صبر میں کیا سو کسی سے نہ ہو سکا
ایوّب ہے کہاں جو کہے آفریں مجھے

آتا ہے یاد جب تری دشنام کا مزا
ہوتا ہے زہر کام میں جوں انگبیں مجھے

بہتا پھروں ہوں جس کے تصور میں رات دن
دریا کی موج ہے تری چین جبیں مجھے

جنت کا کب دماغ ہے زاہد کہ کوے یار
موجود ہے بہشت کی جاگہہ نہیں مجھے

یا رب ہوا ہوں خلق کی نظروں میں نا قبول
ترے بغیر در کے نہیں جا کہیں مجھے

تو ہی مری پناہ، تجھی سے مرا نباہ
بن تیرے اب نگاہ کسی پر نہیں مجھے

قدموں لگا ہوں میر محمد امیں کے میں
حاتم نہیں جہاں میں کمی اور غمیں مجھے

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

یار سوتے آ جگاتا ہے مجھے ہو حور صبح
آسماں اوپر سے جوں بارش کرے ہے نور صبح

رات کو جاری رہیں اور دن کو ٹک ہوتے ہیں بند
چشم کے ناسور کو ہے مرہم کافور صبح

ہم نے پایا ہے خیال زلف کی شب میں وصال
حشر تک ہونے نہ دوں گا اپنی تا مقدور صبح
کیونکہ اس خورشید کو دیکھے جو ہو تاریک دل
رات دن کا فرق ہے ظلمات سے پر دور صبح
زلف کی شوخی میں مونھہ اُس کے پہ حاتم کیا کہوں
خوش نہیں لانا زباں پر رات کا مذکور صبح

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

کرے ہے پاؤں کی جا پہلے اپنا سر غواص
نکال لاوے ہے تب بحر سے گہر غواص
گذر کے جان سے سر رشتہ دے کے دوست کے ہاتھ
چلا ہے قعر میں دریا کے بے خطر غواص
بوقت غوطہ آسے چشم بند مت جانو
رکھے ہے کام پر اپنے یہاں نظر غواص
یہہ راہ سر سے چل، اور مت بکے، خموش ہو جا
یہاں نکال نہ دم، مونہہ کو بند کر غواص
لے معرفت کے تو دریا کے دُر کو اے حاتم
خدا کرے تجھے اس بحر کا اگر غواص

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

ہوا ہے بحر معانی کا دل مرا غواص
دُر سخن کو وہ لے ہم سے جس میں ہو اخلاص
ہے ابر آج چلو باغ میں شراب پئیں
وہاں چنار ہے دستک زن اور ہوا رقاص

کیا جو قتل تو عاشق کو کچھ نہ لادل میں
بھلا کیا جو کیا قید زندگی سے خلاص

ہے تیرے حسن کی اب شان بزم میں اور ہی
تو جیسے شاہ ہے اور خوب رو ترے ہیں خواص

تمام ہند میں دیوان کو ترے حاتم
رکھے ہے جان سے اپنی عزیز عام اور خاص

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

اس بے وفا نے چھوڑ کے یاروں سے ارتباط
پیدا کیا ہے جا کے ہزاروں سے ارتباط

نخچیر دل کا کیونکہ بچے من ہرن سے آج
اس نے کیا ہے میر شکاروں سے ارتباط

ناصح تو اس کے ملنے سے مانع نہ ہو مجھے
کوئی بھی چھوڑتا ہے پیاروں سے ارتباط

دیکھی کسو نے اب مرے دل کی فسونگری
کیونکر کیا ہے زلف کے ماروں سے ارتباط

ڈرتا نہیں ہے خال و خط و چشم و زلف سے
حاتم کو ہے قدیم سے چاروں سے ارتباط

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

میں ذات کا اُس کی آشنا ہوں — ہر ایک صفات پر فدا ہوں
افسوس کہ آپ کو میں اب تک — معلوم نہیں کیا کہ کیا ہوں
ہے عین زوال میں ترقی — مجکو کہ گل دوپہریا ہوں
حیرت ہے مجھے بھی کہ (میں) اُس بن — کس طرح سے اب تلک جیا ہوں
کرتا میں نہیں خوشامد خلق — حاتم ہوں ازل سے بے ریا ہوں

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

غنچہ سے کیا ہے نسبت ایسا لب و دہاں ہے
جس کی صفت میں گرو ہر برگ گل زباں ہے

کچھ ان دنوں میں ہم سے ترا ہی دل پھرا ہے
ورنہ وہی زمیں ہے اور وہ ہی آسماں ہے

حاجت چراغ کی ہے کب انجمن میں دل کی
مانند شمع روشن ہر ایک استخواں ہے

ڈر سے مخالفوں کے دل میں تری محبت
مخفی رکھوں ہوں جیسے غنچے میں بو نہاں ہے

دل کی مرے حقیقت کیا پوچھتے ہو یارو
یا حسرت بتاں ہے یا یاد رفتگاں ہے

ممتاز کیوں نہ ہووے وہ اپنے ہمسروں میں[1]
حاتم کا قدر داں اب نوّاب امیر خاں ہے

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

اب کے چمن میں گل کا نے نام و نے نشاں ہے
فریاد بلبلاں ہے یا شہرۂ خزاں ہے

ہم سیر کر جو دیکھا روے زمیں کے اوپر
آسودگی کہاں ہے جب تک یہ آسماں ہے

ہم کیا کہیں زباں سے آپ ہی تو سن رہے گا
شکوہ ترے ستم کا ظالم جہاں تہاں ہے

مدت ہوئی کہ مر کر میں خاک ہوگیا ہوں
جینے کا بد گماں کو اب تک مرے گماں ہے

---

(۱) حاشیے میں : ع وہ سر بلند ہوئے کیونکر نہ ہمسروں میں

ہولی کے اب بہانے چھڑکا ہے رنگ کس نے
نام خدا تجھ اوپر اس آن عجب سماں ہے

مکرے سے فائدہ کیا رندوں سے کب چھپی ہے
کیا حاجت بیاں ہے جو کچھ ہے سب عیاں ہے

رنگ گلال مونہہ پر ایسا بہار دے ہے
جوں آفتاب تاباں زیر شفق نہاں ہے

کیسر میں اس طرح سے آلودہ ہے سراپا
سنتے تھے ہم سو دیکھا تو شاخ زعفراں ہے

آپ ہی میں دیکھ حاتم وحدت کے بیچ کثرت
تو ایک و ایک جا ہے اور دل کہاں کہاں ہے

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

یہہ کالی زلف ترے مونہہ اوپر ایسے لٹکتی ہے
کہ دل میں پیچ کھا کھا ناگن اپنا سر پٹکتی ہے

کبھو تو رو تو اس کو خاک اوپر جاکے اے لیلیٰ
کہ بن پانی جنگل میں روح مجنوں کی بھٹکتی ہے

جنوں نے اس قدر ہلکا کیا ہر یک کی نظروں میں
کہ میرے ہاتھ سے اپنا خرد دامن جھٹکتی ہے

مزا جینے کا کچھ ہم کو نہیں بن اس کے اے حاتم
ہماری سانس جی میں پھانس سی ہر دم کھٹکتی ہے

زمین طرحی ۱۱۴۸ھ

تو اس مزے سے چمن میں کرے ہے مے نوشی
کہ دل میں تازہ ہوئی حسرت ہم آغوشی

زبان شمع سے روشن ہوا مجھے یہہ حرف
کہ سر کٹے تو نہ کہیئے بھلی ہے خاموشی

خدا کرے کہ یہہ دونو کے تئیں مبارک ہو
مجھے تو یاد تری اور تجھے فراموشی

کسو کے دانت کا مونہہ پر ترے ہوا ہے نشاں
کہ آینہ سے جو کرتا ہے آج رخ پوشی

مخالفوں کو کرو دور آج مجلس سے
کہ حاتم اس سے ہے اس وقت مجکو سرگوشی

زمین طرحی در ۱۱۴۸ھ

جس اوپر دینا ہے جان آساں مجھے وہ رکھے ہے رات دن جوں جاں مجھے
اپنے اوپر گر کرے قرباں مجھے اور بھی ہوں جوں کہاں حلقہ بگوش
خار سے لگتے ہیں سب خوباں مجھے اس گل رنگیں کے آگے چشم میں
جس سے خوش لگتا ہے ہندستاں مجھے حق رکھے اس کے سلامت ہند میں
مول لیتا ہے گا فاخر خاں مجھے ہوں تو حاتم، لیکن ہر دم لطف سے

زمین طرحی در ۱۱۴۹ھ

دیکھ کر اس کا دھن اور سن کے وہ شیریں نکات
کان میں بلبل کے خوش لگتی نہیں غنچے کی بات

وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے (تو ؟) گل بادام پر
کرکے نرگس کو قلم اور چشم آھو کی دوات

خوب سا اُس کا پیوں لوھو اگر پاؤں کبھو
خون ہوا ہے دل مرا ظالم تری مہندی کے ہات

جی اٹھوں پھر کر اگر تو ایک بوسہ دے مجھے
چوسنا لب کا ترے ہے مجکو جوں آب حیات

باغ دنیا میں نہیں بیکار حاتم ایک خس
ذکر کرتا ہے خدا کی یاد میں ہر پات پات

زمین طرحی در ۱۱۴۹ھ

پھولا ہے ترے حسن کا اے گلعذار باغ
کرتا ہے تجھ اوپر زر گل کو نثار باغ
گلدستۂ بہار ہے تو سر سے پاؤں تک
ہر عضو پر کروں ترے قرباں ہزار باغ
یکساں تری بہار رہے ہے تمام سال
کرتا ہے گر بہار تو فصلِ بہار باغ
گر جائے باغ میں تو گلوں کی طرف نہ دیکھ
یہہ دیکھ ہو رہا ہے دل داغدار باغ
تیرے دہان وغبغب ورخسار ولب کو دیکھ
حاتم کا دل کرے ہے میاں سیر چار باغ

زمین طرحی در ۱۱۴۹ھ

بندہ اگر جہاں میں بجائے خدا نہیں
لیکن نظر کرو تو خدا سے جدا نہیں
نقطے کا فرق ہے گا خدا اور جدا میں دیکھ
صورت میں گر چھپا ہے بمعنی چھپا نہیں
ہر شے کے بیچ آپ نہاں ہو عیاں ہوا
دیکھا تو ہم نے اس سا کوئی خود نما نہیں
حیران عقل کل کی ہے اُس کی صفت کو دیکھ
سب جا میں جلوہ گر ہے وہ اور ایک جا نہیں

لذت چکھا کے دل کے تئیں ھجر و وصل کی
حاتم سے مل رہا ھے اور اب تک ملا نہیں

زمین طرحی در ۱۱۴۹ھ

بجا ھے گر کروں صدقے تری آنکھوں اوپر آنکھیں
کہ مجکو اب تلک ایسی نہیں آئیں نظر آنکھیں
ھمیشہ بحر و بر کی سیر کرتا ھوں میں گھر بیٹھے
فغاں سے خشک ھیں لب اور رونے سے ھیں تر آنکھیں
رہے نئیں ھوش ان میں بات کہنے کا ترے آگے
دکھا دے جا کے میخانے میں مستوں کو اگر آنکھیں
دغا بازی نہیں اُس کے اگر دل میں تو اے یارو
چراتا کیوں ھے ھم سے مخلصوں سے دیکھ کر آنکھیں
نکل کر تن سے جاں اب لب اوپر پہنچا ھے اے حاتم
یہی ھے دل میں اُس کو دیکھ لوں اس وقت بھر آنکھیں

زمین طرحی در ۱۱۴۹ھ

لب و دندان کے تیرے صدقے — مسی اور پان کے ترے صدقے
جامہ زیبوں کو کروں عالم کے — دور داماں کے ترے صدقے
خوش اداؤں کو بجا ھے تجھ پر — ھوں اگر آن کے ترے صدقے
نرگس ھوتی ھے گلستاں میں بچشم — چشم فتان کے ترے صدقے
دل مرا جس کا ھوا ھے پیکاں — تیر مژگاں کے ترے صدقے
حاتم عاشق ھے تری ھستی پر — بستہ مسکان کے ترے صدقے

زمین طرحی در ۱۱۴۹ھ

لب مرجان کے ترے صدقے — در دندان کے ترے صدقے

وعدہ کر ہم سے، نہ آیا، جھوٹے سانچے پیمان کے ترے صدقے
دل و دیں لے کے قسم کھا جانا ایسے ایمان کے ترے صدقے
ہاتھ میں جام مے و شیشہ کھلے جان اس آن کے ترے صدقے
تو نے حاتم کو کیا اپنا غلام ایسے احسان کے ترے صدقے

زمین طرحی در ۱۱۵۰ھ

میری بغل میں رات وہ مست شراب تھا
حسرت کی آگ میں دل دشمن کباب تھا
وقت سحر چمن میں وہ گل بے نقاب تھا
ہر ذرہ اس کی تاب سے جوں آفتاب تھا
ہر حال اپنے حال کے تئیں بوجھ مغتنم
آئندہ ہے خیال جو گذرا سو خواب تھا
نامے کو میرے دیکھ کے خاموش ہو رہا
قاصد کے تئیں جواب ندینا جواب تھا
فانی ہوا جو بحر میں خود بحر ہوگیا
وہم حباب پردۂ چشم حباب تھا
مجلس میں رات گریۂ مستاں تھا تجھ بغیر
ساغر بھرا شراب کا چشم پر آب تھا
رخصت تو آینے کو نہ تھی اس کے رو برو
حاتم تو کس طرح سے وہاں باریاب تھا

زمین طرحی در ۱۱۵۰ھ

مست کو کب ہوے گھر جانے کا ہوش
ہے اُسے دن رات میخانے کا ہوش

اس طرح شیشے اڑاتے ہو کہ آج
دیکھ کر جاتا ہے پیمانے کا ہوش

شمع مجلس ہو کے وہ بیٹھا ہے مست
کیوں نہ اڑ جاوے گا پروانے کا ہوش

آج میرے گھر میں متوالے کے تئیں
کس طرح سے آ گیا آنے کا ہوش

میکدے کے در پہ حاتم گر پڑا
ہے کسو کے تئیں اٹھا لانے کا ہوش!

زمین طرحی در ۱۱۵۰ھ

تیری آنکھوں کا دیکھ میخانہ ہو گیا سب جہان مستانہ
شمع رو پاس، مہر داغ کے تئیں التماسی تھا رات پروانہ
شوخ کے کثرت تصور سے شیشۂ دل ہوا پری خانہ
مو بمو زلف کے خیالوں میں میری مژگاں بنی ہیں جوں شانہ
حیف حاتم کو تو نجانا جان آشنا ہو، ہوا ہے بیگانہ

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

کس نے شب دارو پلا کر تجھے مخمور کیا
کہ تری چشم گلابی نے مجھے چور کیا

صندلی رنگ نے آ تیغ نگہ سے اس دم
درد سر تھا سو مرے سر سے بھلا دور کیا

عشق پردے میں تھا اس چشم کا ہو خانہ خراب
جن نے رو رو کے اب حاتم مجھے مشہور کیا

زمین طرحی در ۱۱۵۱

نکلے اگر جہاں میں سحرگاہ آفتاب
چھپ جاے دیکھ کر تجھے اے ماہ آفتاب

آ کر تری گلی میں قدم بوس کے لیے
پھر آسماں کی بھول گیا راہ آفتاب

آتا ہے صبح اُٹھ کے زیارت کے واسطے
گھر کو تمہارے جان کے درگاہ آفتاب

حاتم سحر سے شام تک حاضر رہے ہے دیکھ
ہے اُس کے چاکروں میں ہوا خواہ آفتاب

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

مارا ہے مجکو یار نے دکھلا کے رنگ سرخ
تعویذ میری گور کا لازم ہے سنگ سرخ

جھڑپاوتا ہے سب کو نگاہوں میں آج لال
چاہے ہے دیکھنے کو بہانے سے جنگِ سرخ

پنڈا دکھا کے اس دل پر خوں کو ڈور کر
کس پیچ سے صنم نے اُڑایا پتنگ سرخ

کیونکر نہ قتل عام ہو حاتم جہان میں
نو روز اس برس کا پڑا ہے برنگ سرخ

زمین حسب الفرمائش عنایت اللہ خاں راسخ در ۱۱۵۱ھ

ہم نجانے تھے کہ ہے وعدۂ خوباں برباد
انتظاری میں گیا مفت مرا جاں برباد

حیف اس دل نے کیا عشق پری رویاں کا
جس ہوا میں گیا ہے تخت سلیماں برباد

چھوڑ تسبیح ہوا دل مرا زنار پرست
زلف کافر نے کیا خانۂ ایماں برباد

چاہ میں اس لب جاں بخش کی اسکندر نے
ہاتھ سے اپنے دیا چشمۂ حیواں برباد
عشق کے آج بیاباں کا وہی مجنوں ہے
جو بگھولے کی طرح دے سر و ساماں بر باد
ہر قدم عمر چلی جاے ہے ایسی حاتم
جیسے جاتی ہے اُڑی ریگ بیاباں بر باد

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

اس زمانے میں ہمارا دل نہو کیونکر اداس
دیکھ کر احوال عالم اُڑتے جاتے ہیں حواس
بس رہا ہے بو سے تیری جان من ایسا دماغ
بے دماغ ہم کو رکھے ہے باغ میں پھولوں کی باس
جس طرف جاوے تو اے سرو رواں سائے کی طرح
ہر قدم مَیں بھی ہوں ترے ساتھ ساتھ اور پاس پاس
تشنگی سے چاہ کی تیری نہیں سیراب دل
ہے مثل مشہور مستسقی کی نئیں بجھتی ہے پیاس
حق سے ملنا گیروے کپڑوں اوپر موقوف نئیں
دل کے تئیں رنگو(۱) فقیری یہہ ہے اور سب ہے لباس
کُنہہ ذات حق کو کیا پاوے کوئی حاتم کبھو
سب کے عاجز ہیں یہاں وہم و گماں، فہم و قیاس

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

کس کنے لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم
تجھ ہی سے تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم

بحر و بر میں ہے ہماری شہرت دیوانگی
عاشقی کے کام میں مجنوں کے ہیں اُستاد ہم

سو کھ کر کانٹا ہوے پنجرے میں تب چھوڑے ہےتو
اب کہاں جاویں یہہ لے کر مشت پر صیاد ہم

سب سے پہلے سب گنہگاروں میں جی دینے کو آج
سر سے حاضر ہیں تری خدمت میں اے جلاد ہم

تو نہ آیا اُس طرف جس جا ہوے ہم فرش راہ
مفت خاک اپنی کو ہاتھوں سے دیا برباد ہم

ہے دیکھو گردن میں طوق بندگی قمری کی طرح
کس طرح ہوں قید سے اُس سرو کی آزاد ہم

ہند کے ہندو بچوں سے دل لگا کر اور شہر
کیونکہ جاویں چھوڑ حاتم شہ جہاں آباد ہم

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

کون دل ہے کہ ترے درد میں بیمار نہیں
کون جی ہے کہ ترے غم میں گرفتار نہیں

کون (وہ دیر)[1] کہ تجھ بت کی نہیں ہے پوجا
کون مسجد ہے کہ تجھ درس کی تکرار نہیں

کون خوش رو ہے کہ تجھ رو کا نہیں ہے طالب
کون طالب ہے کہ تجھ سے کا طلب گار نہیں

کون صوفی ہے کہ تجھ مے سے نہیں ہے مدھوش
کون کیفی ہے کہ تجھ کیف سے (سرشار)[2] نہیں

---

(۱) مخطوطے میں "دھرا ہے"۔
(۲) مخطوطے میں "ھشیار"۔

کون کہتا ہے کہ حاتم کو نہیں تجھ سے پیار
کون کہتا ہے کہ حاتم سے تجھے پیار نہیں

در ۱۱۵۱ھ

اکڑ کر جس گھڑی یہہ نوجوان تل تل کے چلتے ہیں
قدم کی خاک اُن کے عاشق اپنے مونہہ سے ملتے ہیں
عجب صحبت ہے ان سے کس طرح صحبت برار آوے
کبھو نظروں میں چھلتے ہیں کبھو آنکھیں بدلتے ہیں
عرق اس کو نہ کہیے جو تری زلفوں سے ٹپکے ہے
یہہ کالے ناگ ہیں اور مونہہ سے اپنے زہر اُگلتے ہیں

فرمائشی در ۱۱۵۱ھ (مصرع اول انورالدولہ بہادر)

چڑھی ہیں غم کی فوجیں کون ہے جو روبرو آوے
نہیں کوئی اور عالم میں مگر آوے تو تو آوے
بتاں تو جمع ہیں گے پر خدا حافظ ہے مجلس کا
غضب سے گر چڑھاتا آستیں وہ تند خو آوے
ابھی کی ہے گی توبہ ہم نے اور بدمست وہ (؟) ساقی
قیامت ہو جو پیتا جام اور لیتا سبو آوے
ترے بالوں کو چاہوں ہوں کھلے دیکھوں کہ دل میرا
ابھی دُرِ نجف ہووے جو اس میں ایک مو آوے
جہاں کے باغ میں کرتا ہے سیر اس واسطے حاتم
کہ شاید مہر و اُلفت کی کسو بھی گل سے بو آوے

زمین طرحی ۱۱۵۱ھ

یہ سیہ زلف تری جب سے مرے دل میں بسی
تب سے ناگن کی طرح جان مرے من کو ڈسی

ابر جوں موسم برسات میں رؤں نہ سو کیوں
برق اب یاد دلاتی ہے مجھے تیری ہنسی
ایک باری تو کیا قتل اک عالم ظالم
پھر یہہ لے ہاتھ میں شمشیر کمر کیوں تو کسی
زال دنیا کے اوپر نفس مرا ہووے چاق
سخت سر کش ہے یہہ کیونکر نکرے بوالہوسی
آیا جراح کہ زخموں کو ہمارے ٹانکے
کہا حاتم نے یہہ حسرت تھی مجھے ان کو نہ سی

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

جوں تری پتلی مری چشم میں آ پھرتی ہے
اسی دم روح تری گرد (؟) میں جا پھرتی ہے
کاہلی ہو کے نہ جا اب تو چمن میں بلبل
کہ گلستاں تو ہے بے آب، ہوا پھرتی ہے
اٹھ چلا جوں وہ کہامیں نے میاں ٹک (تو؟) پھرآ
بولا غصے سے کہ اب میری بلا پھرتی ہے
دختر رز کو دیکھو مجمع رنداں میں مدام
پردۂ شرم اڑا، گھر کو جلا پھرتی ہے
اس سبب پھولے سماتے نہیں گل جامے میں
کہ کھلے بند چمن بیچ صبا پھرتی ہے
مری باتوں سے اب آزردہ نہونا ساقی
اس گھڑی عقل مری مجھ سے جدا پھرتی ہے
حاتم اس ماہ کی حسرت میں ہر اک محفل میں
شمع بھی تن کو گھلا سر کو کٹا پھرتی ہے

زمین طرحی در ۱۱۵۱ھ

ہے راہ عاشقی باریک اور تاریک اور سکڑی
نہیں کچھ کام آنے کی یہاں زاھد تری لکڑی
تری آنکھوں کی اب تعریف لکھنے کو چمن اندر
نظر کر دیکھ اے خوش چشم نرگس نے قلم پکڑی
زنانوں سے نہ مل گر مرد ہے تو چھوڑ یہہ صحبت
وگرنہ یاد رکھ ہووے گی آخر ایک دن پھکڑی

زمین طرحی در ۱۱۵۲ھ

تیری صورت پر نہ تنہا میں ھی مفتوں ھو گیا
جن نے دیکھا تجکو اے لیلیٰ سو مجنوں ھو گیا
پان و مسی کا ترے اے جان مجلس میں تھا ذکر
اس قدر مبحث ھوا آپس میں شبخوں ھو گیا
کچھ نہ پایا ھم نے کیا حکمت ہے خمخانے کے بیچ
جو کوئی جا کر وھاں (بیٹھا)[۱] فلاطوں ھو گیا
ہے عبث حاتم یہ سب مضمون و معنی کا تلاش
مونہہ سے جو نکلا سخن گو کے سو موزوں ھو گیا

زمین محتشم علی خاں حشمت در ۱۱۵۲ھ

سب طرف ہے شور کچھ طوفاں سا لاتی ہے بہار
چیت جاؤ آج دیوانوں کہ آتی ہے بہار
بلبل نالاں کے خوش کرنے کو اپنا رو دکھا
غنچۂ دلگیر کو آ کر ھنساتی ہے بہار

(۱) متن میں "پہنچا" اور حاشیے میں "بیٹھا"۔

گہ شگوفے کی طرح کھل کھل کے ہوئے بے حجاب
گاہ چھپ چھپ پردۂ گل میں لجاتی ہے بہار
یا زمانہ پھر گیا یا باؤ کچھ اُلٹی بہی
تب ہوا خواہوں سے اپنے مونہہ پھلاتی ہے بہار
دم غنیمت جان ٹک چل اور گلوں کا دید کر
سیر گلشن کو تجھے حاتم بلاتی ہے بہار

در ۱۱۵۲ھ

یار آ مجھ پاس بولا دیکھ لے آئی بہار
میں کہا اُس کو بغل میں لے کے میں پائی بہار
بلبل و گل کی حنا بندی ہے آرائش کرو
یہ شگوفہ آج تازہ باغ میں لائی بہار
داغ لالہ دیکھ اُس کو آگ سی سرسوں لگی
اور گلوں کو مونہہ پھلائے دیکھ جھنجلائی بہار
باغ میں اہل چمن کا میر ساماں بوجھ کر
سر اوپر حاتم کے یارو جوں گھٹا چھائی بہار

زمین طرحی در ۱۱۵۲ھ

مستی میں مے کشوں کے تئیں ہوئے کب لحاظ
جاتا رہے ہے ان کی طبیعت سے سب لحاظ
گستاخیاں رقیب نہیں چھوڑتا مگر
سر میں لگے گی دھول اُسے ہو گا تب لحاظ
نازک طبیعتوں سے نہ ہو بے ملاحظہ
اتنا بھی کیا نہیں ہے تجھے بے ادب لحاظ

ہے طفل، گو کہ قدر مری بوجھتا نہیں
جانے گا قدر تب کہ اسے ہو گا جب لحاظ
دامن کو اس کے ہاتھ لگایا تھا بھول کر
حاتم کے دل میں سوچ کے آیا ہے اب لحاظ

زمین طرحی در ۱۱۵۲ھ

اہل جہاں کی گو ہے نظر میں جہاں وسیع
پر ہو سکے ہے دل کے برابر کہاں وسیع
آئی ہے فصل گل کی مچاویں گے ہم تو دھوم
صحن چمن کو ٹک تو کر اے باغباں وسیع
بلبل کے مشت پر کو بہت جا ہے کنج باغ
صیاد سے بچے تو کرے آشیاں وسیع
عالم ہے کامیاب ترے باب فیض سے
ایسا کیا ہے حق نے ترا آستاں وسیع
حاتم کو اپنے لطف و کرم سے نواز دے
ہمت سے اپنے دل کو کر اے مہرباں وسیع

زمین طرحی در ۱۱۵۲ھ

تو صبح دم نہ نہا بے حجاب دریا میں
پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں
چلو شراب پیئیں بیٹھ کر کنارے آج
کہ ہوئے رشک سے ماھی کباب دریا میں
تمہارے مونہہ کی صفائی و آبداری دیکھ
بہا ہے شرم سے موتی ہو آب دریا میں

میں اس طرح سے ہوں مہمان سرائے دنیا میں
کہ جس طرح ہے کوئی دم حباب دریا میں

جہاں کے بحر میں ہر موج بوجھ سیل فنا
بنا نہ گھر کو تو خانہ خراب دریا میں

کبھو جو عالم مستی میں کی تھی تم نے نگاہ
بجائے آب بہے ہے شراب دریا میں

میں آب چشم میں ہوں غرق مجکو نیند کہاں
کہیں کسو کو بھی آتا ہے خواب دریا میں

اگر ہے علم تجھے تو عمل کے درپے ہو
وگرنہ شیخ ڈبا دے کتاب دریا میں

صنم کی زلف کی لہروں کے رشک سے حاتم
نہیں یہ موج، یہ ہے پیچ و تاب دریا میں

در ۱۱۵۲ھ

ہوئی تقصیر اب معاف کرو   بغض و کینہ سے سینہ صاف کرو
ہاں جی! جانا بڑے سپاہی ہو   اب تو شمشیر کو غلاف کرو
مونہہ لگانا بدوں کا خوب نہیں   ایسی صحبت سے انحراف کرو
دل کے آزار کا نہ دو فتویٰ   مذہبوں میں مت اختلاف کرو
چلو بیٹھے رہو بندھی مٹھی   سینہ حاتم کا مت شگاف کرو

در ۱۱۵۲ھ

اپنے عاشق کو جی سے پیار کرو   ظلم کو مت تم اختیار کرو
حسن آئینہ فاش کرنا ہے   ایسے دشمن کو سنگسار کرو
عمر جاتی ہے انتظاری میں   ٹک ادھر بھی کبھو گذار کرو

زمین طرحی در ۱۱۵۲ھ

میں پیدائش کیا مجنوں صفت یکسر بیاباں کو
نہ پہنچا دامن صحرا مرے چاک گریباں کو
عبث بخشے ہے غم کے روزہ داروں سے تو اے زاھد
کہ تیری صبح پہنچے گی نہیں شام غریباں کو
تو آنے سے انہوں کے باغباں ڈریو کہ یہہ لڑکے
بغل مارے لیے جاتے ھیں مکتب میں گلستاں کو
غلام عشق سے دیر و حرم کی راہ مت پوچھو
جو ھو دیوانہ کیا جانے طریق کفر و ایماں کو
برس میں وہ کبھو برسے ہے یہہ برسوں سے برسے ہے
مقابل مت کرو باراں سے میری چشم گریاں کو
چمن میں داستان عشق میری سن کے اے حاتم
کیا استاد آخر بلبلوں نے مجھ غزلخواں کو

زمین انعام اللہ خاں یقین در ۱۱۵۲ھ

کوئی بھی ہے جو مجھ درد دل ناشاد کو پہنچے
خدا کے واسطے یک دم مری فریاد کو پہنچے
یہاں مرنے کے تئیں اول قدم ھم سر سے حاضر ھیں
ھماری سب سے اب پہلے دعا جلاد کو پہنچے
بڑھاپے میں کیا شاگرد ھم کو عشق طفلاں نے
یہہ مکتب میں خبر لڑکوں کے اب استاد کو پہنچے
مرا یک مشت پر یارو یونہیں برباد جاتا ہے
ارے کیا ھو جو ھاتھوں ھاتھ جا صیاد کو پہنچے

پکڑتے مو قلم رعشہ ہو اس کے دل میں دہشت سے
تری تصویر کی شہرت اگر بہزاد کو پہنچے
تعجب عشق سے شیریں لباں کیا ہے یقیں جانو
اگر ہمت سے حاتم سرچڑھا[1] فرہاد کو پہنچے

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

عاشق کا جہاں میں گھر ندیکھا ایسا کوئی در بدر ندیکھا
جیسا کہ اُڑے ہے طائر دل ایسا کوئی تیز پر ندیکھا
خوبان جہاں ہوں جس سے تسخیر ایسا کوئی ہم ہنر ندیکھا
ٹوٹے دل کو بنا دکھاوے ایسا کوئی کاریگر ندیکھا
اُس تیغ نگہ سے ہو مقابل ایسا کوئی بے جگر ندیکھا
جاری ہیں ہمیشہ چشمۂ چشم ایسا کوئی ابر تر ندیکھا
جو آب ہے آبرو میں حاتم ایسا کوئی ہم گہر ندیکھا

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

جس طرف کو میں گیا روتا ہوا تا فلک رُوئے زمیں دریا ہوا
خال کے نقطے سے چہرے پر ترے یک قلم اب حسن خط دونا ہوا
رات کو تو تھا وہ میرے ہمکنار آنکھ کے کھلتے الٰہی کیا ہوا
اس قدر ہم نے پیا خون جگر دل مرا جوں غنچۂ لالا ہوا
حاتم اس کی دیکھ کر زنجیر زلف پھر نئے سر سے مجھے سودا ہوا

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

ہماری آہ میں اتنی نہوی تاثیر یا قسمت
جو کرتا اُس پری رو کے تئیں تسخیر یا قسمت
لگاتے ہاتھ اُس کی زلف نے دل کو کیا قیدی
نصیبوں سے مرے وہ ہو گئی زنجیر یا قسمت

(۱) مخطوطے میں "سرچرا"۔

کمر باندھی ہے غمازوں کے جا جا کر لگانے سے
ہمارے قتل پر قاتل نے بے تقصیر یا قسمت

وہ آہو چشم ہم سے رام ہو رم کر گیا آخر
چڑھا تھا دانؤ پر جاتا رہا نخچیر یا قسمت

ہوا تھا خواب میں وہ دوست جاگے پر ہوا دشمن
ہمارے خواب کی اُلٹی ہوئی تعبیر یا قسمت

نہیں کچھ پیش رفت ہوتا ہمارا عشق سے حاتم
ازل کے روز سے کی تھی یونہیں تقدیر یا قسمت

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

ہوئی یک عمر رکھتے دل میں اُس کی آس یا قسمت
کسو دن بھی نہ آیا وہ ہمارے پاس یا قسمت

بھنور ہو کر پھرا میں دیکھتا ہر ایک گلشن میں
کسو گل میں نہ پائی گلبدن کی باس یا قسمت

ہم اُن بندوں میں ہیں جو بات کہتے سر کو دے ڈالیں
تس اوپر بھی رکھے گر دل میں تو وسواس یا قسمت

خدا نے سب طرح کی دی ہے نعمت شکر ہے لیکن
مجھے حاتم مری ہمت سے ہے افلاس یا قسمت

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

پہلے قربان سر کہے تو کروں — تب تجھ اوپر نظر کہے تو کروں
ترے پابوس کا مرے دل میں — آرزو ہے اگر کہے تو کروں
دل تو تیر نگہ نے چھان دیا — اب نشانا جگر کہے تو کروں
تجھ دھن کی صفت میں میری زباں — لال ہے مختصر کہے تو کروں
تیرے آنے کی آج حاتم کو — اے مری جان خبر کہے تو کروں

زمیں طرحی در ۱۱۵۳ھ

تیرے اے سرو خراماں روبرو گر آئے سرو
دیکھ کر چلنے کی خوبی، خاک میں گڑجائے سرو
قدر آزادوں کی تو نے باغباں جانی نہ حیف
ہے بجا گر آہ اس گلشن میں اب ہو جائے سرو(؟)
کس طرح آوے جلو تری میں وہ معذور ہے
پاؤں چلنے کو کہاں سے دوسرا اب پائے سرو
تیرے قامت کے تصور سے میں دیکھوں ہوں اسے
تو جو ہو بر میں تو کس کافر کو ہو پروائے سرو
یک دم آسائش نہ کی اور اڑ گیا رنگ بہار
حیف گل، افسوس بلبل، ہائے قمری، وائے سرو
سیر گلشن کو وہ سرکش آوے اے حاتم کبھو
دور سے مجرے کے تئیں جھک جائے سرتا پائے سرو

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

قدر جانے ہے سخن گو کی جو کوئی انساں ہے
نطق کا فہم نہیں جس کے تئیں حیواں ہے
خوب اور زشت کی تفریق نہ پوچھو مجھ سے
مظہر حق ہے یہاں عقل مری حیراں ہے
جس کو اس وقت میں کچھ سدّ رمق پہنچی ہے
بحر و بر کا وہ سکندر منش و سلطاں ہے
زور احساں سے کرے زیر زبردستوں کو
شیوۂ مردمی و کار جواں مرداں ہے

دین و دنیا سے گذر سب سے ہوے ہیں آزاد
حاتم اب معتقد همت درویشاں ہے

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

ایک پر ایک گھٹا دل سے سرس آتی ہے
ہر برس جا کے ترے گھر میں برس آتی ہے

آج بیضے سے نکلتی ہے جو بلبل صیاد
سو ترے دام میں مشتاق قفس آتی ہے

نمک حسن کا سنتا ہوں ترے جوں جوں شور
توں توں ملنے کی مرے دل میں ہوس آتی ہے

بوالہوس گو کریں تیرے لب شیریں پہ ھجوم
تلخ مت ہو کہ مٹھائی سے مگس آتی ہے

کون گذرا ہے چمن بیچ معطر ہو کر
کہ ہر اک خار سے خوشبوئے خس آتی ہے

موسم گل کا مگر قافلہ جاتا ہے کہ آج
سارے غنچوں سے جو آواز جرس آتی ہے

کچھ خبر تجکو بھی ہوتی ہے جو دل حاتم کا
ناگنی زلف رسا کی تری ڈس آتی ہے

زمین طرحی در ۱۱۵۳ھ

کہوں جا کس سے اب اپنے دل ناداں کی نادانی
کہ مجھ سے دوست سے بارو ہوا ہے دشمن جانی

نگاہیں جوڑ اور آنکھیں چرا ٹک چل کے پھر دیکھا
مرے چہرے اوپر کی شاہ خوباں نے نظر ثانی

مصور اس میاں کی چاھے تھا تصویر کو کھینچے
کمر کے وھم میں بھر موقلم لکھنے سے چیں مانی
اگرچہ یہہ زمیں کہنہ تھی اے دوستاں لیکن
ھے دل میں اس غزل میں تازہ کہیے مطلعِ ثانی
ھوا ھوں اس قدر کاھیدہ تیرے ھجر میں جانی
کہ میں نے اپنی صورت دیکھ کر آپ ھی نہ پہچانی
خدا کو جس سے پہنچیں ھیں وہ اور ھی راہ ھے زاھد
پٹکتے سر تری گو گھس گئی سجدوں سے پیشانی
خدائی ھے خودی سے باز آ ھستی سے توبہ کر
بقا با للہ چاھے ھے کہ ھو، تو شیخ، ھو فانی
نہ جاوے صحبت کامل سے جس کے کفر ھو دل میں
سنیاں سے کبھو ٹوٹا نہ زنار سلیمانی
کہا حاتم نے تیرے دیکھ مونہہ پر خال ھندی کو
"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

زمین عبدالحی تاباں ۱۱۵۳ھ

اس طرح گذرا چمن میں آج وہ گل، چشم سے
دیکھتے جس کے مری جاتی رھی گل چشم سے
آج (کیا ؟)[1] ھمدرد اس بیکس کے ھیں گلشن میں پھول
ھاتھ دھو بیٹھی ھے جو رو رو کے بلبل چشم سے
تاک کر آنے تجھے مجلس میں سر مست خمار
پانی پانی ھو گئی جل جل ترے مُل چشم سے
سب طرح پورا ھے معشوق کے تاؤ بھاؤ میں
ھم نے تولا ھے تجھے من میں بنا تل چشم سے

---

(۱) مخطوطے میں "کس"۔

دیکھ کر تجھ زلف و خط کی موج اے گلزار حسن
گر گیا ہر ایک کے ریحان و سنبل چشم سے
غیر سے آنکھیں لڑانا اس کا بے حکمت نہیں
اس کے تئیں خر جان کر دیتا ہے وہ جل چشم سے
دشمنوں کے رو برو پیارے مرے حق میں کبھو
دیکھنے سے خوشنما تر ہے تغافل چشم سے
اس طرح ہم نے نہیں دیکھی کہیں سلک گہر
جس طرح آنسو نکلتے ہیں بسلسل چشم سے
چشم و کاکل کی صفت ظاہر (میں)[1] حاتم کیا کہے
چشم ہیں کاکل سے تیرے خوب و کاکل چشم سے

زمین طرحی در ۱۱۵۴ھ

شہر میں پھرتا ہے وہ میخوار مست   کیوں نہ ہو ہر کوچہ و بازار مست
ہوگئے اُس کا قد (و) رخسار دیکھ   سرو ، قمری ، بلبل و گلزار ، مست
جس کے گھر جاتا ہے وہ دارو پیئے   ہوئے اُس گھر کے در و دیوار مست
میکشو حاتم کو متوالا کہو   ایسا ہم دیکھا نہیں ہشیار مست

زمین طرحی در ۱۱۵۴ھ

ہے ایسی طرح سے مجلس میں شمع اور فانوس
کہ زیب دیتی ہے حجلے میں جس طرح سے عروس
کھلا ہے ایسا مرا لالہ زار داغوں سے
کہ رقص کرتا ہے گلشن میں دیکھ کر طاؤس
جنوں کے فیض سے مانند بید مجنوں کے
نمو کے بیچ کروں ہوں ترقیٔ معکوس
اے سرو قد تو پہن جامہ فاختائی رنگ
کہ ترے بر میں سراپا سجے ہے یہہ ملبوس

---

(۱) مخطوطے میں ''ظاہری''۔

بجا ہے گر وہ لگے آ کے تیرے قدموں سے
حنا کہ رکھتی ہے مدت سے خواہش پابوس
گیا ہے جب سے نکل تو ہمارے ہاتھوں سے
ملوں ہوں تب سے میں حیرت زدہ کف افسوس
امید وار ہے درگاہ سے تری حاتم
کریم اپنے کرم سے اسے نہ رکھ مایوس

زمین طرحی ۱۱۵۴ھ

مت لگا دل کو عبث بیہودہ عالم کی طرف
عمر غفلت میں نہ کھو ٹک جھانک لے دم کی طرف
جو کہ ہیں گھائل نگہ کی تیغ سے اُس شوخ کی
دیکھتے نہیں اُن کے چشم زخم مرہم کی طرف
مدح کرنا مشرب عارف میں سب کا خوب ہے
بد طبیعت ہے کہ جس کی طبع ہے ذم کی طرف
دوست مشفق بہت ہیں یارو ولے حاتم کا دل
رات اور دن ہے مسخر میر اسلم کی طرف

طرحی بحسب اتفاق در ۱۱۵۴ھ

اشاروں میں تو کچھ بتلائے ہے گنگ
ولے مغز سخن کب پائے ہے گنگ
ہمارے شعر کو تحسین کرتے
حسودوں کی زبان ہو جائے ہے گنگ
ملوں ہوں گاہ گاہے بہر تضحیک
وگرنہ کس کے تئیں خوش آئے ہے گنگ

فصاحت سے کہاں ہے اس کو بہرہ
زباں کے ہاتھ سے اکتائے ہے گنگ
کہوں کیا اس سے اے حاتم مری بات
نہیں سنتا وہ اپنی گائے ہے گنگ

زمین طرحی در ۱۱۵۴ھ

بے دماغی سے تری فریاد میں آیا ہے دل
تجھ سے ظالم سے محبت کر کے پچھتایا ہے دل
اہل دنیا کا اگر دولت سے گھر معمور ہے
اہل دم کا ہر نفس گوہر ہے اور مایا ہے دل
کان میں حاتم کے آ مہاں یہ مصرع کہہ گیا
گوہر اس تن کے صدف میں ہم نے اب پایا ہے دل

زمین طرحی در ۱۱۵۴ھ

ازل سے بادشاہ کشور کوہ و بیاباں ہوں
پری رویاں کے میں تسخیر کرنے میں سلیماں ہوں
چمن میں عشق کے اس چشم اور رخسار کی دولت
کبھو نرگس سا حیراں ہوں کبھو جوں گل پریشاں ہوں
جنوں جب سے ہوا ہے آشنا، اے ناصح مشفق
خرد کے ساتھ تب سے رات دن دست و گریباں ہوں
بہار آئی تو آنے دو مجھے کیا کام گلشن سے
کہ سر سے پاؤں تک داغوں سے میں رشک گلستاں ہوں
پھٹا ہو آسماں تو کب تلک سیوے کوئی یارو
گریباں چاک میں دست جنوں سے تا بداماں ہوں

کچھ اب سامان اپنے عاقبت خانے کا کر حاتم
نہ بھول اس پر کہ نورالدولہ کا میں خانساماں ہوں

زمین طرحی در ۱۱۵۴ھ

جی میں آتا ہے کہ شہر عقل کو ویراں کروں
ہو کے مجنوں خانۂ زنجیر آباداں کروں
گھر کیا ہوں گھیر دامن میں ترے اے تنگ پوش
چاہتا ہوں چاک کر سینے کو ترک جاں کروں
صفحۂ دیواں میں لکھتے وصف تیرے حسن کا
گہہ بہارستاں کروں یا گہہ نگارستاں کروں
کیا ہوا گر عشق نے یارو کیا خانہ خراب
مجکو لازم ہے کہ پاس خاطر مہماں کروں
ہو کے حاتم کس سے جا محتاج ہوں چاہوں تو اب
فیض چشموں سے پلک میں دُر سے پر داماں کروں

زمین طرحی در ۱۱۵۴ھ

کیا بلا لاوے گا ہم پر نالۂ شبگیر آہ
ہو نہیں سکتی کچھ اس کی ہم سے اب تدبیر آہ
اس ارادے پر اگر سارے مصور ہوں جمع
کھینچ سکنے کے نہیں مجھ آہ کی تصویر آہ
اس کہاں ابرو سے کاھے کو ھوا تھا چار چشم
لگ گیا دل پر پلک لگتے نگہ کا تیر آہ
بیڑیوں کا غل یہ زنداں بیچ بے معنی نہیں
شور دیوانوں کا سن کھینچے ہے یہ زنجیر آہ

کون سے دشمن نے بھڑکایا اس آھو چشم کو
گھات پر چڑھ کر مرے جاتا رھا نخچیر آہ
ہم نے دیکھا لاش کو حاتم کی یہ کہتا گیا
اس جواں کو کس نے مارا حیف بے تقصیر آہ

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۵۴ھ

مری طرف کبھو وہ پری رو گذر کرے
شیشہ میں دل کے بند کروں جوں نظر کرے
رو رو ھوا ھوں خشک یہاں تک کہ دیکھ لو
آنسو بھی اب نہیں کہ مری چشم تر کرے
نالاں ھوں اس سبب سے کہ اس سنگدل کے تئیں
شاید کبھو بھی آہ ھماری اثر کرے
سنمکھ وھی ھو یار کی تیر نگاہ سے
آئینہ کی طرح جو لوھے کا جگر کرے
کیا ظلم ھے کہ سب سے بجز تیغ کچھ نہیں
کہیے ابھی تو دم میں جدا تن سے سر کرے
دعوا کیا ھے شیخ نے حاتم سے عشق میں
دونو میں دیکھیے یہ مہم کون سر کرے

زمین طرحی در زمین مرزا صائب ۱۱۵۵ھ

اس کی نظروں میں دوئی سے جو کہ ھے نا آشنا
ایک سے دونو ھیں، کیا بےگانہ و کیا آشنا
دوستی آپس کی ھے گی زندگانی کا مزا
ھے عجب صحبت جہاں باھم ھوں یک جا آشنا

اب ترے جور و جفا کے ھاتھ سے جاتے تو ھیں
پر قیامت تک نہ پاوے گا تو ہم سا آشنا

ھوں تصدق اپنے طالع کا وہ کیسا بے حجاب
مل گیا ہم سے کہ تھا مدت سے گویا آشنا

گرم ھو ملنا ھے سب اہل جہاں کا بے ثبات
آشنا چاھے تو ھو حاتم خدا کا آشنا

زمین میر شاکر ناجی در ۱۱۵۵ ھ

گلشن اس گل بن مری نظروں میں ویراں ھو گیا
جھاڑ جھاڑ اور بوٹہ بوٹہ دشمن جاں ھوگیا

ایک نے پائی نہ اب، تک نبض کی رفتار حیف
درد مرا تختۂ مشق طبیباں ھو گیا

اشک خون آلودہ مرے اس قدر جاری ھیں آج
جا بجا لعلوں سے ھندستان بدخشاں ھو گیا

شور دریا تک ملاحت کا ترے پہنچا ھے شور
بے نمک آگے ترے لب کے نمکداں ھو گیا

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ھے خلق میں
طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ھو گیا

زمین طرحی در ۱۱۵۵ ھ

خوشی معلوم تیرے غم میں رونے کی نہیں فرصت
نگہ کے تار میں یہہ در پرونے کی نہیں فرصت

ھوا ھوں اس قدر دریاے عصیاں میں میں تر دامن
کہ اس آلودگی کو دل سے دھونے کی نہیں فرصت

زمین دل میں چاہوں ہوں کہ کچھ تخم عمل بوؤں
کروں کیا عمر کم فرصت سے بونے کی نہیں فرصت
تمنا میں تری اے سیمبر پتھرا گئیں آنکھیں
مثال اب دیدۂ نرگس کے سونے کی نہیں فرصت
بتنگ آیا ہوں اس جاہل کے ہاتھوں اس قدر حاتم
کہ پانی میں کتابوں کے ڈبونے کی نہیں فرصت

۱۱۵۵ھ

ہاتھ مت کھینچ جنوں، تجھ کو مرے سر کی قسم
ایک جب تک نہ رہے[1] تار گریبان کے بیچ
باغباں مجھ سے مقابل نہ ہو گل چینی میں
جائے گل لخت جگر ہیں مرے دامان کے بیچ
گو کہ مشہور ہے حاتم تو جہاں میں آستاد
سو جگہ جائے سخن ہے تیرے دیوان کے بیچ

زمین انعام اللہ خاں یقین در ۱۱۵۵ھ

کھینچتا تروار وہ ہندوستاں زا بے طرح
گھورتا آتا ہے مجھ کو دور سے کیا بے طرح
دیکھ تو اس دم سے مجھ بیدل کے دل میں دل نہیں
جی سے دے پٹکا ہے تم نے جان ایسا بے طرح
یار نے مہندی لگا کر پاؤں پر ہیہات آج
قتل پر میرے کیا ہے فتنہ برپا بے طرح
خاک پر سر کو پٹک سن کر کہ آتی ہے بہار
جی دیا حاتم نے کیا بے وقت و بے جا بے طرح

(۱) "بھی رہے" (مجموعہ نعز)۔

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

ان دنوں پھرتے ہو تم خانہ بخانہ بے طرح
ہم سے ملنے میں بتاتے ہو بہانہ بے طرح

اس کماں ابرو کے اب ہاتھوں سے کیونکر جی بچے
اس نے تاکا ہے مرے دل کا نشانہ بے طرح

جس سے اُس نے دوستی کی پھر وہی دشمن ہوا
کیا پھرا جاتا ہے حاتم سے زمانہ بے طرح

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

میں دیکھنے کو مونھہ ترا اے بیکسوں کے کس
مسکوں ہوں، جاں بلب ہوں، مروں ہوں ترس ترس

ایسا نہو خدا نہ کرے وہ گھڑی کہ ہو
ہم سا کوئی ضعیف جو ان ظالموں کے بس

پھڑکوں تو سر پھٹے ہے نہ پھڑکوں تو جی گھٹے
تنگ اس قدر دیا مجھے صیاد نے قفس

نالاں ہے، سینہ چاک ہے اور بیقرار ہے
احوال میرے دل کے تڑپنے کا سن جرس

تیرے قدم کی خاک میں کحل البصر کروں
پاؤں تلک جو پاؤں مری جان دسترس

حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

بے شراب ہم کو نہیں آرام و بے جانانہ عیش
کس کو خوش آتا ہے بے ساقی و بے پیمانہ عیش

عشق کی اقلیم میں ہم نے عجب دیکھی یہہ رسم
عاقل ہووے خوار اور کرتا پھرے دیوانہ عیش
مے فروشوں کے نہوویں کیونکہ دروازے کی خاک
خاک ہونا مے کشوں کو ہے در میخانہ عیش
اپنی ہمت کے موافق فکر ہے ہر ایک کا
جانتا ہے اپنے جل مرنے کے تئیں پروانہ عیش
جمع اے حاتم مے و معشوق و مطرب ہو جہاں
اس طرح کے عیش کو کہتے ہیں مرزایانہ عیش

زمین طرحی ۱۱۵۵ھ

چلو اب سیر کو اے گل رخاں باغ
کہ پھر ہم تم کہاں اور پھر کہاں باغ
تو ہے مانند گل اور میں ہوں بلبل
تو اور ہم ساتھ ہیں ہوگا جہاں باغ
نظارے کو چمن سے کم نہیں ہے
کہ ہے اس پھول والے کی دکاں باغ
چمن ہے حق میں دیوانوں کے صحرا
اگر ہے بلبلوں کا آشیاں باغ
خیال گل رخاں حاتم کو بس ہے
تو اپنا سینت رکھ اے باغباں باغ

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

آبرو بخش صف مرداں ہے تیغ
اور کلید فتح ہر میداں ہے تیغ
کون پیاسا ہے شہادت کا یہاں
آج اس کے ہاتھ میں عریاں ہے تیغ

کیوں نہ وہ باندھے کمر میں نیمچا
عاشقوں کے قتل کا ساماں ہے تیغ

پر تلے اس کے لگاؤں کس کے تئیں
تیغ ابرو پر ترے قرباں ہے تیغ

نام مردوں میں خدا بخشے تو ہو
باندھ کر پھرنا نہیں آساں ہے تیغ

حاتم اُس ظالم کے ابرو کو نہ چھیڑ
ھاتھ کٹ جاوے گا اے ناداں، ہے تیغ

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

ایسے ترے ظہور کا ہے فیض ہر طرف
پھل پاوے جو نگاہ کرے برگ و بر طرف

کُٹ کر دیا کبوتر دل تو نے تس اوپر
اُڑتا تری طرف ھی نہیں دھیان پر طرف

جاوے یہہ درد سر سے جو وہ حسن صندلی
آوے چلا خوشی سے ھماری اگر طرف

پہلی نظر میں باغ کے گلگوں کو داغ کر
چہرے کو اپنے پھیر کیا اُس نے بر طرف

حاتم معاملت میں جہاں آگے نہ بول تو
انصاف گر کرے تو کسو کی نکر طرف

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

آؤ چمن میں گرو، دیکھیں بہار ھم تم
اور بیٹھ کر لب جو، ھوں ھم کنار ھم تم

اس ابر اس ہوا میں، یوں آوتا ہے دل پر
پی پی شراب ہوویں، بے اختیار ہم تم
مجلس میں گو کہ شیشے، خالی ہوے تو ہوویں
اب میکدہ میں چلیے، توڑیں خمار ہم تم
اتنی بھی آسماں نے، فرصت نہ دی کبھو ہاے
جو بیٹھ کر نکالیں، دل کا غبار ہم تم
اس راہ و اس زمیں کے، صدقے ہوں لیلیٰ مجنوں
جس جا کریں گے پیارے، مل کر گذار ہم تم
دل چاھتا ہے مل لیں، دم کا نہیں بھروسا
دو دم کی زندگی میں، پھر ایک بار ہم تم
حاتم کا اس گھڑی میں، دشمن ہوا ہے عالم
جس روز سے ہوے ہیں، اے یار یار ہم تم

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

ہووے وہ شوخ چشم اگر مجھ سے چار چشم
قربان کروں میں چشم پر اس کی ہزار چشم
مدت ہوئی پلک سے پلک آشنا نہیں
کیا اس سے اب زیادہ کرے انتظار چشم
جس رنگ سے ہو ابر سفید و سیاہ و سرخ
اس طرح کر رہی ہیں تمہاری بہار چشم
سوتے سے نام سن کے مرا یار جاگ اٹھا
بختوں کی کھل گئی مرے بے اختیار چشم
جاگے ہو رات یا یہہ نشے کا اتار ہے
جو صبح کر رہی ہیں تمہاری خمار چشم

ظالم خدا کے واسطے حاتم کو مونھہ دکھا
مدت سے دیکھنے کی ھیں امیدوار چشم

زمین جعفر علی خاں صادق در ۱۱۵۵ھ

دل آگاہ مرا طالب ارشاد نہیں
کون سا فن ھے جہاں میں کہ آسے یاد نہیں
کوچۂ عشق میں بے ساختہ مر جاتا ھے
کشتۂ یار کے تئیں حاجت جلاد نہیں
پڑی پھرتی ھیں کئی لیلیٰ و شیریں ھر جا
پر کوئی ھائے یہاں مجنوں و فرھاد نہیں
دل عشاق پرندوں کی طرح اڑتے ھیں
اس بیابان میں کیا ایک بھی صیاد نہیں
شوق سرمے کا ترے جب سے گلوگیر ھوا
اب تلک تب سے مجھے طاقت فریاد نہیں
ھم نے پوچھا کوئی حاتم بھی ترا فدوی ھے
کہا ھووے گا کوئی اب تو مجھے یاد نہیں

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

کون سا آیا تھا ایسا چشم حیراں دشت میں
ھو گیا جس کی نگہ سے نرگستاں دشت میں
آج گذرا ھے کوئی دیوانہ گریاں دشت میں
جس کے رونے سے ھوا ھے گا یہ طوفاں دشت میں
تنگ آیا ھے مرا (دل) شہر میں ناصح کے ھاتھ[1]
اب کے جا پھاڑوں گا میں اپنا گریباں دشت میں

---

(۱) مخطوطہ میں یہ مصرع یوں ھے :
دل تنگ آیا ھے مرا شہر میں ناصح کے ھاتھ

ہر قدم اوپر نکل جانے لگے مجنوں کے پاؤں
اس قدر ہم نے کیا چشموں سے باراں دشت میں

فیض چشموں سے مرے ان کو ہوئی ہے زندگی
ورنہ مرتے تھے پڑے بے آب حیواں دشت میں

حلقۂ چشم غزالاں حلقۂ زنجیر ہیں
ہر قدم پر آج دیوانو ہے زنداں دشت میں

آج اسے کیا زلف لیلیٰ یاد آئی ہے، کہ ہے
بید مجنوں کی طرح مجنوں پریشاں دشت میں

انتظاری میں قدم بوسی کی میرے دیکھ تو
سوکھ کر کانٹا ہوے خار مغیلاں دشت میں

سیکھ لو حاتم سے وحشی سے طرح رہنے کی تم
جس سے اب تعلیم لیتے ہیں غزالاں دشت میں

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

کیا کروگے لے کے اب دل کو مری جاں دست میں
شیشہ ٹوٹا ہو تو کب لیتے ہیں خوباں دست میں

شانۂ مژگاں بنا کر مو بمو کنگھی کروں
جو کبھو آوے تری زلف پریشاں دست میں

کس طرح جاوے گا مجھ سے چھوٹ کر دیکھیں جنوں
اب تو آیا ہے مرے اس کا گریباں دست میں

بوے خوں آتی ہے تیرے ہاتھ سے اب تک میاں
یہہ حنا ہے یا ملا خون شہیداں دست میں

شکر للہ شیشہ و ساغر بکف اس ابر میں
مست آتا ہے لیے عشرت کا ساماں دست میں

دست بوسی تک کہاں ہے دسترس مجھ دست کو
دست رس پاؤں جو آوے اس کا داماں دست میں

ہو چکا حاتم جو کچھ ہونا تھا اب ہوتا ہے کیا
کیوں دیا تھا دل کو اس ناداں کے ناداں، دست میں

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

دیکھتے سجدے میں آتا ہے جو کرتا ہے نگاہ
تیرے ابرو کی ہے محراب مگر بیت اللہ

یک پلک میں وہ کرے پیس کے فوجیں سرمہ
جس طرف کو پھرے ظالم تری مژگاں کی سپاہ

بیت بحثی نکر اے فاختہ گلشن میں آج
مصرعہ سرو سے موزوں ہے مرا مصرع آہ

کشور عشق کی شاہی ہے مگر مجنوں کو
کہ زمیں تخت ہے سر پر ہے بگولے کی کلاہ

کیونکر ان کالی بلاؤں سے بچے گا عاشق
خط سیہ، خال سیہ، زلف سیہ، چشم سیاہ

چاہتا ہوں شب زلفاں کی تری عمر دراز
کہ مرے عشق کا ہووے نہیں قصہ کوتاہ

کیا کہے، کیونکہ کہے تجھ سے غم دل حاتم
کہ وہ ہے شرم سے محجوب و تو ہے عالیجاہ

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

دل کے لینے مین مرا یار ہنر رکھتا ہے
مل کے ہر ایک کا دل ہاتھ میں کر رکھتا ہے

صبر و آرام، خور و خواب تو سب ہم سے لیا
ایک اب جان ہے تس پر بھی نظر رکھتا ہے
اس ترے پیار کی نظروں سے ہے ظاہر شاید
نالہ زار ہمارا بھی اثر رکھتا ہے
بن ترے رات کو کیا کیا مرے دل پر گذرا
تو تو اس بات کی کاہے کو خبر رکھتا ہے
حق نے بخشا ہے ہر ایک قد کے موافق خلعت
دامن دشت ہے تو کوہ کمر رکھتا ہے
چشم بد دور کہ حاتم بھی تری دولت سے
جگر سوختہ و دیدۂ تر رکھتا ہے

زمین طرحی در ۱۱۵۵ھ

یہہ دل صحرا نشین میرا بجز ویرانہ کیا جانے
سلیقہ خانہ داری کا جو ہو دیوانہ کیا جانے
نہیں ہے اس زمانے میں توقع آشناؤں سے
تو مرے درد دل کا اور کوئی بیگانہ کیا جانے
مزا لے لے کے جلنے کی طرح سے شمع واقف ہے
جلے تو ہے پر اس لذت کے تئیں پروانہ کیا جانے
دل صد چاک میرا زلف کے کوچے کے پیچوں سے
ہے واقف مو بمو اس جستجو کو شانہ کیا جانے
خدا شاہد ہے حاتم دل کا جو اس پر گذرتا ہے
کسو کے گھر کی باتیں غیر صاحب خانہ کیا جانے

حسب فرمائش نورالدولہ بہادر در ۱۱۵۶ھ

دیکھا کسو نے ہم سے زمانے نے کیا کیا
اور کیا کہیں، کہ یار یگانے نے کیا کیا

دل چاهتا هوں اور کو دوں تیرے جور سے
کهیو نه پهر که هم سے فلانے نے کیا کیا

قاتل تو اُس کا هر سر مو بال پن سے تها
آرائش اُس کی زلف کو شانے نے کیا کیا

دینار اور درم کے نه لا دل کو دام میں
قاروں سے هے خبر که خزانے نے کیا کیا

حاتم دیا هے شیخ نے اب دل صنم کے هاتھ
دیوانه میں تو تها یه سیانے نے کیا کیا

زمین طرحی در ۱۱۵۶ھ

نکلا هے مست آج مرا یار هے غضب
عریاں هے اس کے هاتھ میں تروار هے غضب

شرم و حیا اُڑا کے وه آواره هو گیا
پهرنے لگا هے کوچه و بازار هے غضب

کهنے لگا طبیب مری نبض دیکھ کر
کوئی روز کو مرے گا یهه بیمار هے غضب

دل اس کی تار زلف کے بل میں الجھ گیا
سلجھے گا کس طرح سے یهه بستار هے غضب

کیونکر لگے نه خار سا حاتم جگر کے بیچ
اُس نے سجا هے پهینٹه نکدار هے غضب

زمین طرحی در ۱۱۵۶ھ

کام فرما صبر کو اتنا بهی کیا فکر معاش
رزق تجکو ڈهونڈهتا پهرتا هے تو مت کر تلاش

اے ستمگر ہم نے اب جانا بڑا خونی ہے تو
روز دیکھوں ہوں نئی درپر ترے عاشق کی لاش
اس قدر تیری کف پا نرم اور رنگین ہیں
خواب میں مخمل نے بھی دیکھا نہیں ایسا قماش
خوش خطوں میں ہے ترے خط کا میاں اور ہی سواد
حسن کے گلشن کا یہہ سبزا ہے اس کوست تراش
عمر میں باقی نہیں اور ہجر کو پایاں نہیں
حاتم اتنی زیست پر عاشق ہوا ہوتا نہ کاش

زمین طرحی در ۱۱۵۶ھ

داغوں سے ہو رہا ہے مرا سینہ باغ باغ
کس کو رہا ہے سیر چمن کا دل و دماغ
دل اس قدر بغل سے مرے ہو گیا ہے گم
پاتا نہیں ہوں اس کا کہیں اب تلک سراغ
گلدستہ چاہیے ترے ہاتھوں میں پھول کا
عاشق کے ہاتھ بس ہے کہ ہوجائے گل کے داغ
روشن دلوں کو سب نظر آتا ہے نور حق
اندھوں کو سوجھنے کا نہیں سو ہوں گر چراغ
کافر ہوں اپنے تئیں جو مسلماں نہ کر رکھوں
حاتم بتاں کے عشق سے پاؤں اگر فراغ

زمین عبدالحی تاباں ۱۱۵۶ھ

جب سے تری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں
تب سے جہاں میں تو نے دھومیں مچائیاں ہیں

جور و جفا و محنت، مہر و وفا و الفت
تم کیوں بڑھائیاں ہیں اور کیوں گھٹائیاں ہیں

مل مل کے روٹھ جانا اور روٹھ روٹھ ملنا
یہہ کیا خرابیاں ہیں کیا جگ ہنسائیاں ہیں

ٹک ٹک سرک سرک کر آ بیٹھنا بغل میں
کیا اچپلائیاں ہیں اور کیا ڈھٹائیاں ہیں

زلفوں کا بل بناتے آنکھیں چرا کے چلنا
کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں

آئینہ روبرو رکھ اور اپنی سج بنانا
کیا خود پسندیاں ہیں کیا خود نمائیاں ہیں

آنچل اٹھا کے تم نے جو ڈھانک لیں یہہ چھتیاں
کس کو دیکھائیاں ہیں کس سے چھپائیاں ہیں

حاتم کے بن اشارے سچ کہہ یہہ چشم و ابرو
کس سے لڑائیاں ہیں کس پر چڑھائیاں ہیں

زمین طرحی در ۱۱۵۶ھ

سر قدم کر پے میں اس کے سیر کی یک سر زمیں
کوئی نہیں خالی رہی ہے ہم سے اب یکسر زمیں

خوش خراموں میں نرالی ہے مرے سرکش کی چال
ہر قدم نیچے رکھے ہے اس کے اپنا سر زمیں

جس زمیں پر عاشق و معشوق بیٹھیں ایک جا
اس زمیں سے کون سی پھر ہو سکے ہمسر زمیں

خاکساروں کو نہیں ہے مسند شاہی سے کام
ان کے گر رہنے کو جاے فرش ہے بستر زمیں

پاؤں رکھنے کو نہیں روئے زمیں پر ایک جا
ہو گئی ہے اس قدر رونے سے میرے تر زمیں
مُلک عاریت پر اس قدر مت کر غرور
کون لیجاوے گا دھر کر گور میں سر پر زمیں
اشک کے دانو کو بوتا ہوں زمین دل کے بیچ
تخم ریزی کے نہیں ہوتی ہے قابل ہر زمیں
دشت گردی پر تری حاتم وہ کرتی ہے بجا
آہوؤں کے نقش پا کی مہر سے محضر زمیں

زمین طرحی در ۱۱۵۶ھ

صحن چمن میں بیٹھ کے مے نوش مت کرو
گل کو نگہ کے جام سے بے ہوش مت کرو
اس بات کو ہماری رکھو جان کان میں
گر دشمنوں کا ڈر ہو سخن گوش مت کرو
جاے جواب نامہ دکھانے دو داغ عشق
لاشے کو دل جلے کے کفن پوش مت کرو
اس کے قد بلند کا شہرہ بلند ہے
گلشن میں اس سے سرو کو ہمدوش مت کرو
فدوی ہے جانفشاں ہے غلام قدیم ہے
حاتم کی بندگی کو فراموش مت کرو

زمین طرحی در ۱۱۵۶ھ

جان کر بھیجتا ہوں خط کو میں بے سر نامہ
جانتا ہے گا مرے خط کو وہ بے سر نامہ

اس نے دھو دھو کے مٹایا تو اسے خوب کیا
کہ سیہ تھا مرے عملوں سے سراسر نامہ
حالت دیدۂ گریاں میں رقم کرتا ہوں
کیوں نہ ہو جائے مرا بھیگ کے ابتر نامہ
دیکھیے آج بھی دیتا ہے مرے خط کا جواب
لے چلا ہے گا مرا باز کبوتر نامہ
یا جواب ہی نہیں دیتا ہے یا دیتا ہے جواب
بھیج دیکھا ہے اسے ہم نے مکرر نامہ
راہ اس شہر کی جانے تو ابھی قاصد شوق
پر لگا کرکے اڑے باندھ کے سر پر نامہ
دیکھ نامے کی عبارت کو کہا غصے سے
نامہ بھیجا ہے یا بھیجا ہے یہ محضر نامہ
للہ الحمد کہ آیا مجھے اس خوش خط سے
صفحہ کافوری (و) مشکیں رقم (و) عنبر نامہ
شاہ مرداں کی شجاعت میں یقیں سے حاتم
حملۂ حیدری اور دیکھ لے خیبر نامہ

۱۱۵۶ھ

نظر کرتے طرف اس کے دہن کے
گئے غنچوں کے ڈھل گردن کے من کے
تمہاری دیکھ سج اے تنگ پوشو
ہوے ڈھیلے مرے کپڑے بدن کے
جو جل مرتے ہیں پروانے کی مانند
نہیں محتاج وہ گور و کفن کے

کہاں ہیں کون ہیں آ رو برو ہوں
جو ہیں گے نکتہ چیں صاحب سخن کے

ہمارا شانہ جوں ہر مو زباں ہے
کہ ہم ہیں گے سخن گو بال پن کے

ہماری گفت گو سب سے جدا ہے
ہمارے سب سخن ہیں بانکپن کے

اگر کچھ ہوش ہے تو بوجھ جاویں
کہ پھر بخشیں گے ہم دیوانہ بن کے

وہی ہیں ریختے کے فن میں آستاد
جو ہیں گے آشنا حاتم کے فن کے

زمین طرحی ۱۱۵۷ھ

ہمارا جان گیا ہم نے آہ بھی نہ کیا
یہہ کیا غضب ہے کہ تم نے نگاہ بھی نہ کیا

میں کیا کہوں اثر نالہ تجھ کو رحمت ہے
کہ اس کے دل میں کبھو تو نے راہ بھی نہ کیا

گناہ گار رہے یک طرف کہ گوشۂ چشم
کبھو کرم سے سوئے بے گناہ بھی نہ کیا

میں اپنے دل کو بڑا کارداں سمجھا تھا
پر ایک کام مرا سر براہ بھی نہ کیا

ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کہیو تو
کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا

زمین طرحی در ۱۱۵۷ھ

دیکھے اگر تو باغ میں سوے گل گلاب
ہو جاے سرخ پھول کے روے گل گلاب

مت مونہہ لگا چمن میں گلابی کو بادہ نوش
غنچوں نے بھر رکھے ہیں سبوے گل گلاب

کیونکر نہ مست ہوں تری صحبت سے اہل بزم
آتی ہے مونہہ سے اب ترے بوے گل گلاب

مستو خمار توڑیں چلو میکدے کے بیچ
بہتی ہے آج خم سے تو جوئے گل گلاب

کیفیتوں سے دور ہے بازار کی شراب
حاتم چل اب وہاں جہاں چوئے گل گلاب

زمین انعام اللہ خاں یقین در ۱۱۵۷ھ

دیکھ کر بلبل لب و رخسار خوباں کی طرف
مونہہ پھرا کر پیٹھ دے بیٹھے گلستاں کی طرف

یاد کر کر جامہ زیبوں کا چنے دامن کا گھیر
ہاتھ دوڑاتا ہوں وحشت سے گریباں کی طرف

گر تصور زلف کا ہوتا نہ مجھ وحشی کے پاس
کون آتا رات کو مجھ سے پریشاں کی طرف

انتظاری میں تو اے بے مہر سارا دن گیا
شام ہوتے ہی ارے آجا غریباں کی طرف

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

زمین طرحی در ۱۱۵۷ھ

کیا ناحق یہہ نقد عمر ہم صرف
ہوا نہیں یاد حق میں ایک دم صرف
اگر ماہی تو چاہے ہے مراتب
تو دریا دل ہو، کر اپنے درم صرف
یہہ دم مایہ ہے، اے مصرف، سمجھ دیکھ
متاع بیش ہے کر اس کو کم صرف
تری دولت تصرف کر چکی ہیں
کئی گنج گہر یہہ چشم نم صرف
کرے ہے وصف لکھتے اس کا حاتم
جہاں کی روشنائی یک قلم صرف

زمین طرحی در ۱۱۵۷ھ

کام میں حق کے کسو بندے کو مت بتلا شریک
ایک ہی یکتا ہے واحد ہے احد ہے لاشریک
جب عدم میں تھے نہ تھا کوئی کسی کا عیب جو
سب ہوے عیب و ہنر میں آن کر اس جا شریک
اس زمانے کے عجب دیکھا ہے یاروں کا طریق
وقت پر جاتے رہیں کھانے میں ہوں حلوا شریک
آشنائی اور قرابت کا نہیں کچھ اعتماد
ہیں غرض کے آشنا کیا آشنا اور کیا شریک
آج حاتم سے مخالف شرک رکھتا ہے اگر
کل کو مر جاویں گے مرنے میں کہاں ہوگا شریک

زمین طرحی در ۱۱۵۷ھ

میکشو چاہو ہو گر آباد میخانہ کرو
گردش چشم پری رویاں سے پیمانہ کرو

زلف خوباں میں جو چاہو ہو نگہ کی دسترس
پنجۂ مژگاں کے تئیں اپنے بنا شانہ کرو

شمع رویاں کی لگن میں جل کے خاکستر ہوا
عشق کے کشور کا میرے نام پروانہ کرو

سن لو حاتم سے اگر ہے سنگ طفلاں کی ہوس
جان کر اپنے تئیں عالم میں دیوانہ کرو

زمیں طرحی در ۱۱۵۸ھ

وہ مری دیوانگی کا بزم میں مونس ہوا
حلقۂ زنجیر مجھ کو حلقۂ مجلس ہوا

وصف تیرے چشم کا کرتا تھا گلشن میں رقم
ہاتھ میں میرے قلم اس دم گل نرگس ہوا

کیمیا کا تیری نظروں میں اثر جانا تھا میں
کچھ نہ دیکھا اس توقع پر میں ناحق مس ہوا

ضعف سے مرے تئیں جنبش کی اب طاقت نہیں
اس قدر بے قوت و بے طاقت و بے حس ہوا

تنگدستی سے نہو دل تنگ و حاتم تنگ چشم
دل تونگر چاہیے ترا تو گو مفلس ہوا

زمین طرحی در ۱۱۵۸ھ

کیا ستاتے ہو رہو بندہ نواز — کہ نہیں خوب یہ خو بندہ نواز
بے سبب بے وجہ و بے تقصیر — اس قدر غصہ نہو بندہ نواز

ظلم ناحق نہ کرو، کوئی دن
جیو اور جیونے دو بندہ نواز
سے کشوں بیچ نہ بیٹھو ہرگز
خون میرا نہ پیو بندہ نواز
عطر کو مل کے نہ آؤ ہم پاس
ذبح کرتی ہے یہ بو بندہ نواز
کب تلک اپنی کہے جاؤ گے
بات میری بھی سنو بندہ نواز
واجب القتل تمہارا میں ہوں
اور کا تاؤ نہ لو بندہ نواز
گو کہ سب مجھ کو برا کہتے ہیں
تم زباں سے نہ کہو بندہ نواز
کسکا مونہہ ہے جو ترے سنمکھ ہو
ہو نہو آئینہ ہو بندہ نواز
دل سے حاتم بخدا بندہ ہے
دور خدمت سے ہے گو بندہ نواز

زمین طرحی در ۱۱۵۸ھ

اے سنگدل تونے آہن سے دل کیے ہیں انیس
بجا ہے کھینچے ہے لوہے کو سنگ مقناطیس
متاع حسن کا تیرے اے ماہ زہرہ جبیں
ہے آفتاب سا دلال و مشتری برجیس
ہے اس پری سے مرے دل کو جی سے یوں الفت
کہ جوں رکھے تھا سلیماں محبت بلقیس
یہ ملک وہ ہے خرابی ہے جس کی آبادی
کہ ہے ازل سے اس اقلیم دل کا عشق رئیس
سو احتیاج ہوں تو بھی طمع نہ رکھ حاتم
تو اس سے جا کے جو ہو تنگ چشم و دل کا خسیس

زمین طرحی در ۱۱۵۸ھ

ہو رہا ہے ابر اور کرتا ہے وہ جانانہ رقص
برق گرد اس کے کرے ہے آ کے بیتابانہ رقص

دور میں چشم گلابی کے ترے اے بادہ نوش
بزم میں کرتا ہے مستوں کی طرح پیمانہ رقص

اس قد و رخسار پر اے شمع رو، اس حسن پر
قمری و بلبل کرے ہے وجد اور پروانہ رقص

گھونگھرو جانے ہے پاؤں میں وہ زنجیروں کے تئیں
کیوں نہ اس آواز پر بن بن کرے دیوانہ رقص

جس کے گھر آوے وہ حاتم ناز سے رکھتا قدم
سرو قد ہو کر کرے اس آن صاحب خانہ رقص

زمین طرحی در ۱۱۵۸ھ

الٰہی بامراد ایسی چلے باؤ — کہ پار اترے مرے مقصود کی ناؤ
تری قلموں کی میں لکھتا تھا تعریف — قلم دل چاک ہو کھانے لگے تاؤ
کنول سے دیکھ کر چشموں کو تیرے — ہوئی ہے آج نرگس کو کنول تاؤ
تری تیغ زباں کا دل پہ ہے زخم — کبھو چنگا نہیں ہونے کا یہہ گھاؤ
عجب گوسالہ ہے مجلس میں توشیخ — کہ مطرب کو کہے ہے ہر گھڑی گاؤ
وہ آہو چشم سوتا ہے اکیلا — بہت مدت میں ہم پایا ہے یہہ داؤ
تری خدمت میں اب حاضر ہے حاتم — اسے جو کچھ کہ فرمانا ہے فرماؤ

زمین طرحی در ۱۱۵۸ھ

سفر سے آج مرا مہربان آیا ہے
گویا بدن میں مرے پھر کے جان آیا ہے

خدا جہاں میں سلامت رکھے ہمیشہ اسے
شکست غم کو ظفر کا نشان آیا ہے

بجا کے ساز طرب سب کہو مبارکباد
کہ آج گھر میں مرا قدر دان آیا

اگر ہے چاہ تو چل دیکھ اپنے یوسف کو
کہ مصر عیش سے یہہ کاروان آیا ہے

نہیں ہے دل مرا یارو علاج کا محتاج
مرے مرض کو مسیح الزمان آیا ہے

زباں سے نام نہ لے مفلسی کا اے حاتم
ترے نصیب سے ہمت کی کان آیا ہے

۱۱۵۸ھ

وہ شوخ دل پسند بڑا خود پسند ہے
جس کو اثر کسو کی نصیحت نہ پند ہے

آئینہ دیکھتا ہے مبارک ہو ماہ من
اس وقت تیرے حسن کا عالم دو چند ہے

رخسار آتشیں کی تیرے کیا صفت کروں
مدت ہوئی کہ اس کا مرا دل پسند ہے

دل بند ہو رہا ہے محبت کے تار میں
زنجیر کی ہوس نہ ہوائے کمند ہے

کبھیو مری طرف سے تغافل شعار کو
کس عمر سے قفس میں تیرا صید بند ہے

کس سے کہوں میں حال دل اپنا کہ تا سنے
اس شہر میں رہا بھی کوئی درد مند ہے

حاتم کو ایک بوسہ عطا کر کہ جان من
دونو جہاں کے بیچ سخی سر بلند ہے

زمین عبدالحی تاباں ۱۱۵۸ھ

کیا مدرسے میں دھر کے الٹی ہوا بہی
واعظ نہی کو امر کہے امر کو نہی

راضی ہو گر ہماری جفا پر تو یوں سہی[1]
پر ہم نے جان اتنی کسو کی نہیں سہی

آیا تھا رات بن کے وہ فانوس کی سی شمع
طرّہ طلا کا سر پر و تھی بر میں یک تہی

جانا ترا ہے مرگ مجھے پر میں کیا کروں
اپنے دکھے سے جان کسو کی نہیں رہی

یہ چشم بے نصیب ترے انتظار میں
رو رو تو بہہ چلی تھی پر اب پھوٹ کر بہی

کس کی زیادتی تھی ٹک انصاف تو کرو
ہم نے کہی تھی ایک تمہیں تم نے سو کہی

روزے سے ہیں گے بستہ دھن غنچۂ چمن
آ پہنچ اس گھڑی اے نسیم سحر گہی

حاتم کو لے چلو کہ تیرے عاشقوں کے بیچ
ڈھونڈھے تھا جس کے تئیں سو گنہگار ہے بہی

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

نہ بلبل میں نہ پروانے میں دیکھا
جو جذبہ اپنے دیوانے میں دیکھا

برابر اس کی زلفوں کے سیہ بخت
میں اپنے بخت کو شانے میں دیکھا

کسو ہندو مسلماں نے خدا کو
نہ کعبے میں نہ بت خانے میں دیکھا

نہ کوہستاں میں دیکھا کوہکن نے
نہ کچھ مجنوں نے ویرانے میں دیکھا

نہ اسکندر نے دیکھا آئینہ میں
نہ جم نے اپنے پیمانے میں دیکھا

نہ پہنچا کنہ ذات اس کی کو کوئی
جنے[2] دیکھا سو افسانے میں دیکھا

فقیروں سے سنا ہے ہم نے حاتم
مزا جینے کا مر جانے میں دیکھا

---

(۱) مخطوطے میں "صحیح"۔ (۲) جن نے۔

زمین کوکہ خان فغاں در ۱۱۵۹ھ

وہ چشم سیہ راہ میں جاتے نظر آیا
آنکھوں میں نگہ اُس کی سے نور بصر آیا

پھرتا ہے گویا چشمۂ حیواں کے اُپر خضر
یوں گرد لبوں کے ترے سبزا اُتر آیا

شمشیر ترے ہاتھ میں اب دیکھ کے عریاں
دل لے کے مقابل ترے سینہ سپر آیا

پوچھا بھی نہ حاتم کو کبھو دیکھ کے اُس نے
ہے کون، کہاں کا ہے، کہاں تھا، کدھر آیا

زمین طرحی در ۱۱۵۹

آئی ہے عید و دل میں نہیں کچھ ہوائے عید
اے کاش میرے پاس تو آتا بجائے عید

قربان سو طرح (سے) کیا تجھ پر آپ کو
تو بھی کبھو تو جان نہ آیا سوائے عید

جتنے ہیں جامہ زیب جہاں میں سبھوں کے بیچ
سجتی ہے تیرے بر میں سراپا قبائے عید

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

بلبل کو میرے دل کی نہیں حاجت سبق
سیپارہ گل کا اُس نے پڑھا ہے ورق ورق

مجلس میں ترے وہم سے کیا گل رخاں کا آج
رنگ اڑ گیا ہے چہرہ سے مونہہ ہو گیا ہے فق

آنسو نہیں ہے چشم سے میری نظر کرو
کھینچا ہے میں نے اب گل نرگس سے یہہ عرق

مہماں ہوں میں دو دم کا میاں ایک دم تو آ
امید زندگی نہیں باقی ہے یک رمق

تیری گلی کے خون شہیداں کا عکس ہے
ہر شام آسماں کے اوپر سرخئی شفق

اے زینت چمن ترے رخسار و لب کو دیکھ
غنچوں کا دل ہے تنگ گلوں کا جگر ہے شق

حاتم خدا کے کام کو باطل نہ بوجھ تو
ناحق نہیں، کرے ہے جو کچھ حق، وہی ہے حق

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

جب شرح سوز عشق کا لکھنے چلی قلم
پہلے ہی حرف شمع صفت ہو جلی قلم

قاصد جواب نامہ ہمارے کو کہہ رہا
پر ضد سے اُس نے ہاتھ میں اپنے نہ لی قلم

لکھنے کو تیری چشم کی تعریف باغ میں
نرگس کی ہم نے دور سے اب اٹکلی قلم

حاتم تری جناب میں لایا ہے التجا
نامے پر اس کے عفو کی ہو یا علی قلم

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

مے پرستوں پر قیامت آن ہے ساقی نہیں
بزم بے اُس کے نپٹ ویران ہے ساقی نہیں

لعل اور موتی جھڑیں ہیں جس کے مونہہ سے بات میں
یہہ جواہر کی سراپا کان ہے ساقی نہیں

جس کے اٹھ جانے سے مر جاتے ہیں سارے اہل بزم
اہل مجلس کی مگر وہ جان ہے ساقی نہیں
بزم میں بہکے ہیں کم ظرفی سے اس دم پوچ گو
اس گھڑی ہم پر بڑا احسان ہے ساقی نہیں
بزم میں حاتم کبھو لے شیشہ وہ آتا کہیں
مے کشوں کے درد کا درمان ہے ساقی نہیں

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

ترے لبوں کو میں تُنگ نبات کہہ تو کہوں
دھن کا وصف ترے مونھہ سے بات کہہ تو کہوں
مجھے امید نہ تھی تس پر آیا وہ مہ رو
میں ایسی رات کے تئیں چاند رات کہہ تو کہوں
خط سیاہ کی ظلمات میں یہہ چاہ ذقن
بجاے چشمۂ آب حیات کہہ تو کہوں
جفا و ظلم و ستم، جور آج حاتم پر
جو کچھ ہوا سو میاں تیرے ہات کہہ تو کہوں

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

یوں ہے صنم کی زلف سیہ فام پر نگاہ
رہتی ہے روزہ دار کو جوں شام پر نگاہ
آنکھوں کو چھوڑ تیری نظر کس طرف کروں
ہوتی ہے مے کشوں کی سدا جام پر نگاہ
پرزے کرے چمن میں گریباں کو پھاڑ پھاڑ
گل کی پڑے جو تجھ سے گل اندام پر نگاہ

ننگوں سے تم کو ملنے کا آتا نہیں ہے ننگ
کچھ بھی تمہیں ہے اپنے میاں نام پر نگاہ
لازم ہر ایک کو ہے ہر ایک کام بیچ یوں
آغاز تب کرے کہ ہو انجام پر نگاہ
بلبل کو سب گلوں سے ہوا ہے عزیز چشم
اس کی ہوئی تھی کیا گل بادام پر نگاہ
کہتا ہے صاف و شستہ سخن بسکہ بے تلاش
حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

زمین طرحی در ۱۱۵۹ھ

ہوا ہے گا کہاں جا کر یہہ دل بسمل خدا جانے
نہ پایا کھوج اس کا کون تھا قاتل خدا جانے
میں جتنا ڈھونڈھتا ہوں اس کو اتنا ہی نہیں پاتا
کدھر ہے کس طرف ہے اور کہاں ہے دل خدا جانے
مسلمانو مجھے کافر کیا تس پر بھی درپے ہیں
اب ہم سے چاہتے ہیں کیا بتاں مل مل خدا جانے
تو زاہد کعبہ (ڈھونڈے) ہے میں صاحب کعبہ چاہوں ہوں
یہاں اب کون ہے دیوانہ و عاقل خدا جانے
جگر تو بھون ڈالا جوں کباب آتش سے عارض کے
کرے گا کس کا دل تلمیں یہہ تیرا تل خدا جانے
نہ مل خوباں سے اس دل کو بہت کہتا ہوں اے حاتم
ہماری بات کب مانے گا یہہ جاہل خدا جانے

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۵۹ھ

تو دیکھ آسے سب جا آنکھوں کے اٹھا پردے
مانند سویدا کے دل بیچ آسے گھر دے

عالم کے مرقع میں تصویر اُسی کی ہے
سب حسن یہاں یارو اُس حسن کے ہیں گرد ے

صیاد کا شرمندہ ہوں بے پر و بالی سے
اُڑ کر ابھی جا پہنچوں جو مجکو خدا پر دے

ساقی تجھے کم ظرفی مستوں سے نہیں لازم
ترسا نہ مجھے کافر ساغر کے تئیں بھردے

ق : ہم عرض کیا اُس کی خدمت میں کہ اے صاحب
اتنے ترے بندوں میں ایک ہم بھی ہیں نو بردے

دولت سے تری سب کچھ ہم پاس مہیا ہے
لب خشک و جگر بریاں، چشم تر و دل سردے

حاتم وہ لگا کہنے غصے سے کہ چل جھوٹے
بندہ میں اُسے جانوں جو پہلے قدم سر دے

زمین انعام اللہ خان یقین در ۱۱۶۰ ھ

ہماری سیر کو گلشن سے کوے یار بہتر تھا
نفیر بلبلاں سے نالہ ہاے زار بہتر تھا

اناالحق کی حقیقت کو جو ہو منصور سو جانے
کہ اس کو آسمان چڑھنے سے چڑھنا دار بہتر تھا

کبھو بیمار سن کر وہ عیادت کو تو آتا تھا
ہمیں اپنے بھلے ہونے سے وہ آزار بہتر تھا

تو اپنے من کا منکا پھیر زاہد، ورنہ کیا حاصل
تجھے اس مکر کی تسبیح سے زنار بہتر تھا

نہ کہتا میں کہ عاشق ہوں ترا تو کیوں وہ رم کرتا
مجھے اقرار اس کرنے سے اب انکار بہتر تھا

ہماری عقل میں گھر کی گرفتاری سے حاتم کو
کبھو دیوانہ پھرنا کوچہ و بازار بہتر تھا

زمین طرحی در ۱۱۶۰ھ

خیال چشم ترا آبسا ہے آنکھوں میں
شراب کا سا ہمارے نشا ہے آنکھوں میں
نگہ میں تو نے کیا مردماں کا خانہ خراب
سیاہ چشم تری کیا بلا ہے آنکھوں میں
کوئی مرے کوئی جیوے تو آنکھ اٹھا کے نہ دیکھ
میاں جو شرم سے تیری حیا ہے آنکھوں میں
نظر میں بند کرے ہے تو ایک عالم کو
فسوں ہے، سحر ہے، جادو ہے کیا ہے آنکھوں میں
کہیں نہ بیٹھ اگر چاہتا ہے حاتم کو
کہ نور چشم ہے تو تیری جا ہے آنکھوں میں

زمین طرحی در ۱۱۶۰ھ

تری جو زلف کا آیا خیال آنکھوں میں
وہیں کھٹکنے لگا بال بال آنکھوں میں
تری جو چشم کے گوشے میں تل ہے، ایسا تل
نظر پڑا ہے کہیں خال خال آنکھوں میں
نشے میں سرخ ہیں ایسی طرح سے تیرے چشم
گویا کھلا ہے کنول لال لال آنکھوں میں
وہ خوش نگہ تری حاتم نظر پڑا ہے آج
چھپا لے اس کے تئیں حال حال آنکھوں میں

شرح ایضاً در ۱۱٦۰ھ

نہ دل میں چین ہے میرے نہ خواب آنکھوں میں
پھرے ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

کسو کے ساتھ تو تھا ہم پیالہ رات کو تو
کہ اب تلک ہے خمار شراب آنکھوں میں

دماغ سے کبھو کہتا نہیں وہ ہم سے بات
ہے اس کا سب سے سوال و جواب آنکھوں میں

وہ چار چشم نہ ہوگا کسی سے اے حاتم
ہے بس کہ اس کو حیا سے حجاب آنکھوں میں

زمین طرحی در ۱۱٦۱ھ

جن نے آدم کے تئیں جاں بخشا خضر کو چشمۂ حیواں بخشا
پیر کنعاں کو دیا درد فراق یوسف مصر کو زنداں بخشا
تخت برباد سلیماں کا کیا دیو کو ملک سلیماں بخشا
زینت افلاک کو دی انجم سے مہر کو نور درخشاں بخشا
زیور حسن کیا چشم حیا عشق کو دیدۂ حیراں بخشا
کوھکن کو کمر کوہ دیا قیس کو دشت کا داماں بخشا
رنگ و بو گل کو دیا گلشن میں سیر بلبل کو گلستاں بخشا
کفر کافر کے نصیبوں میں لکھا اھل اسلام کو ایماں بخشا
روز میثاق میں حاتم کے تئیں چشم گریاں دل بریاں بخشا

زمین طرحی در ۱۱٦۱ھ

نہیں معلوم مرے کام کا انجام کیا ہوگا
یہی ہے فکر ہر دن صبح کیا اور شام کیا ہوگا

خبر آنے کی قاصد کے سننے سے جی دھڑکتا ہے
خدا جانے کہ اس ظالم کا اب پیغام کیا ہوگا

مرا دل زلف میں اس کی بہت مدت سے بیکل ہے
جو وحشی دام میں ہوگا اُسے آرام کیا ہوگا

بہانہ کیوں کرے ہے حیلہ جو عاشق کے ملنے سے
بجز جور و جفا و ظلم تجھ کو کام کیا ہوگا

جو کچھ مقدور تھا سو فدویت اور جانفشانی کی
اب اس خدمت کا حاتم دیکھئیے انعام کیا ہوگا

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

کس طرف کو یوں کھلے بندوں چلے جاتے ہیں آپ
کس کے گھر اس آن سے تشریف فرماتے ہیں آپ

ہم سیہ بختوں سے ناحق کیا ہے اتنا پیچ و تاب
نام لیں ہم زلف کا سن سن کے بل کھاتے ہیں آپ

شمع کوڑھن کو نکالو بزم سے جاوے کلنک
چاند سا مکھڑا لیے مجلس میں اب آتے ہیں آپ

بے تکلف دل میں تم آ کر بسو دل کھول کر
آپ کا گھر ہے یہاں اب کس سے شرماتے ہیں آپ

طالب باراں نہیں حاتم ہمارا کھیت عشق
اپنے چشموں سے وہاں ہم مینہ برساتے ہیں آپ

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

مست پھرتا ہوں سدا کوے خرابات کے بیچ
شیشۂ دل کے تئیں اپنے لیے ہات کے بیچ

توڑ کر کعبۂ دل تو نے بنائی مسجد
کیا کہوں شیخ تری خاک اس اوقات کے بیچ

دل تو کوچے کی ہوا سے ترے ایسا پھولا
کہ سماتا ھی نہیں ارض و سماوات کے بیچ

مہر رخسار ترا یوں ھے چھپا زلفوں میں
جس طرح شام کو چھپ جائے ھے دن رات کے بیچ

دام سے منصب و جاگیر کے باز آ حاتم
یہہ دم نقد نہ کھو فکر محالات کے بیچ

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

غنچے کہیں ھیں سر کو نوا کر چمن کے بیچ
یعنی نہیں ھے جائے سخن اس دھن کے بیچ

مانند دیدہ خانہ نشینی میں رات دن
کرتا ھوں دید سارے جہاں کا وطن کے بیچ

اس دھن پر ھم کیا ھے گریباں کو تار تار
شاید لگے کوئی بھی تیرے پیرھن کے بیچ

جس وقت ھم مریں تو یہی دوستاں لکھو
جائے جواب نامہ ھمارے کفن کے بیچ

یعنی کہ یہہ غریب زمانے کے ھاتھ سے
جا کر رھا تھا، چھوڑ کے شہروں کو، بن کے بیچ

اس جا بھی آسماں نے نہ دی فرصت ایک آن
جوں شمع دے کے آگ جلایا لگن کے بیچ

چاھے تھا کچھ کہے کہ اسی دم میں ناگہاں
یوں آ گئی اجل کہ رھی من کی من کے بیچ

کہتا ہوں سب سے ہے کوئی منصف سو دیکھ لے
سب طرح کا مذاق ہے میرے سخن کے بیچ
حاتم کا شور تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

حسب الفرمائش
نواب مجاہد جنگ تضمین مصرع استاد ۱۱۶۱ھ

کس صید پر چلا ہے کداتا ہوا سمند
اس سر کے ساتھ ہے تیرا ظالم شکار بند
مونہہ سرو کی طرف نہ کرے زندگی تلک
قمری اگر نگاہ کرے وہ قد بلند
رخسار پر میں خال کو حیراں ہوں دیکھ کر
کس طرح رہ گیا ہے یہ آتش اُپر سپند
پوچھا کبھو نہ اُس نے کہ دیوار کے تلے
مدت ہوئی یہ کون کرا ہے درد مند
حاتم وہ قول بوسے کا دے کر مکر گیا
' آرے وفاے وعدہ کریماں چنیں کنند '

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

خال زیبندہ ہے اُس عارض گلگوں اوپر
جوں سویدا کا نقط اس دل پر خوں اوپر
پھر کے آباد کیا فیض جنوں سے صحرا
میرے دیوانے کا احسان ہے مجنوں اوپر
جامہ زیبوں میں ترا شور ہے اے رشک بہار
سرو قرباں ہے ترے اس قد سوزوں اوپر

اپنے طالع کی ہے گردش سے پریشاں حاتم
طعن کرتا ہے عبث گردش گردوں اوپر

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

ساقی شراب ناب ہے اور سب ہیں یار جمع
تشریف لا کہ ہیں گے ترے انتظار جمع
کوئی ہے سرخ پوش کوئی زرد پوش ہے
آ دیکھ بزم میں کہ ہوئی ہے بہار جمع
جو بال زلف کا ترے شانے کے ہاتھ سے
ٹوٹا سو ہم کیا ہے اسے تار تار جمع
چن چن نکالے، ہے کوئی ایسا بھی درد مند
مدت سے ہو رہے ہیں پھپھولے میں خار جمع
آ جا کہے ہے تجھ سے اب حاتم یہ وقت ہے
ہوتے ہیں پھر یہ یار کہاں بار بار جمع

زمین انعام اللہ خاں یقین در ۱۱۶۱ھ

ان بتوں میں کوئی نہ دیکھا جو نہ ہو جاں کا حریف
کوئی ہے جاں کا، کوئی ہے دل کا، کوئی ہے ایماں کا حریف
دشت وحشت میں مرا دست جنوں اور خار عشق
وہ گریباں کا حریف اور وہ ہے داماں کا حریف
دیکھتے ہی رنگ تیرا اڑ گیا ہے گل کا رنگ
کیوں ہوا تو اس قدر ظالم گلستاں کا حریف
کب ہے اس کے روبرو صبر و شکیبائی کو تاب
عشق معشوقاں ہوا عاشق کے ساماں کا حریف

رعد و ابر اس دم ہوا ہے دو بدو حاتم مرے
سینہ نالاں کا حریف اور چشم گریاں کا حریف

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

پھڑکنے کو مرے ہے گا جہاں تنگ
مری پرواز کو ہے آسماں تنگ

میں وہ ہوں شہسوار ملک لاہوت
کہ گھوڑے کا ہے میرے کہکشاں تنگ

نکلنے کو سخن پاتا نہیں راہ
ہے ایسا غنچہ لب تیرا دہاں تنگ

خفا ہو ہو کے کہتا ہے مرا دل
میاں مت کھینچ کر باندھو میاں تنگ

ابھی حاتم نکل جاتا ہے گھر سے
ہوا ہے تم سے اتنا گل رخاں تنگ

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

فارغ ہوئے جہان کے شادی و غم سے ہم
ہر دم رکھیں ہیں کام یہاں اپنے دم سے ہم

کس جا تھے، کیا تھے، کون تھے، کوئی جانتا نہ تھا
کیا آن کر خراب ہوئے ہیں عدم سے ہم

لکھنے پر آس کے کس کی زباں پر ہے جائے حرف
شکوہ کریں عبث ہے جو لوح و قلم سے ہم

دونو جہاں کو چھوڑ کے طالب ہیں دید کے
دوزخ کا ہم کو غم نہ خوشی ہیں ارم سے ہم

حاتم کیا ہے حق نے دو عالم میں سربلند
بادل علی کے جب سے لگے ہیں قدم سے ہم

زمین کوکہ خاں فغاں در ۱۱۶۱ھ

جو ذائقے سے درد کے دل آشنا نہیں
دنیا میں زندگی کا اسے کچھ مزا نہیں
دن رات منہ لگاتا ہے کیوں آرسی کے تئیں
وہ شوخ خود پسند اگر خود نما نہیں
کیفیتوں سے شیشۂ دل ہے ترا تہی
زاہد ادھر نہ آ تجھے مستوں میں جا نہیں
اپنا میں درد لے کے گیا تھا طبیب پاس
بولا کہ اس مرض کی جہاں میں دوا نہیں
حاتم وہ کھینچتا نہیں عاشق کے دل کے تئیں
جس حسن میں کہ عشوہ (و) ناز و ادا نہیں

زمین میر حسین کلیم در ۱۱۶۱ھ

کوئی ایسا بھی طبیبوں میں یہاں ہے کہ نہیں
جو کہے عاشق بیمار میں جاں ہے کہ نہیں
عمر گذری ہے اسی وہم میں مجھ کو اب تک
نہیں معلوم میاں تیری میاں ہے کہ نہیں
بندۂ دل ہوں نہ ہو مجھ سے برہمن بے دل
دیکھ تو دل میں مرے مہر بتاں ہے کہ نہیں
ق رات کس پاس تھا مونہہ دیکھ تو آئینے میں
ترے لب پر اثر مسّی و پاں ہے کہ نہیں

اس نے مونہہ پھیر کہا تو بڑا سودائی ہے
سوچ تو دل میں ترے مجھ سے گماں ہے کہ نہیں
کیوں کرے ہے یہ تو بہتان، ہر اک جا، جا دیکھ
یہ تو زیب لب خوباں ہے کہاں ہے کہ نہیں
چپ ہوا سن کے میں، تب اس نے کہا اے حاتم!
بول کچھ اب بھی، ترے منہ میں زباں ہے کہ نہیں

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

تم نہ جانو کہ یہ دارو ہے بھری شیشے میں
بند سیانے نے یہ کی ہےگی پری شیشے میں
نشہ ہوتا نہیں ساقی چلی جاتی ہے بہار
کب تلک مے کو رکھے گا تو دھری شیشے میں
دل میں یوں ہے، لب میگوں ترے ایسے چوسوں
کہ رہے نام کو باقی نہ تری شیشے میں
جرم مت بوجھ یہ مینا میں تو اے سنگیں دل
تیرے ہاتھوں سے ہے داغ جگری شیشے میں
آب آتش میں کیا سنگ کو یکدم میں پھر اور
کیا کرے شیشہ گر اب شیشہ گری شیشے میں
حاتم اس یار کے دیوانہ ہوں افسوں اوپر
یہ پری مدھ کی بھری جن نے کری شیشے میں

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

دنیا خیال خواب ہے میری نگاہ میں
آباد سب خراب ہے میری نگاہ میں

بہتی پھرے ہے عمر طلاطم میں دھر کے
انسان جوں حباب ہے میری نگاہ میں
میں بحر غم کو دیکھ لیا ناخدا بہ رو
کشتی نہو(ئے؟)[1] آب ہے میری نگاہ میں
چھوٹا ہوں جب سے شیخ تعین کی قید سے
ہر ذرہ آفتاب (ہے) میری نگاہ میں
تم کیف میں شراب کے کہتے ہو جس کو دل
بھونا ہوا کباب ہے میری نگاہ میں
کیوں کھینچتے ہو تیغ کمر سے چہ فائدہ
مدت سے اس کی آب ہے میری نگاہ میں
حاتم تو اس جہان کی لذات پر نہ بھول
یہ پاے در رکاب ہے میری نگاہ میں

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

بود کو اپنی نپٹ نابود کر بوجھوں ہوں میں
عبد ہو ہر ایک کو معبود کر بوجھوں ہوں میں
گو نہ ہو اقمہ میری قسمت میں اس مطبخ سے آج
آسماں کو خانۂ پر دود کر بوجھوں ہوں میں
فقر کے کشور کی حق نے دی ہے مجھ کو سلطنت
صاحب دولت کو کب موجود کر بوجھوں ہوں میں

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

دیکھنے سے ترے جی پاتا ہوں آنکھ کے پھیرتے مر جاتا ہوں
تیرے ہونٹوں کے تئیں پان سے لال دیکھ کر خون جگر کھاتا ہوں

۱- کرم خوردہ -

آرزو میں تری یک مدت سے اپنے دل کے تئیں ترساتا ہوں
چاہ جو دل میں بھرے ہیں پیارے تجھ سے کہتا ہوا سکچاتا ہوں
بھولے بسرے جو کبھو وحشی سا تیرے کوچے کی طرف آتا ہوں
دیکھ دروازے کی صورت تیرے نقش دیوار سا بن جاتا ہوں
تو جو نکلے ہے بدلتا آنکھیں اس گھڑی اپنا کیا پاتا ہوں
دل غمگیں کے تئیں مردہ سا گود میں اپنے اٹھا لاتا ہوں
آنسو پونچھوں ہوں دلاسا دے دے منتیں کرکے میں سمجھاتا ہوں
وہ نہیں مانتا جوں جوں حاتم توں توں جینے سے میں گبھراتا ہوں

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

پلک میں چھین لیں دل عشوہ سازی اس کو کہتے ہیں
نظر میں باندھ لیں جادوطرازی اس کو کہتے ہیں
بجز صبح قیامت رات تجھ زلفوں کے عاشق پر
نہیں کوتاہ ہونے کی، درازی اس کو کہتے ہیں
ازل سے دل ہے سجدے میں ترے ابرو کی مسجد میں
اٹھاتا سر نہیں اب تک، نمازی اس کو کہتے ہیں
یہاں تک شوق نے میرے اثر پایا کہ آخر کو
ہوا معشوق عاشق، عشق بازی اس کو کہتے ہیں
اٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسمان اوپر
میرے اللہ نے، بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں

۱۱۶۱ھ

گیا ہے جب سے تو مجلس سے سارے یار روتے ہیں
تیری صحبت کی الفت سے در و دیوار روتے ہیں

خماری انکھڑیاں کو یاد کر مستی کے عالم میں
گلابی توڑ ساغر پھوڑ کر میخوار روتے ہیں
نہیں دل دیکھنے سے سیر ، آنکھ اوجھل نہ ہو پیارے
کہ بن دیکھے ترے یہ دیدۂ خونبار روتے ہیں
مسیحا گر تجھے عالم کہے تو کیا تعجب ہے
چلا تو اور شہر ، اور شہر کے بیمار روتے ہیں
وہ کیا کچھ ہوگا حاتم جس کے عالم انتظاری میں
گھر اپنے چھوڑ ، بیٹھے کوچہ و بازار روتے ہیں

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

روبرو تیرے یار آئینہ کر رہا ہے بہار آئینہ
تیرے سنگ جفا سے سنگیں دل ہوگیا دل ہزار آئینہ
خط کے آنے سے اب ترے رو پر لایا دل میں غبار آئینہ
شیشہ خانے میں آ پڑے دل کی دیکھ ہے انتظار آئینہ
گر پڑا دیکھتے تری صورت ہم سے بے اختیار آئینہ
عکس ہے اسکے دل میں کیا جانے دل روشن کی سار آئینہ
حاتم اس شوخ چار ابرو سے ہو سکے کب دوچار آئینہ

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

دل سے بوئے کباب آوے ہے کون مست شباب آوے ہے
کس زباں سے کروں تیرا شکوہ جی میں کہتے حجاب آوے ہے
کف پا دیکھ تیرے مخمل سے خواب مخمل کوخواب آوے ہے
خود بخود دل خوشی ہے شائد آج میرے خط کا جواب آوے ہے
خواب مستی سے اب اٹھو مستو صبح ہوئی آفتاب آوے ہے
جس نے ویراں کیا ہے کعبۂ دل پھر وہ خانہ خراب آوے ہے
نوجوانوں کو دیکھ کر حاتم یاد عہد شباب آوے ہے

۱۱۶۱ھ

ابر میں یاد یار آوے ہے گریہ بے اختیار آوے ہے
باغ سے گلعذار آوے ہے بوئے گل ہر سوار آوے ہے
اے خزاں بھاگ جا چمن سے شتاب ورنہ فوج بہار آوے ہے
اے صبا! کس طرف کو گذری تھی تجھ سے بوئے نگار آوے ہے
ٹک ادھر بھی گذر کہ اس بُو سے میرے دل کو قرار آوے ہے
مجھ ہوا خواہ سے گریز سو کیوں تجھ کو کیا مجھ سے عار آوے ہے
سن کے کہنے لگے، کسی کے کوئی کاہے کو بار بار آوے ہے
اس قدر بس کہ روز ملنے سے خاطروں میں غبار آوے ہے
میں تو کیا حاتم ایسے بد خو سے
کس کو صحبت برار آوے ہے

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

سر کو پٹکا ہے کبھو، سینہ کبھو کوٹا ہے
رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
جی دھڑکتا ہے کہ اس فصل خدا خیر کرے
عقل کی قید سے دیوانہ میرا چھوٹا ہے
در و دیوار چمن آج ہے خوں سے لبریز
دست گل چیں سے مبادا کوئی دل ٹوٹا ہے
آج ہر خار بیابان ہے صد رشک چمن
آبلہ پاؤں سے شاید مرے کوئی پھوٹا ہے
گلشن دھر میں سو رنگ ہیں حاتم اس کے
وہ کہیں گل ہے کہیں بُو ہے کہیں بوٹا ہے

طرحی در ۱۱۶۱ھ

ابھی مسند نشین طارم افلاک ہو جاوے
جو سب کچھ چھوڑ دل تیرے قدم کی خاک ہو جاوے
اگر مستی میں ٹک گلشن طرف تو آنکھ اٹھا دیکھے
صراحی غنچہ و گل، جام ٹہنی تاک ہو جاوے
پھبن دامن درازی کی اگر تیرے بیاں کیجے
تو سنتے بزم میں سب کا گریباں چاک ہو جاوے
چمن میں خون سے بلبل کے گل آلودہ داماں ہے
اگر شبنم اسے دھو دے تو شاید پاک ہو جاوے
اسے دونو جہاں کی سلطنت ہووے جو کوئی حاتم
غلام بندگان خواجۂ لولاک ہو جاوے

زمین ولی در ۱۱۶۱ھ

کھول ٹک دیدۂ انصاف مگر کبر و منی
اصل کو دیکھ کہ تھا قطرۂ ناپاک منی
جاں کنی دیکھ تو میری بھی بت سنگیں دل
گو کہ فرہاد کا تھا کام سدا کوہ کنی
شمع خاموش نہ کر حسن سے اس کے دعوا
تو اسی چرب زبانی سے (ہے) گردن زدنی
نیزہ بازوں میں ہے مشہور تری نوک نگہ
پہلوے دل میں چھپی ہے جیسے (برچھی[1]) کی انی
غنچۂ گل کو چمن بیچ کرے شرمندہ
تیری نازک بدنی، بے دھنی، کم سخنی

۱- کرم خوردہ

ایک دن سیر گلستاں کو گیا تھا حاتم
دیکھتا کیا ہوں کہ یک دشت ہے کانٹوں کی بنی
رعد نالاں ہے ادھر ابر آدھر گریہ کناں
سانس ٹھنڈی سی ادھر لے ہے نسیم چمنی

زمین طرحی در ۱۱۶۱ھ

ایک تو تیری دولت تھا ہی دل یہہ سودائی
تس اوپر قیامت ہے بیکسی و تنہائی
تیرے تئیں تو لازم تھا توبہ کا سبب پوچھے
مے کشی کی اے ساقی گو کہ ہم قسم کھائی[1]
دل تو اینچ پینچوں سے دام خط کے چھوٹا تھا
زلف پھر نئے سر سے سر اوپر بلا لائی
جی تو بے قراری سے جاں بلب ہے اے ناصح!
کُو تحمل و طاقت، صبر اور شکیبائی
عمر عاشق و معشوق صرف ناز و حیرت ہے
حسن ہے ادا پرداز عشق ہے تماشائی
رات اس کی محفل میں سر سے چل کے پاؤں تک
شمع کی پگل چربی استخواں نکل آئی
حسب حال حاتم ہے شعر میرزا مظہر
اس سے پھر زیادہ کچھ ہے عبارت آرائی
"دل ہمیشہ میخواھد طوف کوے جاناں را
ھائے بے پر و بالی وائے نا توانائی"

۱- میکشی سے اے ساقی گو کہ میں قسم کھائی -

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

ہر گل اس باغ کا نظروں میں دہاں ہے گویا
صورت غنچہ جو دیکھو تو زباں ہے گویا
تاک کی طرح سبھی مست پڑے امنڈیں ہیں
مے کدہ اب گرو بادہ کشاں ہے گویا
چشم ہے ترک و نگہ نیزہ و مژگاں ترکش
زلف پرپیچ کا ہر حلقہ کماں ہے گویا
جا بھڑاتا ہے ہمیشہ مجھے خونخواروں سے
دل بغل بیچ مرا دشمن جاں ہے گویا
حاتم اب اس کے سبھی مونہہ کی طرف دیکھیں ہیں
شیشہ مجلس میں یہاں پیر مغاں ہے گویا

زمین کوکہ خان فغان در ۱۱۶۲ھ

گر تجھ سے دل آزار سے دل یار نہ ہوتا — تو ہم کو کسی طرح کا آزار نہ ہوتا
کچھ حسن کی ہوتی نہ یہاں قدر نہ قیمت — جو عشق کبھو اس کا خریدار نہ ہوتا
اسرار حقیقت کے سرافرازوں کا منصور — سردار نہوتا تو سر دار نہ ہوتا
شانے کی طرح زلف کے کوچے میں سرا دل — پھرتا جو ترے غم میں گرفتار نہ ہوتا
تو پوچھنے احوال کبھو کاہے کو آتا — حاتم جو ترے عشق میں بیمار نہ ہوتا

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

نہیں آساں راہ عشق میں ثابت قدم رکھنا
لبوں کو خشک، دل کو سرد اور چشموں کو نم رکھنا
جسے دیکھو سو جیتے جی ہی اپنا ہے، کہ مردے کو
نکل جاتا ہے دم تو ہوئے مشکل ایک دم رکھنا

یہ کس مذہب میں اور مشرب میں ہے ہندو مسلمانو
خدا کو چھوڑ دل میں الفت دیر و حرم رکھنا
ثمر چاہے تو مت گردن کشی کر، سر نوا کر چل
کہ میوہ دار شاخوں کا نشاں ہے قد کو خم رکھنا
الٰہی تجھ سے اب کہتا ہے حاتم اس زمانے میں
سدا شرم و بھرم رکھنا دھرم رکھنا کرم رکھنا

زمین طرحی در ۱۱۶۲

کنار آب ہے اور میکشاں شب مہتاب
چلی لو کشتی سے پھر کہاں شب مہتاب
مجھے شراب سے مانع نہیں ہے موے سپید
دو چند لطف ہے ہووے جہاں شب مہتاب
نہیں ہے بزم میں ہم مفلسوں کی حاجت شمع
کہ ہے زمیں سے تا آسماں شب مہتاب
چلو تو خوب ہے اس وقت پہنچیں منزل کو
ہوائے سرد ہے اور کارواں شب مہتاب
شراب و ساقی و مطرب ہے جمع حاتم پاس
شتاب آؤ کہ ہے دوستاں شب مہتاب

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

ایسا دنیا میں نہ ہوگا کوئی ویرانہ خراب
جس طرح سے ہے مرا یہ دل دیوانہ خراب
تونے غارت کیا گھر بیٹھے گھر اک عالم کا
خانہ آباد ہو تیرا اے مرے خانہ خراب

روشنی دیکھ کے مجلس میں ترے مکھڑے کی
شمع بجھنے لگی کیونکر نہ ہو پروانہ خراب

کہاں جاتا ہے مجھے چھوڑ کے اے رونق بزم
ترے اٹھ جانے سے ہو جائے گا کاشانہ خراب

آنکھ اٹھا کر جو تو دیکھے تو وہیں ہو جاوے
ایک گردش میں تری چشم کی میخانہ خراب

دل صد چاک مرا راہ یہاں کب پاوے
کوچۂ زلف میں پھرتا ہے ترے شانہ خراب

شکوہ حاتم سے تو فدوی کا نہ کیجو ہرگز
آشناؤں میں تو ہوگا بت بیگانہ خراب

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

چمن میں دھر کے ہر گل ہے کان کی صورت
ہر ایک غنچہ ہے اس میں زبان کی صورت

نہیں ہے شکوہ اگر وہ نظر نہیں آتا
کسو نے دیکھی نہیں اپنی جان کی صورت

کہیں تو سب ہیں جہاں کو رباط کہنہ ولے
ہمیشہ ہے گی نئی اس مکان کی صورت

جو دیکھتا ہے سو پہچانتا نہیں (اس کو)
بدل گئی ہے دل ناتوان کی صورت

جو نکلی بیضے سے بلبل تو ہوئی اسیر قفس
نہ دیکھی کھول کر آنکھ آشیان کی صورت

اگر ہزار مصور خیال دل میں (کریں)
کبھو نہ کھینچ سکیں اُس کی آن کی صورت

فلک کے خوان اوپر اس کی تنگ چشمی سے
کبھو نظر نہ پڑی میہماں کی صورت
گھڑی گھڑی میں بدلتا ہے رنگ اے حاتم
ہمیشہ ہو قلموں ہے جہان کی صورت

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

کاتب قدرت نے روز اول سے عاشق کی سرشت
صفحۂ پیشانی اوپر حرف ترک سر نوشت
اس کو نادانی کی قوت اس کو دانائی کا زور
ناقص و کامل کے آگے ہے برابر خوب و زشت
صاحبان قصر کو ملتی نہیں ہے بعد مرگ
گور میں سر کے تلے تکیے کی جاگہ ایک خشت

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

ہم بہت دیکھے فرنگستاں کے حسن صبیح
چرب ہے سب پر بتان ہند کا رنگ ملیح
تیرے ماروں کو قیامت تک جلا سکتا نہیں
آسماں اوپر سے اس دعوے پر آوے گر مسیح
ہم سے آگے تو کنائے میں کبھو کہتا تھا بات
ان دنوں جو مونہہ میں آتا ہے سو کہتا ہے صریح
روٹھنا، لڑنا، جھگڑنا، گالیاں دینا ہمیں
چھوڑ دے حاتم کہے ہے سب یہ باتیں ہیں قبیح

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

راضی نہیں چمن میں کرے آ کے سیر طیر
بلبل سے کیا ہے پوچھ تو گل باغباں کو بیر

ہر شام اُس کی زلف کا چرچا ہے بزم میں
ہر صبح سب کا ورد آسی کا ہے ذکر خیر
طوف حرم ہو تم کو مبارک اے حاجیو
اس بندۂ بتاں کا سلامت رہے یہ دیر
حاتم ہے دل سے بندہ ترا یا علی ولی
تیرا ہی نام اس کی زباں پر ہے جوں نصیر

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

ترا نجوم و رمل کیا ہوا وہ اور تکسیر[1]
تو اس پری کو تو اب تک نہ کر سکا تسخیر
تمام رات پکارا کیا در دل پر
کسو نے ہوں نہ کہا غیر نالۂ شب گیر
گئی بہار یہ ہرگز کھلا نہ تجھ سے نسیم
بجا ہے دل کو کہوں اپنے غنچۂ تصویر
کہاں ہے دل جو کہوں ہوئے آکے دیوانہ
کہ اس کی زلف کی خالی ہے اس گھڑی زنجیر
نہیں ہے سرخ یہ سنجاف تیرے جامے کا
یہ میرا خون اے قاتل ہوا ہے دامن گیر
میں جاں بلب ہوں اے تقدیر ترے ہاتھوں سے
کہ تیرے آگے مری کچھ نہ چل سکی تدبیر
کرے ہے قتل یہاں اہل بزم کو حاتم
ادائے مطرب و ساقی، صدائے چنگ و نفیر

---

(۱) مخطوطے میں "تکثیر"۔

زمین طرحی در ١١٦٢ھ

پچھلی باتوں کا نہ کر شکوا تو آنکھیں گاڑ گاڑ
ھو چکی سو ھو چکی آ، مت گڑے مردے اکھاڑ

دن تو جوں توں وصل کی امید پر جاتا ھے کٹ
سنگ دل کے ھجر کی راتیں ھیں چھاتی پر پہاڑ

اے مرے بستے نہ ھو جس دم بغل کے بیچ تو
اس گھڑی ھو جاے آبادی مرے حق میں اجاڑ

میں نے پھاڑا ھے گریباں تجھ اوپر اے نونہال
سنتے ھی میری زباں سے اٹھ چلا دامن کو جھاڑ

بے سبب وہ اچپلا گستاخ حاتم سے نہیں
جان کر عاشق اسے دکھلاوتا ھے اس کو لاڑ

زمین طرحی در ١١٦٢ھ (قطعہ بند)

ایک دن گذرا میں گورستان میں
دیکھ کر مردوں کو آیا دھیان میں

یہ وھی سب ھیں کہ جن کے واسطے
حق نے سب پیدا کیا یک آن میں

یہ وھی ھیں صاحبان قصر و ملک
بے وطن اس جنگل ویران میں

کس طرح سے جامہ زیبان جہاں
یوں پڑے ھیں خاک کے دامان میں

کیا کیا اس میں مٹ گئی ھیں صورتیں
کیا کیا اس میں ھیں بھرے ارمان میں

کون اس میں نیک ھے اور کون بد
کون خوش ھے کون ھے زندان میں

کچھ نہیں معلوم اس پردے کے بیچ
کیا کرے ھیں، ھیں گے کس سامان میں

ھے قیامت ھوگا جس دن شور حشر
ھوئے گا کیا ان پر اس طوفان میں

تھا اسی غم میں کہ ناگہ پیر غیب
کہہ گیا آھستہ میرے کان میں

تلخ مت کر زندگی اس فکر بیچ
مت خلل لا اپنے تو اوسان میں

رحمت حق سے نہیں کوئی نا امید
دیکھ لے 'لا تقنطو' قرآن میں

سب طرح بخشے گا وہ غفار ہے گر ترے نقصان نہیں ایمان میں
سنتے ہی دل کو تسلی ہو گئی پھر کے آئی جان میری جان میں
کچھ بھروسا زیست کا حاتم نہ کر ہے اگر تو خلقت انسان میں

زمین کوکہ خان فغاں در ۱۱۶۲ھ

تیرے ستم کی غیر سے فریاد کیا کروں
گزرے سو گزرے پھر پھر اسے یاد کیا کروں
حاضر ہوں سر سے زیر قدم تیغ کے (؟) میاں
ہوتے تمہارے منت جلاد کیا کروں
میری بساط شیشۂ دل تھا سو دے چکا
تیری میں پیش کش اے پری زاد کیا کروں
تو سرو نونہال وہ اک چوب خشک ہے
قد کے ترے مقابلہ شمشاد کیا کروں
پیری میں حاتم اس دل ناشاد کے تئیں
دو دم کی زندگی کے اوپر شاد کیا کروں

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

سن کے اس افصح البیاں کی زباں ہو گئیں بند طوطیاں کی زباں
گالیوں میں غریب پرور ہے میرے بد وضع بد زباں کی زباں
کوئی کہتا نہیں اسے کہ میاں ! کس سے سیکھا یہ ہے کہاں کی زباں
کبھو رہتی نہیں ہے چپ ہرگز میرے شکوہ سے بد گماں کی؟ زباں
ہند کی گفتگو انوکھی ہے چرب ہے سب اوپر یہاں کی زباں
کوئی بھلا کوئی برا (کہے) مجھ کو بند کیونکر کروں جہاں کی زباں
خوب گو سب ہیں لیکن اے حاتم
خوب سے خوب ہے فغاں کی زباں

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

کیا ہوا تو نے بنایا گر سکندر آئینہ
آئینہ دل کو بنانا تھا تجھے ہر آئینہ

صحبت روشن (دلاں)[1] میں چاہئیے پاس نفس
ایک دم کے بیچ ہوتا ہے مکدر آئینہ

عکس کا بہتان اس بے عکس پر بر عکس ہے
عکس اپنا ہی نظر آتا ہے یہ در آئینہ

رو برو ہر ایک کے از بسکہ رکھتا ہے صفا
سب ہنراور عیب کہہ دیتا ہے مونہہ پر آئینہ

شاید اپنے حسن پر آپ ہی ہوا ہے مبتلا
ان دنوں کچھ دیکھتا ہے یار اکثر آئینہ

آب خجلت میں سراپا غرق ہے حیرت سے جان
گر تیری صورت طرف دیکھے نظر بھر آئینہ

عیب ہے حاتم جو کوئی ظاہر کرے اپنا ہنر
اس سبب اپنے چھپے رکھتا ہے جوہر آئینہ

زمین میر تقی میر ۱۱۶۲ھ

تو جو کہتا ہے بغل میں کہ نہاں ہے شیشہ
محتسب یہ تو میرا دل ہے کہاں ہے شیشہ

ق جس کو پہنچے نہ کبھو سنگ حوادث سے شکست
کوئی ایسا بھی یہاں شیشہ گراں ہے شیشہ

سب لگے کہنے یہاں کیا و وہاں کیا، مت پوچھ
ساتھ ہے سنگ قضا اس کے جہاں ہے شیشہ

۱- مخطوطے میں " دلوں "۔

شیشہ بازوں کو چلو دور کرو مجلس سے
آج مستی سے یہاں رقص کناں ہے شیشہ

مے کشو دختر رز سے نہ کرو بدمستی
چشم ساغر سے جو دیکھو نگراں ہے شیشہ

اے مریدان خرابات مبارک ہو کہ آج
جام کا دور ہے اور پیر مغاں ہے شیشہ

اس کے لب پر ہے ہر اک سجدے میں قلقل کی صدا
مت زباں سے یہ کہو پنبہ دہاں ہے شیشہ

چرخ بدبیں نے کیا پھوڑ کے دونو میں نفاق
ورنہ تحقیق کرو سنگ کی جاں ہے شیشہ

صحبت اس کی سے نہ پرہیز تو فرما ناصح
داروے درد دل درد کشاں ہے شیشہ

طاق ابرو میں تری چشم گلابی کو دیکھ
رشک سے بزم میں اب اشک فشاں ہے شیشہ

دل نازک مرا ہاتھوں میں سنبھالے رکھیو
کہے دیتا ہوں یہ اے سنگ دلاں ہے شیشہ

دل کو حاتم نے کیا میکدہ تیری خاطر
تو کدھر جائے ہے یہ دیکھ یہاں ہے شیشہ

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

دل کو کیا ہے حق نے اسرار کا خزینہ
پایا نہیں کسی نے جو اس میں ہے دفینہ

تیرا دہن ہے گویا انگشتری کا حلقہ
اور ہونٹھ رنگ پاں سے ہے لعل کا نگینہ

مستوں کا دل ہے شیشہ اور سنگدل ہے ساقی
اچرج ہے جو نہ ٹوٹے پتھر سے آبگینہ
عاشق کی گر بخیلی گردوں کرے بجا ہے
کینہ رکھے ہے دل میں اشراف سے کمینہ
حاتم کا آج دیواں دریا سے کم نہیں ہے
سب بحر ہیں گے اس میں ایسا ہے یہ سفینہ

زمین طرحی در ۱۱۶۲ھ

عاشقوں کے سیر کرنے کا جہاں ہی اور ہے
اُن کے عالم کا زمین و آسماں ہی اور ہے
پوچھتا پھرتا ہے کیا ہر ایک سے اُن کا سراغ
لامکاں ہیں اُن کے رہنے کا مکاں ہی اور ہے
آزمائش اُن کی وضعوں کا تجھے ہے گا ضرر
یہ وہ فرقہ ہے کہ ان کا امتحاں ہی اور ہے
کیا خریدے گا خراب آباد کے بازار میں
درد کی ہو جنس جس میں وہ دوکاں ہی اور ہے
سنگ و گل کا طوف ہو تم کو مبارک حاجیو
حضرت دل کے حرم کا کارواں ہی اور ہے
بیٹھنے کو شاخ طوبیٰ پر نہیں کرتیں نگاہ
اس چمن کی بلبلوں کا آشیاں ہی اور ہے
اس کو کیا نسبت کسی افسانہ و قصے کے ساتھ
عشق کے دفتر کی حاتم داستاں ہی اور ہے

زمین طرحی، در ۱۱۶۲ھ

ہماری عقل بے تدبیر پر تدبیر ہنستی ہے
اگر تدبیر ہم کرتے ہیں تو تقدیر ہنستی ہے
اسیروں کا نہیں کچھ شور و غل یہ آج زنداں میں
میرے دیوانہ پن کو دیکھ کر زنجیر ہنستی ہے
کبھو پہنچی نہ اُس کے دل تلک رہ ہی میں بھٹک بیٹھی
بجا اس آہ بے تاثیر پر تاثیر ہنستی ہے
تو صورت اُس کی کیا کھینچے گا اپنی دیکھ تو صورت
مصور اس تری تصویر پر تصویر ہنستی ہے
وہی ہے مرد جو ہو روبرو تروار کے حاتم
کہ منہ کے پھیرتے نامرد پر شمشیر ہنستی ہے

زمین فرمائش ہدایت علی خاں بہادر ضمیر ۱۱۶۲ھ

جرأت ہے کس کو عشق کے میداں میں مر سکے
اے دل غضب کرے جو یہاں تو یہ کر سکے
ہم ہاتھ مارتے ہیں سدا بحر عشق میں
مجنوں کو کیا سکت جو یہاں پاؤں دھر سکے
کاکل کا حلقہ حلقہ نظر کر اے بحر حسن
دل کا بھنور بھنور میں پھنسا جا کدھر سکے
دعوا کر آسمان سے آوے اگر پری
ممکن نہیں جو اس کی نظر سے گذر سکے
مشہور انکھڑیاں ہیں تری بانکپن کے بیچ
بانکا نگہ کے آگے ترے کب ٹھہر سکے

آس طفل خو کو میری نصیحت سے ننگ ہے
بگڑا ہے لڑکپن سے کہاں تک سنور سکے

گو نعمتوں سے پر ہے سدا مطبخ فلک
یک کاسۂ گدا کو نہ دیکھا کہ بھر سکے

حاتم قسم ہے ایسی غزل اس زمیں میں فکر
روشن ضمیر جز کوئی شاعر نہ کر سکے

زمین میر در ۱۱۶۳ھ

جو میخانے میں جاتا تھا قدم رکھتے جھجھکتا تھا
کہ ساغر آنکھ دکھلاتا تھا اور شیشہ بھبھکتا تھا

تماشا ہو رہا تھا ابر میں رونے سے کیا میرے
اُدھر پانی برستا تھا ادھر لوہو ٹپکتا تھا

بڑا احساں کیا جو دل کو میرے کھینچ کر کاڑھا
کہ مدت سے مرے سینے میں جوں کانٹا کھٹکتا تھا

تیرے کوچے میں میں نے آج دشت کربلا دیکھا
کوئی مارا پڑا تھا اور پڑا کوئی سسکتا تھا

گیا تھا تیلیا کپڑوں سے تو آئینہ خانے میں
کہ اب تک خانۂ آینہ اس بو سے مہکتا تھا

مزا لینے کے تئیں شیریں مقالی کا تری حاتم
کھڑا منہ کو ادب سے دور نادیدہ سا تکتا تھا

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

ہے ترا منہ کھلے بالوں میں اس طرح بوب
کہ جیسے شام میں ہوتا ہے آفتاب غروب

ٹک ایک دیکھ زلیخا کہ چاہ یوسف میں
گیا ہے گریہ سے اب نور دیدۂ یعقوب
کہوں ہوں سرو کے تئیں چوب ناتراشیدہ
تمہاری اس چھب و تختی کا دیکھ کر اسلوب
میں دل جلوں کی حقیقت کا شمع رو کے تئیں
بجا ہے گر پر پروانہ پر لکھوں مکتوب
جو تیرا دل پھرے حاتم کا اختیار نہیں
کہ ہے گا جان سبھوں کا خدا کے ہاتھ قلوب

زمین ہدایت علی خاں ضمیر در ۱۱۶۳ھ

دیکھ کر گل‌رو کو دل کیوں کر نہ ہووے باغ باغ
جس کی لپٹوں سے معطر ہے گا ہر گل کا دماغ
گل رخاں بن گو بہار آئی ہے گو پھولا ہے باغ
دل پھرے ہے دشت میں ، گلگشت کا کس کو دماغ
آ پھسا ہے شہر میں کس راہ جاوے دشت کو
کب ہے دیوانے کے تئیں لڑکوں کے پتھروں سے فراغ
شمع رویاں کی لگن کا داغ گل ہوتا نہیں
گور پر میری قیامت تک ہے یہ روشن چراغ
کچھ خبر ہم کو نہیں یہ نقد دل یوں لے گئے
کس طرح سے پائیے ان دل کے چوروں کا سراغ
اس زمانے میں موافق بھی مخالف ہوگئے
دیکھ کر مینا کو روتے حاتم ہنستا ہے ایاغ

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

پہنچا زمیں سے نالہ مرا آسماں تلک
یہہ کیا کہ کچھ خبر نہ ہوئے دلستاں تلک
اس نے جلا کے ایسا کیا سوختہ مجھے
بھڑکے ہے آگ دل سے میری استخواں تلک
قرباں میں اس کے ہوں جو کوئی اس میاں کے تئیں
لاوے کسو طرح سے وہاں سے یہاں تلک
دیدے سفید ہو کے ہوئے موئے سر سفید
اس کا میں انتظار کروں اب کہاں تلک
دہشت سے روبرو مجھے اس سرمہ باز کے
آتا نہیں ہے حرف گلو سے زباں تلک
جانے نہ دوں گا هاتھ سے اس کو کسو طرح
مقدور میرا ہوئے گا حاتم جہاں تلک

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

تمہاری چشم کے طالب کو جام سے کیا کام
نگہ کے مست کو شرب مدام سے کیا کام
خدا بغیر نہیں دل کو اب توقع غیر
کسی سے کام نہیں مجھ کو کام سے کیا کام
دل اہل ننگ کی صحبت سے ننگ رکھتا ہے
غلام عشق کے تئیں ننگ و نام سے کیا کام
مثال طائر تصویر مجھ میں جان نہیں
جو صید زندہ نہ ہو اس کو دام سے کیا کام

اے شیخ ڈھانپ کتابوں میں اپنی مثلوں کو
جنوں زدوں کو حلال و حرام سے کیا کام

مثال گنگ ہوں خاموش مجھ سے مت بولو
جو بے زبان ہو اس کو کلام سے کیا کام

بحل کیا ہے یہاں خون عاشق اے حاتم
شہید عشق کے تئیں انتقام سے کیا کام

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

اے ترا طالب دیدار کہاں ہے کہ نہیں
اور تیرے لب کا طلب گار کہاں ہے کہ نہیں

نہیں مانے ہے تو زنداں میں اسیروں سے پوچھ
تیری زلفوں کا گرفتار کہاں ہے کہ نہیں

خواہ تو مصر میں ہو خواہ تو ہو کنعاں میں
تجھ سے یوسف کا خریدار کہاں ہے کہ نہیں

ایک ہم ہیں کہ تیرے ظلم و ستم سے خوش ہیں
ورنہ تجھ سے کوئی بیزار کہاں ہے کہ نہیں

روشنی بخشے ہے چشموں کو تیرے پاؤں کی خاک
سرمہ اس طرح کا درکار کہاں ہے کہ نہیں

کس کی آنکھوں سے دکھاؤں دل نابینا کو
ورنہ سب جا ہے میرا یار کہاں ہے کہ نہیں

شرق سے غرب تلک پوچھ لے سب سے حاتم
کون گھر ہے ترے اشعار کہاں ہے کہ نہیں

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

رفیق اس دور میں ہم اک دل ناشاد رکھتے ہیں
سو اس کے ہاتھ سے بھی رات دن فریاد رکھتے ہیں
چڑھایا آسماں پہ ہم کو آخر خاکساری نے
بگولے کی طرح گو خانماں برباد رکھتے ہیں
ہم اپنے سر کو مدت سے لیے پھرتے ہیں ہاتھوں پر
نہ گردن زیر بار منت جلاد رکھتے ہیں
بجز یک مشت پر کچھ ہاتھ آنے کا نہیں ان کے
عبث مجھ صید لاغر پر نظر صیاد رکھتے ہیں
مثال آینہ جو نیک و بد دل پر گذرتا ہے
بھلا دیتے ہیں خاطر سے نہیں کچھ یاد رکھتے ہیں
پھرانا ہاتھ میں تسبیح ان شیخوں کی شیخی ہے
ہو جس میں بوجھ سو منکا سو کب آزاد رکھتے ہیں
زیارت اہل دل کی طوف بیت اللہ ہے حاتم
ہم اپنے پیر و مرشد سے یہی ارشاد رکھتے ہیں

زمین میر محمد اسلم در ۱۱۶۳ھ

بہت سے باغ میں دیکھے ہیں ہم سرو ولے تجھ سا نظر آیا ہے کم سرو
اگر گلشن میں تو آ کر رکھے پاؤں تو ہو قربان ترے پہلے قدم سرو
کوئی تجھ سا نہیں ہے راست قامت تیرے قامت کی کھاتے ہیں قسم سرو
نکالے مونہہ سے کیا طاقت ہے حاتم جو اس کے باغ کی قمری سے دم سرو

زمیں طرحی در ۱۱۶۳ھ

جان اس وقت رو برو تو ہے آئینہ کو یہاں کہاں رو ہے

سرکشی سے تری اے سرو رواں
دل قمری کباب کوکو ہے

آ بغل میں مرے کبھو تو کہ جان
ایک مدت سے درد پہلو ہے

دور ہو دُر کہ میری نظروں میں
گوہر آبدار آنسو ہے

اس کو زنجیر کی نہ دو تکلیف
دل گرفتار تار گیسو ہے

شیخ ام‌الخبائث اس کو نہ جان
یہہ میرے درد دل کی دارو ہے

وہی جانے ہے قدر حاتم کی
جو سخن فہم ہے اور سخن گو ہے

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

بتیسی اس طرح ہسنے میں تری اب جھمکتی ہے
کہ سب کہتے ہیں اس کو آج کیا بجلی چمکتی ہے

تیرے رخسار و قد نے دھوم ڈالی ہے گلستاں میں
ادھر بلبل سسکتی ہے ادھر قمری بلکتی ہے

دو چار اب کس طرح تجھ سے ہو ہم چشمی کے دعوے سے
کہ نرگس کی چمن میں دیکھ کر گردن ڈھلکتی ہے

جو پیاسے ہیں شہادت کے انہیں شربت سے میٹھا ہے
کہ آب اس تیغ مصری کی تیری ایسی چپکتی ہے

پری ہم جان کر اس کو چھپایا شیشہ خانے میں
یہہ تو بھی دختر رز پردۂ مینا سے تکتی ہے

جگر کی آگ اوپر اشک کے پانی کو اے حاتم
میں جتنا ہی چھڑکتا ہوں وہ اتنا ہی بھڑکتی ہے

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

مرے قتل پر تو جو فتوا دیا ہے
گنہ کیا کیا میں تیرا کیا لیا ہے

سلامت رہیں ہاتھ میرے، اے ناصح
ہوا کیا جو تو نے گریباں سیا ہے

ہویدا ہے ہونٹوں کی سرخی سے ظالم کسی کا تو اس دم لہو تو پیا ہے
تیرے ہاتھ سے دل تو بس جاں بلب تھا تعجب ہے اب تک یہ کیونکر جیا ہے

ہدایت علی خاں بہادر نے حاتم
مجھے لطف و احساں سے مرہوں کیا ہے

زمین سودا ۱۱۶۳ھ

آئے تھے ہم جو دور سے کچھ کام کے لیے
بیٹھے ہیں تھک کے ایک دم آرام کے لیے
ہستی سے تا عدم ہے سفر دو قدم کی رہ
کیا چاہئیے ہے ہم کو سر انجام کے لیے
دل کا کباب صبح تو ہم ناشتہ کیا
لخت جگر کو بھون رکھا شام کے لیے
مست ازل ہوں بزم میں ساقی کسے دماغ
منت کش ہوں جو تجھ سے میں اک جام کے لیے
ہے دل کے مدعا سے مرے اس کو سب خبر
درکار نامہ بر نہیں پیغام کے لیے
کل تو اٹھا دیا تھا جھڑک کر ولیکن آج
امیدوار بیٹھا[1] ہوں دشنام کے لیے
کنج عدم سے گوشۂ ہستی تلک جو صید
بیضے سے نکلے ہے سو تیرے دام کے لیے
گمنام ہو کے رہ تو جہاں میں نہ جوں نگیں
عالم میں رو سیاہ کرے نام کے لیے
ملتے ہی ہم بتوں سے رکھا کفر میں قدم
دھن باندھ کر چلے تھے جو اسلام کے لیے

۱- بیٹھا امیدوار (مجموعہ نغز صفحہ ۱۹۳) -

رهن شراب خانہ کیا شیخ حیف ہے
جو پیرهن بنایا تھا احرام کے لیے

فرش حصیر بس ہے ہمیں لیک چاہئیے
پھولوں کی سیج تجھ سے گل اندام کے لیے

سودا کہے ہے، حضرت حاتم جہاں میں تم
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لیے

طرحی ۱۱۶۳ھ

وفا دشمن ہمارے تو وفا کی قدر کیا جانے
جو ہو نا آشنا وہ آشنا کی قدر کیا جانے

ہمارا توڑ کر دل آئینہ دیکھو ہو، ہاں سچ ہے
کدّر ہو جس کے دل میں سو صفا کی قدر کیا جانے

جفا معشوق کی عاشق کے حق میں عین راحت ہے
بجز ایّوب کوئی صبر و بلا کی قدر کیا جانے

نہ کر اظہار جوہر اپنا تو ہر بے ہنر آگے
کہ جس نے مس نہ دیکھا ہو طلا کی قدر کیا جانے

تمنا دل کے وا ہونے کی پوچھ اب دل سے غنچے کے
گل تصویر اے حاتم صبا کی قدر کیا جانے

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

جنوں سے مل گیا دل راہ میں ناگاہ کیا کیجے
جو کچھ ہونی تھی اس پر ہو چکی اب آہ کیا کیجے

طبیبوں کی توجہ سے مرض ہونے لگا دونا
دوا اس درد کی بتلا دل (پر) آہ کیا کیجے

مرے مہ رو سے جا کہنا کہ اے بے مہر راتوں کو
ستاتی ہے گی تجھ بن چاندنی ہر ماہ کیا کیجے
عزیزاں کس طرح ہم بار پاویں اس کی صحبت میں
کسے (؟)[1] اس کے حواشی سے نہیں ہے راہ کیا کیجے
جنوں ہے فوج فوج اور اس طرف حاتم اکیلا ہے
نہیں کوئی تجھ بغیر اب اے مرے اللہ کیا کیجے

زمین ہدایت علی خاں ضمیر ۱۱۶۳ھ

اے خرد مندو مبارک ہو تمہیں فرزانگی
ہم ہوں اور صحرا ہو اور حیرت ہو اور دیوانگی
کون چھوڑے بے سند جب تک نہ دیکھیں مہر داغ
شمع رو کے پاس پروانے کو بے پروانگی
رستم ہوتا اس زمانے میں تو کہتا آفریں
عشق کے میداں میں میری دیکھ (کر) مردانگی
بے مروت، بے وفا، بے دید، اے نا آشنا
اس قدر لازم نہیں بے رحمی و بے گانگی
ملک دل آباد کیوں حاتم کا کرتا ہے خراب
کیا میری بستی خوش آتی ہے تجھے ویرانگی

زمین طرحی در ۱۱۶۳ھ

تو ہو چیں بر جبیں خدا نہ کرے کسو اوپر کہیں خدا نہ کرے
درد میرا کسو کے کہنے سے تیرے ہو دلنشیں خدا نہ کرے
دل میرا لے کے پھر مکرتے ہو تم تو ایسے نہیں خدا نہ کرے
میرے آنسو کے پونچھنے کو میاں تیری ہو آستیں خدا نہ کرے

۱- ہمیں ؟

جانفشانی و بندگی کو مری تو کہے آفریں خدا نہ کرے
ذبح کرتے کسو پر آوے رحم کبھو تیرے تئیں خدا نہ کرے
میرا احوال سن کے کب آوے تیرے دل میں یقیں خدا نہ کرے
کس کی طاقت ہے جو کہے حاتم
سخت ایسی زمیں خدا نہ کرے

زمین طرحی در ۱۱۶۴ھ

رات ہم[1] خواب میں اس زلف کو پیچاں دیکھا
صبحدم حال دل اپنے کا پریشاں دیکھا
شور اس حسن کا یک چند تو ہم سنتے تھے
چشم بد دور اب آنکھوں سے دو چنداں دیکھا
نظر آئے ترے دندان مسّی مالیدہ[2]
رات اور دن کو بہم دست و گریباں دیکھا
میرے اشکوں نے دیا آج دو عالم کو بہا
نہ کبھو ہم نے سنا تھا نہ یہ طوفاں دیکھا
کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیر خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

زمین طرحی در ۱۱۶۴ھ

دل مرا آج یار میں ہے گا کس خزاں میں بہار میں ہے گا
گالیاں مجھ کو دے ہے دینے دو کچھ نہ بولو خمار میں ہے گا
سن کے کہنے لگا، تو جانے ہے کہ نشے کے آثار میں ہے گا
گالیاں میں تو سب کو دیتا ہوں ایک تو کس شمار میں ہے گا
حاتم ایسی کہاں ہے لذت وصل
جو مزا انتظار میں ہے گا

۱- میں (تذکرۂ ہندی) - ۲- آلودہ (تذکرۂ ہندی) -

زمین طرحی در ۱۱۶۴ھ

لب حیرت زدہ وقت سخن وا ہو نہیں سکتا
زباں کی صورت ہے آئینہ گویا ہو نہیں سکتا

دنی گر ہوئے دولت مند پر ہمت نہیں پاتا
جو قطرہ دُر ہوا سو پھر کے دریا ہو نہیں سکتا

مقلد کو نہیں ہوتا ہے ہرگز بہرہ عرفاں سے
مثال دیدۂ تصویر بینا ہو نہیں سکتا

بہت معشوق ہیں دلچسپ عالم میں ولے دل میں
تیرے ہوتے جو دیجے اور کو جا ہو نہیں سکتا

طلب میں حق کی حاتم ہے تری ہمت کی کوتاہی
وگرنہ حضرت انساں سے کیا ہو نہیں سکتا

حسب فرمائش ہدایت علی خاں ضمیر در ۱۱۶۴ھ

زور یارو آج ہم نے فتح کی جنگ فلک
یک تماچے میں کبودی کر دیا رنگ فلک

گرمیٔ دوکاں پر اپنی شیشہ گر سرکش نہ ہو
ڈھونڈھتا پھرتا ہے تیرے گھر کے تئیں سنگ فلک

کج روی سے اس کی گر عاقل ہے تو غافل نہ رہ
ان دنوں اور ہی نظر آتا ہے کچھ ڈھنگ فلک

تو جو تُل بیٹھے تو پلّے چاہیے ہوں مہر و ماہ
ایسی میزاں کے تئیں لازم ہے پاسنگ فلک

شوق ہے گر سیر بالا کا تو حاتم ہو سوار
کہکشاں سے کھینچ کر لایا ہوں اب خنگ فلک

زمین طرحی در ۱۱۶۴ھ

ایسا تجھ بن بھٹکتا ہے مرا دل   کہ کانٹا سا کھٹکتا ہے مرا دل
تصور میں تیرے موئے کمر کے   آدھر اب تک لٹکتا ہے مرا دل
اُدھر وحشت نے پکڑا ہے گریباں   ادھر دامن جھٹکتا ہے مرا دل
قیامت کشمکش میں آ پھسا ہے   کہ رو رو سر پٹکتا ہے مرا دل
نہیں یہہ چھوٹتا دیوانہ حاتم   جہاں جا کر اٹکتا ہے مرا دل

زمین طرحی در ۱۱۶۴ھ

گرم دنیا میں ہمیشہ سے ہے بازار اجل
نہیں آتا ہے یہاں غیر گرفتار اجل
دشمن جان ہیں اے شیخ ترے موئے سفید
ہو خبردار کہ آئے ہیں خبردار اجل
نفع بخشے گا نہیں اس کو طبیبوں کا علاج
گھیر لے جس کے تئیں آن کے آزار اجل
پیری و ضعف جگر، ضعف دل و ضعف دماغ
سب ہوے جمع تو حاتم یہہ ہیں آثار اجل

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

کنج قفس میں پھینک کے صیّاد ہے ستم
کرنے کو ذبح بھی نہ کیا یاد ہے ستم
فرصت نہیں کہ حرف نکالوں زبان سے
سر پر کھڑا ہے یوں مرے جلاد ہے ستم
لب پر ہمارے شور و فغاں سے کف آ گئی
تو بھی سنی کسی نے نہ فریاد ہے ستم

خدمت کی تیری ہم نے یہاں تک کہ مر گئے
پر تو نے ایک دم نہ کیا یاد ہے ستم
حاتم بجا ہے اس کو کہیں ظالموں کا پیر
جو کوئی تکلف کرے حق استاد ہے ستم

زمین طرحی در ۱۱۶۴ھ

خدایا بار دے مجھ کو صاحب دل کی صحبت میں
کہ غافل تر ہوا ہے دل، دل عاقل کی صحبت میں
نہ مل جاہل سے اب اے دل نکل جہل مرکب سے
کہ جیتے جی عذاب النار ہے جاہل کی صحبت میں
اگر کچھ ہوش ہو تو چھوڑ مت دنبال دانا کا
کشود عقل ہے بے عقل کو عاقل کی صحبت میں
قدم آ کر پکڑ صاحب کمالوں کے کہ جس تس کو
جو کچھ حاصل ہوا سو عارف کامل کی صحبت میں
جناب حضرت حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادل عادل کی صحبت میں

زمین طرحی، در ۱۱۶۴ھ

آج کیا تھا تم کہ سب مل کرکے آئیں باغ میں
آتے ہی کس چہل سے دھومیں مچائیں باغ میں
وے پری رویاں جنہیں ڈھونڈھے تھے ہم جنگل کے بیچ
بعد مدت کے یکایک آج پائیں باغ میں
ہر قدم پر ان کے چلنے سے ہوا ہے فرش گل
نقش پا اپنے سے (قالینیں) بچھائیں باغ میں

دیکھ کر ہر عضو آں کا دل ہو پانی بہہ چلا
کھول چھاتی بے تکلف جب نہائیں باغ میں
باغباں کا دشمن جاں کیوں نہ ہو حاتم کا دل
یہہ بلائیں آس اوپر جن نے بلائیں باغ میں

زمین طرحی میر محمد اسلم ۱۱۶۴ھ

تشبیہ دوں جو اس کے لبوں سے زباں کہاں
غنچہ کہاں و نام خدا وہ دھاں کہاں
دامن تلک بھی اس کے نہ پہنچا میرا غبار
مشہور ہے زمین کہاں، آسماں کہاں
کعبے میں جس کو ڈھونڈھنے جاتا ہے شیخ تو
سو تو تیری بغل میں ہے، اندھے، وھاں کہاں
زاھد کو ہم نے دیکھ خرابات میں کہا
مسجد کو اپنی چھوڑ کہو تم یہاں کہاں؟
کہنے لگا کہ اس کی حقارت تو کیا کروں
پر یہہ مزا و صحبت پیر مغاں کہاں
دل ایک اور بتاں ھیں ھزاروں جہان میں
حاتم میں ایک دل کو لگاؤں کہاں کہاں

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

کیا اس کی صفت میں گفتگو ہے جیسا تھا وھی ہے جو تھا سو ہے
آنکھیں ھیں تو دیکھ لے کہوں کیا حاظر ناظر ہے، روبرو ہے
یک بیں کی نظر میں ایک ہے گا احول کی نگہ میں گو کہ دو ہے
تو سیر کرے ہے جس چمن کی ہر گل میں صبا اسی کی بو ہے

وہ تجھ میں ہے تو ہے اس میں ہردم کیا اس کا سراغ و جستجو ہے
اے شیخ تو اس کی کچھ حقیقت مت پوچھ یہہ سّر گو مگو ہے
اپنی اپنی سی سب کہیں ہیں کب عقدہ یہہ حل کسو سے ہو ہے
یہہ مسئلہ لاجواب ہے گا چپ رہنا یہاں ہماری خو ہے
چالیس برس ہوے کہ حاتم مشاق قدیم و کہنہ گو ہے

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

شیخ تو تو مرید هستی ہے بے غفلت کی تجھ کو مستی ہے
طوف دل چھوڑ چاہے کعبہ کو بسکہ فطرت میں تری پستی ہے
کیوں چڑھے ہے گدھے، گدھے اوپر تیری داڑھی کو خلق هنستی ہے
تیری تو جان میرے مذهب میں دل پرستی خدا پرستی ہے
بیخود اس دور میں هیں سب حاتم ان دنوں کیا شراب سستی ہے

زمین طرحی ۱۱۶۴ھ

لڑکپن سے نکل جب آپ کو تم نے سنبھالا ہے
کہوں کیا اور ہی نام خدا جوبن نکالا ہے
کریں تھیں[1] قمریاں تعریف سرو اور هم ترے قد کی
جو آیا تو[2] چمن میں تو ہمارا بول بالا ہے
مگر وہ شمع رو آتا ہے اس کوچے میں اے یارو
کوئی تو دوڑ کر ٹک دیکھنا یہہ کیا اجالا ہے
نظر میں اس کی جو چڑھتا ہے سو جیتا نہیں بچتا[3]
ہمارا سانولا[4] اس شہر کے گوروں میں کالا ہے
چلا جا محتسب مسجد میں حاتم سے نہ بحثا کر
کہ طاعت اس کے مشرب میں صراحی اور پیالا ہے

---

(۱) ہیں (مجموعہ نغز)۔ (۲) جو تو آوے (مجموعہ نغز)۔
(۳) رهتا (مجموعہ نغز)۔ (۴) سانورا (مجموعہ نغز)۔

زمین کوکہ خان فغاں ۱۱۶۴ھ

رحم آتا ہی نہیں مجھ پر کبھو اصلا تجھے
سونہہ نہ کرتا تجھ طرف جو جانتا ایسا تجھے
سر پٹکتے ہیں ترے کنج قفس میں مجھ سے سو
ایک مری بے پروبالی سے کیا پروا تجھے
متفق باللفظ والمعنی کہیں ہیں خوش خیال
مصرعۂ برجستہ و دلچسپ سر تا پا تجھے
ہے فغاں کی بیت تیرے حق میں دل کا مدعا
جان حاتم اس سے بہتر اب دعا دوں کیا تجھے
''اپنے گھر لاتے ہوے آتے ہیں سو سو احتراز
غیر کے گھر میں نہ لے جاوے خدا تنہا تجھے''

زمین طرحی در ۱۱۶۵ھ

پوچھا طبیب سے میں کروں اپنا کیا علاج
کہنے لگا کہ آہ یہہ ہے درد لا علاج
منظور ہے شفا تجھے میری تو مونہہ دکھا
ہوتا بھی ہے جہاں میں کہیں بے دوا علاج
تعویز کرکے تجھ کو گلے سے لگا رکھوں
دل چاہتا ہے اس کا بتا دلربا علاج
سن کر ہماری بات دیا اس نے یہہ جواب
سودا ہوا ہے تجھ کو تو کر اپنا جا علاج
بیگانہ درد مند کے پوچھے ہے درد کو
کیا ہو جو آشنا کا کرے آشنا علاج

غنچوں کے خوں ہوا ہے گلو میں گرہ گرہ
تجھ سے بھی ہو سکے ہے کچھ اُن کا صبا علاج
پرہیز کر تو نبض شناسوں کے قول سے
حاتم ترے مرض کا کرے گا خدا علاج

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

میں پیر ہوگیا ہوں اور اب تک جواں ہے درد
میرے مرید ہو جو تمہیں دوستاں ہے درد
فریاد دل کرے ہے طبیبوں کے ہاتھ سے
کوئی پوچھتا نہیں ہے کہ تیرے کہاں ہے درد
صحبت برآر مجھ سے تری کس طرح ہو شیخ
تو عافیت طلب ہے ازل سے یہاں ہے درد
یارو رفیق ہے، نہ جدا ہو خدا کرے
غم خوار و غم گسار دل عاشقاں ہے درد
قربان کرو، نثار کرو، جا کے دوستاں
حاتم کو اس زمیں کے جہاں میں جہاں ہے درد

زمین طرحی در ۱۱۶۵ھ

اشک جوں دردانہ اور میرے ہیں چشم تر صدف
کس طرح دعوائے ہم چشمی سے ہو ہمسر صدف
اهل معنی کو سدا رهتا ہے خاموشی سے کام
بستہ لب رهتی ہے جب ہوتی ہے پُر گوهر صدف
کان میں ناقص نصیحت کو نہیں دیتا ہے جا
صاحب دُر بحر میں ہوتی نہیں ہے ہر صدف

ہر گہر چھاتی میں اس کی ہو پھپھولا جوں حباب
سیپ سا سینہ میرا دریا میں دیکھے گر صدف
عشق کے دریا میں حاتم میری غواصی کو دیکھ
کرتی ہے موتی نثار اپنے یہاں مجھ پر صدف

زمین طرحی در ۱۱۶۵ھ

بھرا مستوں سے ہے مے خانۂ عشق سدا لبریز ہے پیمانۂ عشق
جلے ہے کس مزے سے شمع رو پر دل عشاق ہے پروانۂ عشق
جنوں کے دشت گردوں کی نظر میں ہے رشک گلستاں ویرانۂ عشق
اُسے زنجیر کی حاجت نہیں ہے ہے پابند جنوں دیوانۂ عشق
ہمارے کلبۂ احزاں میں حاتم شب ہجراں ہے یا افسانۂ عشق

حسب الفرمائش ہدایت علی خاں ضمیر ۱۱۶۵ھ

کیوں کر نہ کرے آج میرا جلوہ گری رنگ
شیشے میں میرے دل کے بھرے ہے وہ پری رنگ
کس ساتھ یہ ہولی تو نے کھیلی ہے کہ اس وقت
جھولی میں بھرا رنگ ہے چولی ہے بھری رنگ
رونق میرے چہرے پر ہے آتا ہے وہ شاید
دیتا ہے مجھے آج مرا خوش خبری رنگ
گر ناقۂ لیلیٰ کی ہے سہ بانی کی خواہش
مجنوں تجھے لازم ہے لباس شتری رنگ
چاہے ہے نہ ہو غنچہ کسی دل کا شگفتہ
ہستی کے چمن میں فلک نیلفری رنگ
کافر ہوا تس پر بھی نہیں دیکھتے حاتم
بدلیں ہیں نگاہوں میں بتاں تری رنگ

زمین طرحی در ۱۱۶۵ھ

اے حسن کے گلزار و بہار چمن دل — گلشن ترے آنے سے ہوا انجمن دل
ایسا ہے دل آزردہ تیری دل‌شکنی سے — جانے کی نہیں تابہ قیامت شکن دل
پیکان سے تیرے تیر کی سوفار کی مانند — مدت ہوئی آلودۂ خوں ہے دہن دل
واقف بھی کوئی ہے گا یہاں اس کی گلی سے — جو آکے بتاوے مجھے راہ وطن دل
اس اطلسی افلاک کے بازار میں حاتم — یک تار نہ پایا جو میں کرتا کفن دل

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۶۵ھ

اڑے ہے تو جو ایسا آسماں پر ہر سحر شبنم
تجھے خورشید کے دیکھنے سے کیا لگتے ہیں پر شبنم
چمن میں کون سا عالی دماغ آیا ہے سچ کہیو
کہ گل کے عطرداں سارے رکھے ہیں تو نے بھر شبنم
سحر کے وقت ہوتی ہے بہار تازہ گلشن میں
ادھر جاگے صبا منہ گل کا دھوتی ہے ادھر شبنم
ہوا ہے سرو آسا دود آہ سینۂ بلبل
چھڑکتی ہے گی پانی آتش گل پر مگر شبنم
کیا باد خزاں نے گل چراغ دودمان گل
چمن کی ان دنوں بھی کچھ تو رکھتی ہے خبر شبنم
غنیمت جان اب کی فصل حاتم کا سخن سن لے
بھروسا کس کو جینے کا ہے تا سال دگر شبنم

زمین طرحی در ۱۱۶۵ھ

زندگی کی لذت اس نے ایک دم پائی نہیں
جس نے اس کی جھڑکی و گالی کبھو کھائی نہیں

ھے کبھو دل میں، کبھو جی میں، کبھو آنکھوں کے بیچ
کون کہتا ھے اسے یارو کہ ہرجائی نہیں

سب تو موزوں اس کو کہتے ھیں ولے اب تک مجھے
سرو کی چھب اس کی چھب آگے کبھو بھائی نہیں

اس قدر وحدت کی کثرت نے کیا سب سے جدا
ہم نشیں صحبت میں مری غیر تنہائی نہیں

کس طرح سے ھو سکے شہر جنوں میں نامور
جو کوئی اس زلف کے کوچے کا سودائی نہیں

باغ دنیا میں کوئی ایسا نہ ھوگا بے نصیب
آب و رنگ گلرخاں کا جو تماشائی نہیں

آشنائی سے بتاں کی اپنے حاتم دل کو پھیر
حاصل ان کی دوستی کا غیر رسوائی نہیں

زمین خواجہ میر درد ۱۱۶۵ھ

بندا بتوں کا شیخ کہے ھے کہ تو نہ ھو
اور جو کہے سو ھوئے یہ ہم سے کبھو نہ ھو

زیبندہ موبمو ھیں بدن پر مرے یہ زخم
کس کام کا وہ جامہ کہ جس پر رفو نہ ھو

ایسا کروں گا اب کے گریباں کو تار تار
جو پھر کسی[1] طرح سے کسی[2] سے رفو نہ ھو

تیرے خیال قد کا میری چشم تر میں ھے
ممکن نہیں کہ سرو لب آب جو نہ ھو

لذت سے زندگی کی بڑا بے نصیب ھے
جس دل میں دیکھنے کی ترے آرزو نہ ھو

(۱ ' ۲) دونوں جگہ 'کسو' (مجموعہ نغز)۔

ڈرتا ہوں مست و شیخ کی صحبت یہاں ہے گرم
آپس میں آج ان میں کہیں گفتگو نہ ہو
بے اس کے حاتم اب کسو مجلس میں تو نہ جا
بے نور ہے وہ بزم جہاں شمع رو نہ ہو

زمین میر حسین کلیم ۱۱۶۵ھ

تو جو موسیٰ ہو تو اس کا ہر طرف دیدار ہے
سب عیاں ہے کیا تجلی کو یہاں تکرار ہے
دل نہیں ہوتا نظر کرنے کو طوبیٰ کی طرف
جب سے میرے سر پر اس کا سایۂ دیوار ہے
ہر قدم پر جی نکلتا ہے میرا نام خدا
کیا ادا کیا ناز کیا انداز کیا رفتار ہے
غنچۂ دل کو ہوئی مدت کہ اے رشک چمن
آرزو مند بہار گوشۂ دستار ہے
ایک دن پوچھا نہ حاتم کو کبھو اس نے کہ دوست
کب سے تو بیمار ہے اور کیا تجھے آزار ہے

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

اوقات شیخ گو کہ سجود و قیام ہے
میرے کنے تو ایک خدا ھی کا نام ہے
ہر صبح آٹھ بتوں سے مجھے رام رام ہے
زاھد تری نماز کو میرا سلام ہے
تیری نگہ کے دور میں ایسا ہوا ہوں مست
ساغر سے مجھ کو آنکھ ملانا حرام ہے

ہم اور تیری شکائتیں؟ ظالم، خدا سے ڈر!
بہتان ہے، غلط ہے، محض اتہام ہے
دن کو نہ بھوک ہے نہ مجھے رات کو ہے نیند
اس روزگار میں یہ میری صبح و شام ہے
مرتا ہوں آ کے دیکھ تیرے انتظار میں
ورنہ سنے گا اب کوئی دم کو تمام ہے
ق: ''قاصد! کہاں چلا ہے، مجھے بھی خبر تو دے
یک دم تو بیٹھ جا کہ مجھے تجھ سے کام ہے
تجھ کو قسم خدا کی جو جاتا ہے اس طرف
تو بھولیو نہ اتنا ہی میرا پیام ہے
کہیو مری طرف سے، نہ بھیجا مرا جواب
اتنا دماغ کیا، تیرا حاتم غلام ہے''
قاصد سے اس نے سن کے حقیقت، کہا کہ ''واہ!
کیا خوب! اس سخن کا کوئی یہ مقام ہے!
کہنا اسے یہی تو کہ اے بوالہوس ہنوز
عاشق ہوا تو پھر یہ ترا عشق خام ہے
معشوق کی جناب میں کوئی بھی بے ادب
بولا ہے اس طرح سے جو تیرا کلام ہے''

۱۱۶۵ھ

جب وہ عالی دماغ ہنستا ہے ۔ غنچہ کھلتا ہے باغ ہنستا ہے
ہاتھ میں دیکھ کر تیرے مرہم ۔ میرے سینے کا داغ ہنستا ہے
کیا ہوا پھر گئی ہے گلشن کی ۔ صوت بلبل کو زاغ ہنستا ہے

شمع ہر شام تیرے رونے پر　　صبح دم تک چراغ ھنستا ھے
شیخ کی دیکھ صورت تقویٰ　　آج حاتم ایاغ ھنستا ھے

زمین کوکہ خان فغاں ۱۱۶۵ھ

باغ میں تو کبھو جو ھنستا ھے　　غنچۂ دل میرا بکستا ھے
ارے بے مہر مجھ کو روتا چھوڑ　　کہاں جاتا ھے مینہ برستا ھے
تیرے ماروں ہوؤں کی صورت دیکھ　　میرا مرنے کو جی ترستا ھے
تیری تروار سے کوئی نہ بچا　　اب کمر کس اوپر تو کستا ھے
کیوں مزاحم ھے میرے آنے سے　　کوئی تیرا گھر نہیں یہہ رستا ھے
میری فریاد کوئی نہیں سنتا　　کوئی اس شہر میں بھی بستا ھے
حاتم اس زلف کی طرف مت دیکھ　　جان کر کیوں بلا میں پھنستا ھے

زمین طرحی ۱۱۶۵ھ

کدھر جاتا ھے میرے ھاتھ تیری اب تو چوٹی ھے
بتا تو زلف تیری کس نے یہہ نوچی کھسوٹی ھے
شراب ناز سے مجلس میں خوباں مست ھیں باھم
کباب دل مرا ان سب کے ھاتھوں تکہ بوٹی ھے
گدا کو گر قناعت ھو تو پھاٹا چیتھڑا بس ھے
وگرنہ حرص آگے تھان سو گز کا لنگوٹی ھے
یہہ مسلا[1] شیخ سے پوچھو ھم اس جھگڑے سے فارغ ھیں
کہ داڑھی شہر میں کس کی بڑی اور کس کی چھوٹی ھے
اگر تو کیمیا چاھے تو مر کر خاک ھو پہلے
کہ خالص زر نہیں ھونے کا جس کی عقل کھوٹی ھے
بچاوے حق عذاب جوع سے اس دور میں حاتم
جدھر سنتا ھوں اب سب کی زباں پر روٹی روٹی ھے

---

(۱) مسئلہ ۔

۱۱٦۵ھ

جی میں ہے اس جمع خاطر کو پریشاں کیجئے
دل کے آینے کو صیقل کرکے حیراں کیجئے
آشنائی سے بتاں کی دل نہیں آتا ہے باز
کس طرح سے ایسے کافر کو مسلماں کیجئے
مے کشو اس دور میں ساغر کی کچھ آنکھیں ہیں اور
اب کے اس پیماں شکن سے پھر کے پیماں کیجئے
جامہ زیبوں کے اگر دامن تلک پہنچے نہ ہاتھ
سرنگوں ہو غنچہ ساں سیر گریباں کیجئے
ہے گریباں چاک حاتم لالہ رو کے ہاتھ سے
کس طرح اب داغ کو سینے کے پنہاں کیجئے

زمین مرزا صائب علیہ الرحمتہ کہ رفیع سودا تضمین نمودہ در ۱۱٦٦ھ

کہاں چلے ہو مجھے چھوڑ دوستاں تنہا
میں بے تمہارے رہوں کس طرح یہاں تنہا
کہا اے یار نظر کر کہ روز اوّل سے
جو اُس جہاں سے آیا ہے اس جہاں تنہا
دو دم کی سیر بہم کرکے باغ دنیا میں
اسی طرح سے چلا جاوے گا وہاں تنہا
عجب طرح سے ہے ملک عدم کی آمد و رفت
کہ آتے جاتے جو دیکھا یگاں یگاں تنہا
کوئی کسو کا نہیں دوست سب یہ باتیں ہیں
جو ہوتے دوست تجھے چھوڑتے کہاں تنہا

نہ مے نہ ابر نہ ساقی نہ ہم نہ دل نہ دماغ
کسے خوش آئے یہاں سیر گلستاں تنہا
ادا و ناز و کرشمہ، جفا و جور و ستم
اُدھر یہ سب ہیں ادھر ایک مری جاں تنہا
صنم کی زلف سے دعویٰ کیا تھا سنبل نے
میں اس کو کھینچ لے آیا ہوں مو کشاں تنہا
چمن خراب کیا ہو خزاں کا خانہ خراب
نہ گل رہا ہے نہ بلبل، ہے باغباں تنہا
ق: میں ایک روز چلا جاے تھا بیاباں کو
خراب و خستہ و حیران و ناتواں تنہا
جو اس میں حضرت صائب نے مجھ کو فرمایا
کہ دیکھتا ہوں میں تجھ کو جہاں تہاں تنہا
نہ ہوویں یار تو کیا زندگی ہے اے حاتم
چہ حظ کند خضر از عمر جاوداں تنہا

زمین طرحی در ۱۱۶۶ھ

غیر کے چھپ چھپ کے جاتے ہو بھلا جی بہت خوب
ہم سے پھر باتیں بناتے ہو بھلا جی بہت خوب
رات کی صحبت کہے دیتا ہے سب چہرے کا رنگ
کیا ہوا جو تم چھپاتے ہو بھلا جی بہت خوب
سالہا گزرے ہیں اے پیماں شکن وعدوں کے بیچ
اب تلک ہم پاس آتے ہو بھلا جی بہت خوب
اس طرح جو تم کھلے بندوں ہو بیٹھے بزم میں
کس کو یہ چھاتی دکھاتے ہو بھلا جی بہت خوب
بات کہتے ہو کسی سے پھیرتے ہو ہم سے رو
اپنے حاتم کو کڑھاتے ہو بھلا جی بہت خوب

زمین طرحی در ۱۱۶۶ھ

لے چلے اس جاے سے توشے کی جا ہم زیر خاک
آہ و افسوس و فغاں و حسرت و غم زیر خاک

جو گیا دنیا سے سو روتا گیا اور اب تلک
اپنی اپنی خاک پر کرتا ہے ماتم زیر خاک

گور میں بھی بعد مرنے کے نہیں آرام حیف
فکر ہے مردوں کو فردا کا مگر کم زیر خاک

سب گرفتاری میں اعمالوں کی ہیں تا روز حشر
کون ان کے حال سے یارو ہے محرم زیر خاک

ہوگئے ہیں جو تری شمشیر کے زخموں سے سرد
صبح محشر آن کو کافوری ہے مرہم زیر خاک

سالہا گزرے پر اب تک سر پٹکتے ہیں پڑے
تیرے ماروں کو نہیں آرام یک دم زیر خاک

حق تعالیٰ نے جو فرمایا ہمیں سیرو فی الارض
کچھ تو ایسا ہی تماشا ہوگا حاتم زیر خاک

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

لب پر کلی کے مہر کرے اس لباں کا رنگ
رخسار سے خجل ہو گل ارغواں کا رنگ

جس گل کو دیکھتا ہوں سو پھیکا ہے اب کے سال
اس رنگ نے لیا ہے گرو گلستاں کا رنگ

کاہیدگی سے زرد ہوا ہوں میں اس قدر
شرمندہ رنگ سے ہے مرے زعفراں کا رنگ

کیونکر ہو مے کشوں کے تئیں اس ہوا میں صبر
کیا ابر ہے نظر تو کرو آسماں کا رنگ
حاتم کسو میں گرمئی صحبت نہیں رہی
دل دیکھ دیکھ سرد ہوا ہے جہاں کا رنگ

زمین طرحی در ۱۱۶۶ھ

میرے لالہ رو تیری سیر کو ہے چمن چمن یہاں باغ دل
یہاں سرو ہے میرا دود دل یہاں گل ہوا میرا داغ دل
کہو کس طرح کوئی ہو خوشی یہاں ایک دم ایسے دور میں
نہ وہ بزم ہے، نہ وہ ساقی ہے، نہ وہ شوق ہے نہ فراغ دل
کہاں ڈھونڈھیے وہ دوانہ ہے کہیں ٹھور ہے نہ ٹھکانہ ہے
گیا کس طرف، ہوگا کس طرف، پاؤں کس طرف میں سراغ دل
رہ چشم سے لگ لگ پلک سر ہر مژہ سے ڈھلک ڈھلک
یہاں قطرہ قطرہ چھلک چھلک مرا بہہ چلا ہے ایاغ دل
حاتم اس طرح کی زمین میں کہو کس طرح میں غزل کہوں
نہ خیال دل، نہ تلاش دل، نہ حواس دل، نہ دماغ دل

زمین کوکہ خان فغاں ۱۱۶۶ھ

نظر سے جب اکستا ہے مرا دل — تو جا کاکل میں پھنستا ہے مرا دل
میں اس کی چشم سے ایسا گرا ہوں — میرے رونے پہ ہنستا ہے مرا دل
گیا ہے جب سے وہ میری بغل سے — اسی کی بو میں بستا ہے مرا دل
خریدار اس کے بہتیرے ہیں تم سے — نہ جانو یہہ کہ سستا ہے مرا دل
یہاں تک غرق ہوں رونے میں حاتم — کہ ہنسنے کو ترستا ہے مرا دل

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

دل چاھتا ھے سیر بیابان ھو سو ھو
پھاڑوں ھوں اب تو اپنا گریبان ھو سو ھو
اب کے بہار ھو تو اجارے میں یوں جنوں
مدت سے دل میں ھے مرے ارمان ھو سو ھو
چاھے ھے دل گلے سے ملوں گو کرے تو ذبح
ھے روز عید میں ترے قربان ھو سو ھو
ھنستے نکل گیا تھا مرے مونہہ سے ایک روز
یہہ سر نظر کروں گا مری جان ھو سو ھو
کہتے تو میں کہا ولے حاتم اب اس کے تئیں
ایسی چڑھی ھے ضد کہ اسی آن ھو سو ھو

زمین طرحی ۱۱۶۶ ھ

وحشت سے ھر سخن مرا گویا غزالہ ھے
بو سے نشہ ھو یہ وہ مۓ دیر سالہ ھے
اس آن پر نثار کروں بزم جام جم
وہ مست ناز آج مرا ھم پیالہ ھے
بیگانہ دیکھتا ھوں میں ھر گل کا رنگ و بو
ھم داغ اس چمن میں اگر ھے تو لالہ ھے
آئے ھو اب، تو دختر رز دیکھتے ھو کیا
مشرب میں مے کشو یہ تمھاری حلالہ ھے
تنہا نہیں چلا ھوں میں حاتم بتاں کے شہر
ھمراہ اس سفر میں مرا آہ و نالہ ھے

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

ق ہر قدم صحرا میں اس کا خار دامن گیر ہے
باغ میں جاوے تو موج رنگ گل زنجیر ہے
شہر میں ہر کوچہ و بازار، ان لڑکوں کے ہاتھ
یک طرف ہے سنگ باراں یک طرف تشہیر ہے
پا برہنہ، سر کھلے، واہی تباہی، خستہ حال
سر سے پاؤں تک عجب حیرت زدہ تصویر ہے
تس اوپر باندھے لیے جاتے ہیں گردن مارنے
ب کوئی نہیں کہتا کہ یہ دیوانہ بے تقصیر ہے
اے فلک پروا نہیں سامان عشرت گو نہ ہو
ہم ہیں اور کنج قفس اور نالۂ شبگیر ہے
اب تلک پاتا نہیں ہے راہ اس کے دل میں حیف
نالہ میرا اس قدر اے آہ بے تاثیر ہے
کیوں عبث میرے دل لاغر اوپر رکھتا ہے دانت
استخواں جس کی نہ سونگھے سگ یہ وہ نخچیر ہے
تھا ابھی ہم پاس ابھی جاتا رہا غیروں کے پاس
آشنائی میں وہ لڑکا گنجفے کا میر ہے
مرشد کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
بے ادب ہو جو کہ پیر استاد سے بے پیر ہے

زمین طرحی ۱۱۶۶ھ

ترا قامت قیامت آفریں ہے تو گویا فتنۂ روئے زمیں ہے
شب ہجراں میں تنہائی کی مت پوچھ مسلسل اشک ہے یا آستیں ہے

ھجوم انتظار اس درجہ ھے یار کہ ھر یک داغ چشم دوربیں ھے
تیرے اس خرمن حسن و ادا کی جو دیکھا برق بھی اک خوشہ‌چیں ھے
پسند آوے تو بہتر ھے مرا دل کہ تیرے نام کے قابل نگیں ھے
لب شیریں سے تیرے تلخ دشنام یہ زھر آلودہ گویا انگبیں ھے
نظر کر ابلق ایام دن رات دو دم جیسے دو اسپ زیر زیں ھے
جو آتا ھے تو آ اس وقت اے جاں کہ اس دم، دم ھمارا واپسیں ھے
کبھو حاتم کے مشہد پر نہ گزرا
تغافل کو تیرے صد آفریں ھے !

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

عجب احوال دیکھا اس زمانے کے امیروں کا
نہ ان کو ڈر خدا کا اور نہ ان کو خوف پیروں کا
مثال مہر و مہ دن رات کھاتے چرخ پھرتے ھیں
فلک کے ھاتھ سے یہ حال ھے روشن ضمیروں کا
قفس میں پھینک ھم کو پھر وھیں صیاد جاتا ھے
خدا حافظ ھے گلشن میں ھمارے ھم صفیروں کا
مجھے شکوہ نہیں بے رحم کچھ ترے تغافل سے
کھلے بندوں پھرے سو حال کیا جانے اسیروں کا
کیا ھے اس نشان انداز نے ترکش تہی مجھ پر
مری چھاتی سراھو جس اوپر تودہ ھے تیروں کا
دل یاقوت ھے تجھ لعل لب کے رشک سے پرخوں
ترے دنداں کے آگے گھٹ گیا ھے مول ھیروں کا
ھمیں دیوان خانے سے کسی منعم کے کیا حاتم
ھے آزادوں کے گر رھنے کو بس تکیہ فقیروں کا

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

ایسے دنداں ھیں تیرے یار سفید جیسے موتی ہوں آبدار سفید
دیکھیے کس کے خوں سے رنگے گا آج ھیں ناخن نگار سفید
اب کی موسم نے کچھ ھوا بدلی تب ھے رنگ رخ بہار سفید
دشت میں کوئی برھنہ پا نہ پھرا اب تلک ھیں گے نوک خار سفید
دیکھی ہوں گی نہیں کسی نے کہیں تیری سی چشم پرخمار سفید
شب سے چاھے تھا یک گلیم سیاہ صبح سے ایک لنگ وار سفید
اے فلک اس قدر تغافل کیا ھو گئے چشم انتظار سفید
رشتہ الفت کا آگے رنگیں تھا اب کیا دھو کے تار تار سفید
کیو(ں) نہ زنار وسبحہ ھوئیں دو رنگ ھو گیا خون روزگار سفید
داغ ھے اس جبیں سے اے حاتم ماہ ھر چند ھے ھزار سفید

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

تم سے اب اے دوستاں رخصت ھوے جاتے ھیں ھم
اس کے کوچے میں گئے پھر گھر کو کب آتے ھیں ھم
سر سے آئے ھیں ولے از بسکہ ھے پاس ادب
پاؤں کو تیرے لگاتے ھاتھ شرماتے ھیں ھم
ھم وہ عاشق ھیں کہ معشوقوں کو کرتے ھیں غلام
بوالہوس کی عاشقی خاطر میں کب لاتے ھیں ھم
غیر کی صحبت میں ھم سے چھپ کے پیتے ھو شراب
اس تمہاری وضع سے خون جگر کھاتے ھیں ھم

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

اگر اس رات گل کے ساتھ تو ھم خواب ھے شبنم
سحر کو تو کہاں اور وہ کہاں سب خواب ھے شبنم

نہیں ہے غیر گل[1] گر غیر سے تجھ کو نظر بازی
تو کیوں خورشید کے دیکھے سے تو بےتاب ہے شبنم

ہے دھوکا[2] گو کہ ہر قطرہ نظر آتا ہے موتی سا
جو دیکھو فی الحقیقت تو سراپا آب ہے شبنم

نہ منہ کر اس طرف ذرے سے کیا خورشید کو نسبت
جو ٹھہرے اس کی نظروں میں تجھے یہ تاب ہے شبنم

نظر سے کیوں گراتی ہے ہمارے اشک گلگوں کو
پڑی رہ کیا تلے تیرے پر سرخاب ہے شبنم

عجب بے رونق اے حاتم ہوا ہے اس زمانے کی
چمن بے آب و گل بے رنگ اور نایاب ہے شبنم

زمین طرحی در ۱۱٦۷ھ

اُدھر تو رات ساری خوش رہے گل سے بہم شبنم
ادھر نالاں رہے تا صبحدم بلبل سے ہم شبنم

نفس تنگی کرے ہے باغباں کی پاس خاطر کر
دھرے مت اس طرح سے گل کی چھاتی پر قدم شبنم

تیرے تھا شور رونے کا یہی آنسو کی دو بوندیں
یہاں ہے ابر کی مانند ہر دم چشم نم شبنم

نفی، اثبات میں اس کے تئیں دن رات گزرے ہے
کہ پیدا ہر شب و ہر روز ہوتی ہے عدم شبنم

عدم میں ہم بھی تیری سی طرح چلنے کو حاضر ہیں
ہمارے ساتھ کو تو بھی تو ستا ایک دم شبنم

---

(۱) گل سوا (مجموعہ نغز) ۔ (۲) مخطوطے میں "دھوکھا" ۔

نہ تنہا چھوڑ جا حاتم کو، مل کر سیر گلشن کر
تجھے فصل بہار اور موسم گل کی قسم شبنم

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

خلق نے مفت میں کیا بدنام مجھ سے اس سے نہ ہے دعا نہ سلام
خواب میں اس کے دیکھ کر کف پا خواب مخمل اوپر ہوا ہے حرام
کھا گیا ایک ایک کو چن چن رات دن ہے یہی فلک کا کام
گور کا جو شکار کرتا تھا آپ اب صید گور ہے بہرام
تم کو ہے شرم یا رسول اللہ اپنے حاتم کی، ہے تمہارا غلام

۱۱۶۷ھ

افسوس شیخ دل سے تجھے راہ ھی نہیں
بہتر تو اس سے کوئی گزرگاہ ھی نہیں
تو ڈھونڈھتا کسے ہے ٹک اپنی طرف تو جھانک
جو کچھ ہے تجھ میں اس سے تو آگاہ ھی نہیں
امید کیا اثر کی رکھوں دل کے بیچ آہ
یک عمر سے جگر میں میرے آہ ھی نہیں
مدت سے میں پھروں ہوں لیے دل کو ھاتھ پر
دیکھا تو شہر میں کوئی دل خواہ ھی نہیں
حاتم قدم سنبھال کے رکھ راہ عشق میں
وہ بحر ہے کہ جس کی کہیں تھاہ ھی نہیں

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

سب سے کرتا ہے سین نظروں میں ہم کیا اس کو عین نظروں میں
جس طرف دیکھتا ہوں آفت ہے نہیں آتا ہے چین نظروں میں

میں تجھے دیکھا تو مجھے دیکھا مل گئے جان بین نظروں میں
تجھ سے حاتم کہے ہے دیکھ ادھر چھوڑ دے ہم سے کین نظروں میں

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۶۷ھ

روانے سے میرے دل کو مکدر نہ کر کہیں
شبنم سے جان گل کو ہوا ہے ضرر کہیں
ق: افسانہ اپنے دل کی مصیبت کا دوستاں
کہتا ہوں تم سے اب جو سنو کان دھر کہیں
اس طفل دل کی دل سے کرے تھا میں پرورش
کہتا رہے تھا روز کہ نور بصر کہیں
نظروں سے میری دور نہ ہونا کہ جان من
ڈرتا ہوں لگ نہ جائے کسو کی نظر کہیں
جانا نہ میرے پاس سے پیارے کسی طرف
پھرنا نہ ایسے وقت میں نادان ہر کہیں
اس شہر میں سنا ہے کہ پھرتے ہیں دن کو چور
دیکھے ہیں جس کسو کے جو دل کو جدھر کہیں
لے جاکے اس طرح سے چھپاتے ہیں گھر کے بیچ
پاتا نہیں ہے اس کا کوئی پھر اثر کہیں
دن رات پاسباں کی طرح جاگتا رہا
سوتا کئی برس سے نہ تھا نیند بھر کہیں
رہتا تھا اس خلل میں کہ میری طرف ہوا
ناگاہ آسماں سے قضا کا گزر کہیں
یک بارگی پلک سے پلک آشنا ہوئی
غفلت سے ایک دم میں ہوا بے خبر کہیں

جن کو کبھے تھا چور سو دل کی تلاش میں
ان میں سے ایک آگیا دلبر ادھر کہیں
دل کو مری بغل سے لیا اس طرح نکال
لیتے ہیں جس طرح سے صدف سے گہر کہیں
چونکا تو دیکھتا ہوں میرے پاس دل نہیں
جاتا رہا ہے ہاتھ سے ایسا ثمر کہیں
روتا و سر پٹکتا پھرا ڈھونڈھتا اسے
ایسا پھرا نہ ہوگا کوئی در بدر کہیں
رونے سے اپنے مجھ کو یہاں تک ہوا ہے خوف
نکلے نہ جائے اشک کے لخت جگر کہیں
جتنا خیال کرتا ہوں سارے جہان میں
آتا نہیں ہے کوئی نظر داد گر کہیں
ڈرتا ہوں آہ و نالہ و شور و فغاں سے آج
ہو جائے یہ جہاں نہ زیر و زبر کہیں
پاوے کوئی کہاں سے جو جاتا رہا ہو دل
جس کا نہ ہووے ٹھور ٹھکانا نہ گھر کہیں
حاتم گیا ہوا نہیں آتا ہے ہاتھ دل
باز آ تو اس تلاش سے آ صبر کر کہیں

زمین طرحی در ۱۱۶۷ھ

چلا ہے کس طرف تو آج شمشیر و سپر بستہ
میں سر دینے کو بیٹھا ہوں یہاں قاتل کمر بستہ
کدھر جاتا ہے اے دل رات کو ظلمات کے اندر
کہاں ہے راہ اس کی زلف کا کوچہ ہے سر بستہ

خبر دیتا ہے جیسے مشک نافہ آہوے چیں سے
مرے سینے سے یوں دیتا ہے بوخون جگر بستہ
ہمارے دل کے بازو رشتۂ الفت سے باندھے ہیں
کرے پرواز کیوں کرجو کہ ہووے صید پر بستہ
اگرچہ سرو کو تشبیہ تو دیتے ہیں قامت سے
و لیکن تجھ سا کب ہوگا قد موزوں و بربستہ
سنے جو فصل گل کا نام میرا آج دیوانہ
دکھاوے پاؤں اپنے ہوئے زنجیروں میں گربستہ
سخن کے جوہری سے کام ہے حاتم کو اے یارو
کہ لایا ہے یہ بحر طبع سے سلک گہر بستہ

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بھلا کر شہر کے سب کوچہ و بازار اور رستہ
اکیلا کلبۂ احزاں میں ہوں ہو بیٹھا در بستہ
تجھے درکار کیا ہے پھول رکھنا ہاتھ میں گل رو
سر انگشت حنائی ہیں ترے یک دست گلدستہ
ترے لب نے کیا ہے بھاؤ پھیکا قند و مصری کا
اور آنکھوں سے ہے اے پستہ دہن بادام دلخستہ
بتاں نے گردنیں اپنی دھریں فرمان کے نیچے
کہ ہے مشہور تری ذوالفقار ابروے پیوستہ
عبید احسان ہوں صیاد کا جس نے قفس کا در
کیا ہے جب سے وابستہ ہوا ہوں تب سے وابستہ
چمن میں ہو رہی تھی بیت بحثی، سرو سے قمری
ترے قد کو کہے تھی مصرعۂ دلچسپ و برجستہ
ہوا ہوں تربیت حاتم میں آزادوں کی صحبت میں
پھروں ہوں تب تو ایسا بے غم و اندوہ وارستہ

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

ہماری خاک سے ایسا رمیدہ چلا جاتا ہے کیوں دامن کشیدہ
پناہ سایۂ مژگاں میں تیرے ہے صید دل ہمارا آرمیدہ
قدم بوسی کو تیری زیب گلشن ہوئی حسرت سے شاخ گل خمیدہ
چمن میں کون آیا ہے کہ اس وقت ہے ایسا رنگ روے گل پریدہ
اڑے کیوں کر سر دیوار تک آہ ہے دل مانند صید پر بریدہ
ہمارے اس دل بے قدر کی قدر وہی جانے جو ہو آفت رسیدہ
کبھو تو جان حاتم کی طرف دیکھ کہ بندہ ہے تیرا بے زر خریدہ
نہ تنہا آرزو ہے اس کے دل میں تری صورت کا ہے عالم ندیدہ
ازل سے تا ابد خوباں کی صف میں کیا ہے حق نے تجھ کو برگزیدہ
ہوئی ہے ختم تجھ پر حسن کی شان نہیں ہے تجھ سا کوئی آفریدہ
پڑھوں ہوں ترے آگے شعر اُستاد سن اے قاتل نگہ دزدیدہ دیدہ
”ترا دیدیم و یوسف را شنیدیم
شنیدہ کے بود مانند دیدہ“

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

بزم میں کس کے تئیں فرصت مے نوشی ہے
نگہۂ مست[1] تری داروے بے ہوشی ہے
سرو گل رنگ میرا سیر چمن کرتا ہے
بلبل و قمری میں اس وہم سے سرگوشی ہے
لٹ پٹی چال تری دیکھ کے اے سرو رواں
شاخ گل باغ میں مشتاق ہم آغوشی ہے

---

(۱) مخطوطے میں ”نگہی مست“۔

دل کے تئیں صاف تو آئینہ کی مانند بنا
تجھ کو درویش اگر شوق نَمدَ پوشی ہے
ساز درویشی و سامان فقیری حاتم
میری فہمید میں تنہائی و خاموشی ہے

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

توبہ زاھد کی توبہ تلّی ہے چلّے بیٹھے تو شیخ چلّی ہے
دل میں ہے مکرو ھاتھ میں تسبیح یہ عبادت نہیں حیلی (؟) ہے
ریش ہے یہ کہ شاخ شانا ہے جس کی رندوں کے بیچ کھلی ہے
پگڑی اپنی یہاں سنبھال چلو[1] اور بستی نہ ہو یہ دلّی ہے
سگ شیر خدا ہے تو حاتم
خارجی تیرے آگے بلّی ہے

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

جنبش دل نہیں بے جا، تو کدھر بھولا ہے
کوئی لڑکا اسے گھوارہ سمجھ جھولا ہے
خون تو نے جو بہایا ہے سیہ بختوں کا
تیرے کوچے میں عجب شام و شفق پھولا ہے
خوب رندوں نے اڑائے ھیں مزے دنیا کے
خیر کو بکر ہے مردوں کی وہ مدخولا ہے
بہتر ہے عشق مجازی تجھے بیکاری سے
جب تلک عشق حقیقی ہو یہ مشغولا ہے
پائے ہمت تو ترا لنگ نہیں ہے حاتم
گو مرے کام کے تئیں دست فلک لولا ہے

---

(۱) پگڑی اپنی سنبھالے چلنا شیخ ' (مجموعہ نغز)۔

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

طمع بوسے کی رکھنا لب سے ترے محض بے جا ہے
توقع گالیوں کی ہے تیرے مونہہ سے اچنبھا ہے
ہوئی یک عمر ہم کو بندگی و جانفشانی میں
نہ تجھ سے چشم شفقت ہے نہ امید دلاسا ہے
گنواروں کی ہنسی ہے موت چڑیا کی سنا ہوگا
ادھر عاشق کا جی نکلے ادھر تجھ کو تماشا ہے
حباب آسا اگر قطرہ اٹھا دے وہم کا پردا
پھر آنکھیں کھول کر دیکھے تو آپ ہی عین دریا ہے
تعیّن کے تقیّد کو اٹھا، کر دید قدرت کا
کہ تیری چشم کے آگے ترے خطرے کا پردا ہے
مبارک عشق کے کشور کی تجھ کو سلطنت حاتم
جنوں ہے خان ساماں جس کا اور دیوان سودا ہے

زمین طرحی ۱۱۶۷ھ

غبار ایسا نہ ہو ہم سے ترے دل میں فلک بیٹھے
چلے جاتے اگر اس راہ میں ہم بھی تُنک بیٹھے
ہمیں پوچھو تو ہستی اور عدم میں کیا تفاوت ہے
جو آیا اور کوئی اس بزم میں ٹک ہم سرک بیٹھے
سفر کا عزم آواز جرس سے دل میں آیا تھا
نہ پایا جب سراغ کارواں چل چل کے تھک بیٹھے
نکلنا جاں کا تن پر بار ہے دنیا کی اُلفت سے
نہ ہووے ماندگی مرکب کو گر راکب سبک بیٹھے
کریں شکران نعمت کیوں نہ حق کے خوان الواں کا
کہ جس کا گھرمیں ہم طفلی سے کھاتے ہیں نمک بیٹھے

ہماری خاک سے اس درجہ اس وحشی کو نفرت ہے
کہ جس مجلس میں جاوے پہلے دامن کو جھٹک بیٹھے
ہمیں مضمون و معنی سے نہیں کچھ ربط اے حاتم
جو دل کی لہر میں آیا زباں[1] پر ہم بھی بک بیٹھے

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

چشم بد دور کہ دروازہ ہے میخانے کا
گرم بازار ہوا شیشہ و پیمانے کا
عشق میں چاہے کہ استاد ہوں، تو ہو شاگرد
شمع سے رونے میں جل مرنے میں پروانے کا
نہ رکھا خانۂ زنجیر سے پاؤں باہر
گھر ہے ویرانہ ہی اس طرح کے دیوانے کا
دسترس کس کو ہے تجھ زلف کی پابوسی کی
ہاتھ پہنچے ہے وہاں تک تو کبھو شانے کا
آشناؤں سے نہیں چشم مروّت حاتم
شکوہ بے جا ہے جو کیجے کسو بیگانے کا

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

یارو کوئی نہ دیکھا عالم میں یار دل کا
جو درد میں شریک ہو اس دل فگار دل کا
ان بے مروّتوں سے ہرگز نہ ملنے دیتا
ہوتا جو ہاتھ میرے کچھ اختیار دل کا
ایسا ہوا ہے غائب جس کی خبر نہ پائی
بیٹھا عبث کروں ہوں میں انتظار دل کا

(۱) نشے کی لہر میں جو دل میں آیا ہم...... الخ (مجموعہ نغز)۔

شیشے کیے ہیں خالی ہے دھوم میکدے میں
جاتا نہیں ہے تو بھی اب تک خمار دل کا
ناصح بغل میں آ کر دشمن ہوا ہمارا
جاوے گا کب الٰہی مجلس سے خار دل کا
اس کی گلی میں مر کر ہم خاک ہوگئے ہیں
جاتا نہیں ہے تو بھی اس کے غبار دل کا
تیرا کبھو نہ ہو گا بہلاوتا ہے تجھ کو
حاتم نہ کیجو ہرگز تو اعتبار دل کا

زمین کوکہ خان فغان در ۱۱۶۸ھ

ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا — تو ایسا عشق کا چرچا نہ ہوتا
فلک سے گر ملک آتا زمیں پر — قسم ہے تو بھی وہ ہم سا نہ ہوتا
اگر روتے نہ ہم تو دیکھتے تم — جہاں میں ناؤ کو دریا نہ ہوتا
برا ہوتا جو ہوتا عشق معدوم — بھلا ہوتا جو میں پیدا نہ ہوتا
اناالحق کر نہ کرتا راز حق فاش — تو اتنا خلق میں رسوا نہ ہوتا
قیامت کا کوئی ہوتا نہ قائل — اگر قامت ترا بالا نہ ہوتا
لگاتا تو نہ گر پاؤں میں مہندی — تو فتنہ شہر میں برپا نہ ہوتا
نہ چاہا جاہ حاتم آفریں ہے — خدا جانے کہ ہوتا یا نہ ہوتا

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

دل دیکھتے ہی اُس کو گرفتار ہوگیا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہوگیا
مل مل کے میکشوں سے وہ مے خوار ہوگیا
کیا خوب آدمی تھا پر اب خوار ہوگیا
دیکھی جو اُس کے ہاتھ میں شمشیر خوش غلاف
حسرت سے سر بدن کے اوپر بار ہوگیا

اتنا میں انتظار کیا اُس کی راہ میں
جو رفتہ رفتہ دل مرا بیمار ہوگیا
یک عمر بعد گھر مرے آیا وہ ناز سے
یعنی گزار اُس کا قضا کار ہو گیا
آنے کی ماندگی سے اُسے نیند آ گئی
گھر اپنا جان خواب میں دلدار ہو گیا
میں تب ادب سے اُس کے لگا پاؤں دابنے
سو گئے مرے نصیب وہ بیدار ہو گیا
ایسا اُٹھا خمار سے یک بار بے دماغ
صورت کو میری دیکھتے بے زار ہوگیا
آنکھیں بدل کے، منہ کو پھلا، تیوری چڑھا
بے زار کیا، گلے کا مرے ہار ہوگیا
کہنے لگا کہ ''کیوں[1] جی، تو سمجھا تھا دل میں کیا؟
چل دور ہو، پرے ہو، بہت یار ہوگیا!''
حاتم عجب ہے رسم یہ اقلیم عشق کی
پاؤں کو ہاتھ لگتے گنہگار ہوگیا

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

پوچھوں ہوں اس سے بات تو دے ہے جواب تلخ
وہ زود رنج ہوئے ہے مجھ سے شتاب تلخ
کرتا ہے نالہ کوئی پس دیوار اس قدر
دن رات ہوگیا ہے مجھے خور و خواب تلخ
مستوں سے پوچھیے تری دشنام کا مزا
دونا نشہ کرے ہے جو ہوئے شراب تلخ

---

(۱) مخطوطے میں ''یوں''۔

تجھ بن ہمارے کام میں شربت ہوا ہے زہر
منہ میں سدا مریض کے لگتا ہے آب تلخ
میں اس کے کیا گزک یہ دل سوختہ کروں
ہو جائے ہے جلے سے اے حاتم کباب تلخ

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

کشتی مری تباہ نہ کر ناخدا شناس
جانے دے ناخدا کو تو ہو جا خدا شناس
کہنے لگا خموش، نہیں جائے دم زدن
قدرت کا اس کی دیکھ تماشا خدا شناس
حیراں ہیں اپنے اپنے جو دیکھا سو کام میں
کیا ناخدا شناس یہاں، کیا خدا شناس
اے نالہ تیرے درد کو پہنچے یہاں وہی
یا اہل درد ہو کوئی ہو یا خدا شناس
مسجد میں سر پٹکتا ہے تو جس کے واسطے
سو تو یہاں ہے دیکھ ادھر آ خدا شناس
پکڑا نہ جائے ان کے گناہوں میں تو کہیں
سائے سے مے کشوں کے پرے جا خدا شناس
حاتم پھروں ہوں ڈھونڈھتا عالم میں کو بکو
آوے کہیں کوئی بھی نظر تا خدا شناس

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

کر چکے شرط بندگی ہم سے ہوئی جہاں تلک
دل تو کباب ہوگیا حق نمک کہاں تلک
ابر نہیں فلک اوپر غور سے ٹک نظر کرو
پہنچا زمیں سے ہے مرا دود دل آسماں تلک

ڈرتا ہوں چشم بد سے جاں، ایسا نہ ہو نظر لگے
سرمے کی دھوم ہے ترے ہند سے اصفہاں تلک

چھوٹی قفس سے تب کہ ہوئی بے پر و بال عندلیب
اتنا نہ اس میں حس رہا اڑ سکے آشیاں تلک

رگ و پے، گوشت و پوست، سب گل گیا انتظار میں
تو بھی تری گلی سے سگ آیا نہ استخواں تلک

جل رہی ہے خزاں کے ہاتھ آن کے کیا کرے نسیم
رہ ہی میں اڑ گئی بہار پہنچی نہ گلستاں تلک

حاتم کم سخن تبھی پاوے گا اپنی داد تو
پہنچے گا جب سخن ترا جا کسو نکتہ داں تلک

زمین طرحی در ۱۱۶۸ھ

تھا پاس ابھی کدھر گیا دل — یہ خانہ خراب گھر گیا دل
خوار ایسا ہوا بتاں کے پیچھے — نظروں سے مری اتر گیا دل
شبنم کی مثال روتے روتے — اس باغ سے چشم تر گیا دل
جوں خضر رہا ہمیشہ تنہا — ایسے جینے سے بھر گیا دل
کیا پوچھتے ہو خبر تم اس کی — یک عمر ہوئی کہ مر گیا دل
مرتے مرتے بھی یہ جواں مرگ — سوراخ جگر میں کر گیا دل

تھا دشمن جاں بغل میں حاتم
جانے دے بلا سے گر گیا دل

زمین سودا ۱۱۶۸ھ

جب آپ سے ہی گزر گئے ہم — پھر کس سے کہیں کدھر گئے ہم
کیا کعبہ و دیر و کیا خرابات — تو ہی تھا غرض جدھر گئے ہم

آئے تھے مثال شعلہ سرگرم
جاتے ہوئے جوں شرر گئے ہم

شبنم کی طرح سے اس چمن سے
ہوتے ہی دم سحر گئے ہم

کچھ اپنے تئیں کیا نہ معلوم
کیا آپ سے بے خبر گئے ہم

جز حسرت عمر رفتہ افسوس
کچھ آ کے یہاں نہ کر گئے ہم

شیخی سے گزر ہوے قلندر
بگڑے تھے پر اب سنور گئے ہم

اس درجہ ہوے خراب الفت
جی سے اپنے آتر گئے ہم

فیض اس لب عیسوی کا حاتم
بالعکس ہوا کہ مر گئے ہم

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

تجھے جو قتل کی میرے امنگ ہے ظالم
تو آ پہنچ کہ یہاں وقت تنگ ہے ظالم

یہ تو، یہ میں، یہ مرا سر، یہ تیغ، یہ ترے ہاتھ
مری مراد کو اب کیا درنگ ہے ظالم

کبھو میان کرے ہے کبھو نکالے ہے
ہمارے خون سے کیا تجھ کو ننگ ہے ظالم

لگا شتاب، بھلا آدمی ہو، احسان کر!
کہ ایسے جینے سے اب جی بتنگ ہے ظالم

تغافل اس قدر حاتم سے شخص کے حق میں
کوئی بھی تجھ میں مروّت کا ڈھنگ ہے ظالم

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

میکدے میں صاحب جام و شراب و شیشہ ہوں
محتسب دونو جہاں کے غم سے بے اندیشہ ہوں

ہم نے توڑا کوہ غم اس نے بنایا بیستوں
کوہ کن سے عاشقی کے کام میں ہم پیشہ ہوں

کثرت آھوں سے میرا دل نیستان بن گیا
عشق کی دولت سے عشاقوں میں شیر بیشہ ھوں

مشفقو گر غیر سے ایذا ھو تو کیجے علاج
دل کی چوٹوں سے میں ذرہ ذرہ ریشہ ریشہ ھوں

(مدح و ذم[1]) سے نیک و بد کی کام کیا حاتم مجھے
بندۂ دل ھوں، نہ شاعر ھوں نہ شاعر پیشہ ھوں

زمین خواجہ میر درد ۱۱۶۸ھ

نے شکوہ مند دل سے نہ از دست دیدہ ھوں
اس بخت نارسا سے اذیّت کشیدہ ھوں

کو خندہ، کو تبسّم و کو فرصت سخن
اس انجمن میں میں[2] لب حسرت گزیدہ ھوں

نے کام کا کسی کے نہ مجھ کو کسی سے کام
حیراں ھوں کس لیے میں یہاں آفریدہ ھوں

ھستی کو نے ثبات نہ جینے کا اعتماد
کس کی امید پر کوئی دم آرمیدہ ھوں

میرا تو کام ایک پلک میں تمام ھے
مانند اشک بر سر مژگاں رسیدہ ھوں

گل چیں عبث نگاہ رکھے ھے مری طرف
میں اس چمن میں رنگ رخ گل پریدہ ھوں

اس واسطے تو قدر میری جانتا نہیں
ھاں ان ترے غلاموں میں بے زر خریدہ ھوں

---

(۱) کرم خوردہ۔ (۲) اب (مجموعہ نغز)۔

پاس ادب سے اس کے قدم تک نہیں مجال
ورنہ نہ پا شکستہ نہ دست بریدہ ہوں
دشمن سے بھی تواضع میں رکھتا نہیں دریغ
تعظیم کو عدو کی میں تیغ خمیدہ ہوں
رونے تلک تو کس کو ہے فرصت یہاں سحاب
طوفاں ہو ابھی جو ٹک اک آب دیدہ ہوں
یاراں دماغ کو جو کروں تم سے اختلاط
اس دشت میں میں وحشی از خود رمیدہ ہوں
کیا پوچھتے ہو درد کو حاتم کے دوستاں
''جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں''

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

حق سے عاشق کا شیخ راز کہاں تیرا روزہ کہاں نماز کہاں
رات بیمار کی بھی ہے تو بڑی زلف کی سی شب دراز کہاں
سرو اور اس کے قد سے کیا نسبت وہ کہاں اور وہ سرو ناز کہاں
دشمن عاشق سے کڑکڑاوے ہے کڑک مرغی کہاں و باز کہاں
حاتم ہر ایک سے ہمیشہ نہ مل روز ملنے میں امتیاز کہاں

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

تم تو بیٹھے ہوے پر آفت ہو اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
دل تو چاہ ذقن میں ڈوب گیا آشنا تھا غریق رحمت ہو
نزع کے وقت بھی نگاہ نہ کی کیا سیہ چشم و بے مروّت ہو
وہی جانے ہے عافیت کی قدر جس کسو پر کبھیں مصیبت ہو
مفلسی اور دماغ اے حاتم کیا قیامت کرے جو دولت ہو

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

ابر ہے اور بہار باراں ہے روز عید شراب خواراں ہے
لالہ ہم داغ دل ہے عاشق کا نرگس ہم چشم انتظاراں ہے
ابر مونس ہے اشک باروں سے برق ہم تاب بے قراراں ہے
درد مندوں کی آہ ہے ہم درد نالہ دمساز سوگواراں ہے
شام ہجراں کا رو سیاہ کرو صبح وصل امیدواراں ہے
حق کی رحمت کا گرم ہے بازار روز عفو گناہ گاراں ہے
سب مہیا ہے عیش کا اسباب حاتم اب انتظار یاراں ہے

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

پھر خبر اس فصل میں یارو بہار آنے کی ہے
اب بجز زنجیر کیا تدبیر دیوانے کی ہے
خاک کر دیوے جلا کر پہلے پھر ٹسوے بہائے
شمع مجلس میں[1] بڑی دلسوز پروانے کی ہے
بھید زلفوں کا بیاں کرنے میں ہو جاتا ہے گنگ
ورنہ کہنے کو جو پوچھو سو زباں شانے کی ہے
شیخ اُس کی چشم کے گوشے سے گوشے ہو کہیں
کس طرف جاتا ہے بہکا[2] راہ میخانے کی ہے
حوصلہ تنگی کرے ہے شہر کے کوچے ہیں تنگ
ب ہوس دل میں ہمارے سیر ویرانے کی ہے
چاہیے کیا، بات کہتے ہو جہاں میں قتل عام
دیر منہ سے ٹک تمہارے حکم فرمانے کی ہے
جی میں آتا ہے کہ حاتم آج اُس کو چھیڑئیے
مدتوں سے دل[3] میں حسرت گالیاں کھانے کی ہے

---

(۱) بھی (مجموعہ نغز) - (۲) احمق (مجموعہ نغز) - (۳) جی (مجموعہ نغز) -

زمین طرحی ۱۱۶۸ھ

دوستاں کہیو اسے ایسی طرح تا دیکھے
اپنے ماروں کے ٹک اک حال کو حال آ دیکھے
کوئی تڑپھے کوئی سسکے ہے کوئی مرتا ہے
اس کے کوچے کی طرف آج جو ہم جا دیکھے
غرض اس نزع کی حالت میں یہی کہتے تھے
جی ترستا ہے ہمارا کہ وہ ترسا دیکھے
میں کہا ہاتھ سے تم جس کے یہاں تک پہنچے
سنگ دل، کافر بے رحم، سو اب کیا دیکھے
تب اشارے سے لگے کہنے کہ حاتم کہیو
یا کرے قتل وہ ہم سب کے تئیں یا دیکھے

زمین رفیع سودا ۱۱۶۹ھ

شانہ نہ کیجو زلف کو[1] زنہار دیکھنا
بہتوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا
میری بغل سے شیشۂ دل لے چلا تو ہے
ظالم لگے نہ ٹھیس خبردار دیکھنا
گھر تو تب آوے خوش کہ مرے پاس تو ہو جان
ورنہ چہ فایدہ در و دیوار دیکھنا
سیر چمن کی دل کو مرے آرزو نہیں
حسرت ہے مجھ کو وہ گل بے خار دیکھنا
ق : دیکھے تھا دور سے میں اسے چھپ کے ایک روز
نظروں میں پا گیا وہ ستم گر دیکھنا

۱- میں (تذکرہ میر حسن) -

میں اپنے دل میں ڈر کے وہاں سے نکل چلا
اس نے کہا پکار کے یک بار دیکھنا

جانے نہ پاوے اس کو جہاں ہو تہاں سے لاؤ
گھر میں نہ ہو تو کوچہ و بازار دیکھنا

ناگاہ ہاتھوں ہاتھ مجھے سب نے آ لیا
اس وقت میں ہوا نہ کوئی یار دیکھنا

رسوا و خوار و خستہ و مجروح و ناتواں
بے بس اسیر و بے کس و بیمار دیکھنا

اب تو چلا ہوں جو مری قسمت میں ہو سو ہو
یا چھوٹنا ہے یا دم تلوار دیکھنا

لے جا کے دست بستہ مجھے سب نے کی یہ عرض
اے جرم بخش عاشق غم خوار دیکھنا

حاتم کے تئیں جو حکم کیا تھا سو اس گھڑی
حاضر ہے روبرو ہے گنہگار دیکھنا

سن کر کہا کہ پہنچا تو اپنی سزا کے تئیں
میری طرف تھا کیا تجھے درکار دیکھنا

تقصیر تو ہوئی، میں کہا، ورنہ جان من!
کس کو خوش آوتا تھا یہ آزار دیکھنا

کہنے لگا کہ مصرع سودا نہیں سنا
”جو کچھ خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا[۱]“

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

احسان ترا دل مرا کیا یاد کرے گا
جو خاک کو اس کی نہ تو برباد کرے گا

۱- ”پر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا“ (کلیات سودا، مطبوعہ نولکشور ص:۲۵)

نے حسرت گل گشت نہ پرواز کی طاقت
صدقے میں ترے کیا مجھے آزاد کرے گا

موجود ہوں، حاضر ہوں میں، راضی ہوں، خوشی ہوں
سر پر مرے جو کچھ کہ وہ جلّاد کرے گا

جز غم کے نہ حاصل ہوا صحبت میں کسو کی
اس دل کو الٰہی کوئی بھی شاد کرے گا

ق: سودا نہ گیا اس کا طبیبوں کی دوا سے
تو آ کے علاج اب کوئی فصّاد کرے گا

جو اس میں بھی چنگا نہ ہوا تو کوئی دن کو
جا خانۂ زنجیر کو آباد کرے گا

اُس کی جو کمر ہوئے تو کھینچے کوئی حاتم
کیا اپنا سر آ کر یہاں بہزاد کرے گا

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

خاک قسمت میں نہیں، ڈھونڈھوں اکسیر[1] ہنوز
جا چکا ہاتھ سے دل، کرتا ہوں تدبیر ہنوز

کثرت آہ و فغاں سے تو گلا بیٹھ گیا
تو بھی ہوتا ہے مرا نالہ گلوگیر ہنوز

نام کو بھی نہ رہا ایک یہاں دیوانو
چشم وا دیکھو کہ ہے حلقۂ زنجیر ہنوز

رشک غربال ہے سینے میں کلیجا چھن کر
تو بھی ہے دل میں مرے آرزوے تیر ہنوز

۱- مخطوطے میں 'اکثیر'۔

خلق مرتی ہے جسے سن کے وہ کیسا ہو گا
جس کی دیکھی نہیں ہے خواب میں تصویر ہنوز
عشق میں جس کے اٹھاتا ہے ہزاروں صدمے
اس سے پھرتا نہیں حاتم دل بے پیر ہنوز

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

جب وہ دیکھے ہے میری جاں کی طرف
دیکھتا ہوں میں آسماں کی طرف
پر نہ جل جائیں ٹک سمجھ کے ہما
دیکھیو میری استخواں کی طرف
غنچے منہ لے رہے ہیں اپنا سا
دیکھ تیرے لب و دہاں کی طرف
بلبلو چہچہے مبارک ہوں
وہ گل آتا ہے گلستاں کی طرف
ان دنوں بے طرح سے کچھ حاتم
دل تیرا جائے ہے بتاں کی طرف

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

آرزو ہے ایک دن مستی میں ہو بے باک ہم
دختر رز کو آڑاویں چل کے زیر تاک ہم
آئے تھے اس باغ میں مانند غنچہ سر بجیب
اور چلے جاتے ہیں اب جوں گل گریباں چاک ہم
غم کدے میں دھر کے یک دم نہ دیکھا دل کو خوش
سوگواروں کی طرح اس جا رہے غم ناک ہم

رحم تیرا ظلم ہے حق میں ہمارے اے اجل
دیر کیا کرتی ہے کیا جی کر کریں گے خاک ہم
گھر کیا ہے ہم نے حاتم بر سر دار فنا
بھاڑ میں ڈالیں گے لے کر منصب و املاک ہم

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

نہ محتسب سے ہے مجھ کو غرض نہ مست سے کام
مجھے تو لینا ہے ساقی (کے آج دست) سے کام
صنم تو میری پرستش کی قدر تب جانے
کہ جب پڑے تجھے کافر خدا پرست سے کام
میں گوشہ گیر ہوا سیر کر نشیب و فراز
رہا نہ میرے قدم کو بلند و پست سے کام
رکھے ہے شیشہ مرا سنگ ساتھ ربط قدیم
کہ آٹھ پہر مرے دل کو ہے شکست سے کام
جسے مساوی ہے ماضی و حال و مستقبل
اسے رہا نہیں آئندہ بود و ہست سے کام
میں کفر و دیں سے گزر کر ہوا ہوں لامذہب
خدا پرست سے مطلب نہ بت پرست سے کام
دل اُس کی زلف کے پیچوں میں حاتم الجھا ہے
رکھے نہیں ہے میرا صید دام و شست سے کام

زمین طرحی تضمین ۱۱۶۹ھ

شیخ اب تجھ کو مبارک ہو یہاں طوف حرم
ہم ہوں اور شیشا ہو اور مطرب ہو اور بیت الصنم

جان لے اے جان من ! توام ہے ہستی اور عدم
کوئی دم ہم تم ہیں، کوئی دم میں پھر تم ہو نہ ہم
ہاتھ سے اس مرگ کے جاں بر نہ دیکھا ایک کو
کیا سلیماں ، کیا سکندر، کیا فریدوں ، کیا ہو جم
سر قدم پر رکھ ترے اور جائیے سر سے گزر
ہے یہی سر میں ہوس مرے ، تیرے سر کی قسم
ایک دن حاتم میں جاتا تھا بیاباں کی طرف
ناگہاں ایک گور اوپر جا پڑا میرا قدم
خاک سے اس کی میرے آواز آئی کان میں
وہ غرض یہ بیت پڑھتا تھا بصد سوز و الم
"از فریب باغباں غافل مشو اے عندلیب !
پیش ازیں من ہم دریں باغ آشیانے داشتم"

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

نہ کچھ ستم سے ترے آہ آہ کرتا ہوں
میں اپنے دل کی مدد گاہ گاہ کرتا ہوں
نہ آفریں ، نہ دلاسا ، نہ دل دہی ، نہ نگاہ
غرض میں (ہی)[1] ہوں جو تجھ سے نباہ کرتا ہوں
اسے کہیں ہیں ، سنا ہوگا شیخ ، خوف و رجا
ادھر تو توبہ ، ادھر میں گناہ کرتا ہوں
تو اپنے دل کی سیاہی کرے ہے دھو کے سفید
میں اپنے نامہ عمل کا سیاہ کرتا ہوں
تو روز سنگ سے مسجد کے سر پٹکتا ہے
میں اس کا نقش قدم سجدہ گاہ کرتا ہوں

۱- مخطوطے میں " ہیں "-

تجھے ہے اپنی عبادت اوپر[1] نظر لیکن
میں اس کے فضل کے اوپر نگاہ کرتا ہوں
مثال رشتۂ تسبیح روز و شب[2] حاتم
چھپے چھپے میں کئی[3] دل میں راہ کرتا ہوں

زمین طرحی در ۱۱۶۹ھ

اس کی قدرت کا دید کرتا ہوں — روز نو روز و عید کرتا ہوں
میرا احوال فقر مت پوچھو — زھد مثل فرید کرتا ہوں
روز بازار ملک ہستی میں — جنس عصیاں خرید کرتا ہوں
فتح کرنے کو قلب دل کا حصار — تیغ ہمت کلید کرتا ہوں
بس کہ میں تشنۂ شہادت ہوں — دل کو ہر دم[4] شہید کرتا ہوں
نہ میں سنی نہ شیعہ نے کافر — ایک لعن یزید کرتا ہوں
شیخ تو گو کہ پیر زادہ ہے — پر تجھے میں مرید کرتا ہوں
اپنے احسان خلق سے حاتم — آدمی کو عبید کرتا ہوں

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

ہم وہ جب ہم شراب ہوتے ہیں — کئی مرغے کباب ہوتے ہیں
قہر کرتے ہیں مجلسوں میں بتاں — جس گھڑی بے حجاب ہوتے ہیں
کون جانے ہے غیر زلف صنم — دل میں جو پیچ و تاب ہوتے ہیں
گھر بگھر وہ ہے مست عشوہ و ناز — در بدر ہم خراب ہوتے ہیں
دل ہی جانے ہے اس کی لذت کو — جس مزے کے عتاب ہوتے ہیں
جو گزرتے ہیں مرے دل میں خیال — آنکھ کھلتے ہی خواب ہوتے ہیں
اس کے دنداں کو دیکھ کر حاتم — موتی حسرت سے آب ہوتے ہیں

---

(۱) عبادات پر - (۲) دیکھ لے - (۳) کسی - (۴) اپنے -

[انتخاب حاتم، حسرت صفحہ ۳۰-۳۱] -

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

ابر میں دیکھ کنارے سے بہار دامن
برق ہوتی ہے ترے آ کے نثار دامن

ہاتھ سے دشت جنوں میں تیرے عاجز آیا
خار پاؤں سے نکالوں میں کہ خار دامن

کس طرح چاک کروں جان[1] کہ ہے ترک[2] ادب
ہے گریباں میں نشانی ترا[3] تار دامن

گھیر جامہ کا بہت دیکھ کے دل ڈرتا ہے
کہ مبادا ہو کمر پر تری بار دامن

رشتۂ عمر دراز اپنا میں کوتاہ کروں
آوے یہ تار اگر تیرے بکار دامن

جب سوار ہو کے تو نکلے تو جلو میں دوڑیں
جامہ زیبان جہاں لے کے کنار دامن

سرمۂ چشم کروں اپنی بہ منت حاتم
ہاتھ آوے جو کبھو اس کا غبار دامن

زمین میر سوز ۱۱۶۹ھ

ملا دئیے خاک میں خدا نے پلک کے لگنے میں شاہ لاکھوں
جنہوں کے ادنا غلام رکھتے تھے اپنے چاکر سپاہ لاکھوں

نماز و روزے، زکات و حج پر نہیں ہے موقوف کچھ اے زاھد
جدھر کو جاوے اودھر کو ھیں گے خدا کے ملنے کے راہ لاکھوں

سنا ہے میں نے کہ تو نے میرا کیا ہے شکوہ کسی سے ظالم
تیرے ستم اور مری وفا کے جہاں میں ھیں گے گواہ لاکھوں

---

(۱) آہ۔ (۲) پاس۔ (۳) تری [انتخاب حاتم، حسرت صفحہ ۳۴]۔

عجب تماشا ہے کس سے کہیے اثر نہیں سنگدل کے دل میں
کروں ہوں یارو میں ایک دم میں ہزاروں نالے و آہ لاکھوں

کرے ہے فریاد ایک عالم گلی میں اُس کی ہے شور محشر
جو ایک ہووے تو کیجے انصاف اس کے ہیں داد خواہ لاکھوں

کروڑ باری میں سو طرح سے کہا کہ ''کھا اور کھلا'' نہ مانا
کوئی تو لیوے گا چھین تجھ سے تو جوڑ حشمت پناہ لاکھوں

یہ مصرعۂ سوز سن کے حاتم کہے ہے ناصح سے اے عزیزو!
''اُمید بخشش ہے جب سے ہم کو کیے ہیں ہم نے گناہ لاکھوں''

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

رسوا و خراب کُو بکُو ہو — تب عشق سے جا کے دو بدو ہو
آئینہ مثال دل کر اپنا — اس وجہ سے اس کے رو برو ہو
جوں شانہ کرے تو سینہ صد چاک — تب محرم زلف مو بمو ہو
لیلیٰ منشاں ملیں تب حاتم — جب قیس صفت تو ہو بہو ہو

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

ہم کو کب انتظار ہے فصل بہار ہو نہ ہو
داغ جگر شگفتہ باد گل بہ کنار ہو نہ ہو

درد تو میرے پاس سے مرتے تلک نہ جائیو
طاقت صبر ہو نہ ہو تاب قرار ہو نہ ہو

صبح تو ہوئی ہے دیر کیا تیری بلا سے ساقیا
جام شراب تو تو دے ہم کو خمار ہو نہ ہو

تیر نگہ لگا کے تم کہتے ہو پھر لگا نہ خوب
میرا تو کام ہو گیا سینے کے پار ہو نہ ہو

طالب یک نظارہ ہوں اتنا بھی مجھ سے بیر کیا
مونہہ تو مری طرف کو ہوگو کہ دوچار ہو نہ ہو
حلقۂ در ہے حلقہ زن کوئی بھلا خبر تو لو
دل مرا شادی مرگ ہے، ہے وہی یار ہو نہ ہو
حاتم اگر گنہ کرے شکوہ نہ کر خدا سے ڈر
فدوئ جاں نثار ہے تو بھی ہزار ہو نہ ہو

۱۱۶۹ھ

درد دل میری آہ سے پوچھو سبب اس کی نگاہ سے پوچھو
معنی بے مروتیٔ بتاں اس تغافل پناہ سے پوچھو
باعث تیرہ بختیٔ عالم اس کی زلف سیاہ سے پوچھو
اس کی تیغ ستم کا شرح و بیاں جا کسی بے گناہ سے پوچھو
اس کے مکھڑے کی روشنی کی صفت مجھ سے کیا مہر و ماہ سے پوچھو
گریہ و نالہ و فغاں کیوں ہے یہ مرے دل کی چاہ سے پوچھو
حسن سے کیوں ہے عشق کا دعویٰ حق ہے شاہد گواہ سے پوچھو
کیا کہیں اس کا گھر ہے کون[1] سے ملک تھک گئے ہم تو راہ سے پوچھو
قبلہ، حاتم کدھر ہے راست بتا جا کسی[2] کجکلاہ سے پوچھو

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

کس ستم گر کا گنہ گار ہوں اللہ اللہ
کس کے تیروں سے دل افگار ہوں اللہ اللہ
اس کے ہاتھوں سے نہ جیتا (ہوں) نہ میں مرتا ہوں
کس مصیبت میں گرفتار ہوں اللہ اللہ

(۱) کتنی دور- (۲) جا کے اس [انتخاب حاتم، حسرت صفحہ ۳۷]-

خضر اب دور کر آگے سے مرے آب حیات
کس کے بوسے (کا) طلب گار ہوں اللہ اللہ

کیو(ں) نہ آنکھوں میں رکھے مجھ کو زلیخا بھی عزیز
کیسے یوسف کا خریدار ہوں اللہ اللہ

نمک حسن سے اس لب کے مزے لوٹوں ہوں
کس نمکداں کا نمک خوار ہوں اللہ اللہ

نرگس اب ہم سے نہ کر دعوئ ہم چشمی تو
کس کی نرگس کا میں بیمار ہوں اللہ اللہ

اتنا کہتا بھی نہیں کون یہ چلّاتا ہے
کب سے نالاں پس دیوار ہوں اللہ اللہ

خواب میں یار نے آ مجھ کو جگایا حاتم
کس قدر طالع بیدار ہوں اللہ اللہ

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

اشک[۱] نکلے ہے کبھو لعل[۲] و کبھو در دانہ
ہے نہاں[۳] چشم کے پردے میں جواہر خانہ

قبض اور بسط سے دل غنچہ و گل کی مانند
دونو صورت ہے گہے شیشہ و گہ پیمانہ

ترے اے عشق تماچے سے خدا ہی حافظ
دونو مجبور ہیں کیا عاقل و کیا دیوانہ

ترے ہاتوں[۴] سے نہ عاشق کو نہ معشوق کو چین
دونو جلتے ہیں ادھر شمع اُدھر پروانہ

(۱) لعل - (۲) اشک -
(۳) یہاں [انتخاب حاتم ' حسرت صفحہ ۴۰ ' مجموعہ نغز ' صفحہ ۱۹۰ ج ۱] -
(۴) ہاتھ تیرے (مجموعہ نغز ' صفحہ ۱۹۰) -

حسن اور عشق کے ہم فیض قدم کے صدقے
دونو آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونو ان گھر کا وہی ایک ہے صاحب خانہ

قیس و فرہاد ابھی خواب عدم سے چونکیں
دونو اے حاتم اگر میرا سنیں افسانہ

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

کبھو جو گھر سے وہ حشمت پناہ نکلے ہے
تو جیسے عید کے دن بادشاہ نکلے ہے

میں ناتوان ہوا اس قدر کہ مدت سے
نہ لب سے نالہ[1] نہ سینے سے آہ نکلے ہے

گلی میں اس کی نہ دیکھا کبھو کسی کو مگر
اجل گرفتہ کوئی گاہ گاہ نکلے ہے

کسی کی زلف کے سودا میں آج چشموں سے[2]
جگہ سر شک کے خون سیاہ نکلے ہے

طلب میں حق کی جو کعبے کو جائے ہے اے شیخ
تو اپنے گھر سے عبث خوانخواہ نکلے ہے

جو جی میں آوے تو ٹک جھانک اپنے دل کی طرف
کہ اس طرف کو ادھر سے بھی راہ نکلے ہے

زبان خلق سے حاتم عجب تماشا ہے
جدھر وہ نکلے ادھر واہ واہ نکلے ہے

(۱) بول [انتخاب حاتم ' حسرت صفحہ ۴۱] -
(۲) کسو کے زلف کے سودے میں آج آنکھوں سے (مجموعہ نغز ' صفحہ ۱۹۱) -

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

نہ تن میں استخواں نے رگ رہی ہے لبوں پر کیونکہ جان اب لگ رہی ہے
ہمیں پوچھو تو ہستی سے عدم تک مسافت کیا ہے، ہاں اک رگ رہی ہے
تمہاری یاد میں اے شعلہ خو یاں زبان شمع پر لو لگ رہی ہے
ہمیں یک عمر سے کوچے میں اس کے تلاش پائے بوس سگ رہی ہے

نہ جا اس کی طرف تو آج حاتم
وہاں شمشیر ابرو لگ رہی ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

مجھے کیا دیکھ کر تو بک رہا ہے
ترے ہاتھوں کلیجا پک رہا ہے
جہاں کیونکر نہ ہو نظروں میں تاریک
ترا منہ زلف نیچے ڈھک رہا ہے
تمہاری نا قدر دانی کا افسوس
ہمارے جی میں مرنے تک رہا ہے
خدا کے واسطے اس سے نہ بولو
نشے کی لہر میں کچھ بک رہا ہے
پھرا اب تک نہیں حاتم کا قاصد
خدایا راہ میں کیا تھک رہا ہے

۱۱۶۹ھ

غم و اندوہ میں دل گھر رہا ہے فلک کچھ ہم سے شاید پھر رہا ہے
دل و جاں لے گئے تم کچھ نہ چھوڑا ہمارے پاس کیا اب سر رہا ہے
ہماری جاں کے دشمن مر گئے سب یہ جی لینے کو اک کافر رہا ہے
فقیروں کی طرح مدت سے حاتم تمہارے در کے اوپر گر رہا ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

پیری میں آج یار مرے ہم کنار ہے
ساقی بیا بیا کہ خزاں میں بہار ہے

اے فصل گل پرے ہو نہیں اب ہمیں دماغ
آنکھوں میں آج ہر رگ گل نوک خار ہے

مدت سے خواب میں بھی نہیں نیند کا خیال
حیرت میں ہوں یہ کس کا مجھے انتظار ہے

حاتم چلی بہار و تیرے دل میں اب تلک
نے حسرت جنوں نہ تمنائے یار ہے

حیرت کی نے ہوس نہ ہوائے برہنگی
نے رنگ زرد ہے نہ تو زار و نزار ہے

نے سوختہ جگر نہ ترا سینہ داغ دار
نے خشک لب نہ دیدہ ترا اشکبار ہے

نے پیرہن پھٹا نہ گریباں ترا ہے چاک
زنجیر کی صدا سے نہ تو بے قرار ہے

لڑکوں کے سنگ سے نہ ترا سر ہے آشنا
دیوانوں کی طرح نہ تو کوچوں میں خوار ہے

نے شوق دشت گردی و نے عزم سیر باغ
نے گل ہے دست میں نہ کف پا میں خار ہے

نے صبح آہ سرد ہے، نے شام آہ گرم
نے دن کو نالہ، رات نہ تو سوگوار ہے

نے درد کی نہ ہجر کی لذت سے تجھ کو کام
نے وصل کے مزے کا تو امیدوار ہے

پھر عاشقی کے نام کو مرتا ہے بے شعور
اس کام میں غرض کہ تو ناکردہ کار ہے
جو تھے فنون عشق سو سب تجھ کو کہہ دئیے
خاطر میں لا نہ لا یہ ترا اختیار ہے
سن کر کہا نہیں تو حقیقت سے آشنا
تیری نصیحتوں سے مجھے ننگ و عار ہے
سب منزلیں مجاز کی میں کر چکا ہوں طے
میرے مقام کا تو یہ لیل و نہار ہے
نے مرگ کا تلاش نہ جینے کی آرزو
نے فکر عاقبت نہ غم روزگار ہے
کیا جبر ہے کہ مجھ کو کہے تیرا اختیار
گو اختیار بندہ تو بے اختیار ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

خون عاشق[۱] شراب جانے ہے — لخت دل کو کباب جانے ہے
وہ ستم پیشہ اپنے مذہب میں — قتل عاشق[۲] ثواب جانے ہے
گل رخاں گر نہ ہوں تو سیر بہشت — دل ہمارا عذاب جانے ہے
گریہ و نالہ، بے قراریٔ دل — رعد و برق و سحاب جانے ہے
جب پکارے ہے وہ اے اوہوت — عاشق اپنا خطاب جانے ہے
جو ہے کشتی سوار بحر فنا — ہر نفس موج آب جانے ہے
مرد بیدار بخت تادم مرگ — زندگانی کو خواب جانے ہے
کھل گئی جس کی آنکھ مثل حباب — گھر کو اپنے خراب جانے ہے

(۱) میرا۔ (۲) ذبح کرنا [مجموعہ نغز صفحہ ۱۹۲]۔

یک نفس زندگی ہے باقی ہیچ اس کے معنی حباب جانے ہے
شاہ بادل کا ہر سخن حاتم اپنے حق میں کتاب جانے ہے

۱۱۶۹ھ

طریقت میں اگر زاہد مجھے گمراہ جانے ہے
مرے دل کی حقیقت کو مرا اللہ جانے ہے
وہ بے پروا مرا کب امتیاز چاہ جانے ہے
مری حالت کو دل اور دل کی حالت آہ جانے ہے
اُسے جو دیکھتا ہے دن کو سو خورشید کہتا ہے
جو گھر سے رات کو نکلے تو عالم ماہ جانے ہے
ہماری بات کو وہ عاقبت نافہم کیا مانے
جو بدخواہوں کو اپنے، اپنا دولت خواہ جانے ہے
کہیں ہم بحر بے پایاں غم کی ماہیت کس سے
نہ لہروں سے کوئی واقف نہ کوئی تھاہ جانے ہے
مرا دل بار عشق ایسا اُٹھانے میں دلاور ہے
جو اس کے کوہ دوں سر پر تو اس کو کاہ جانے ہے
ہمیں دیر و حرم، شیخ و برہمن سے نہیں مطلب
ہمارا دل تو اپنے دل کو بیت اللہ جانے ہے
وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے مری یارو
کہ اپنے دیکھ سائے کو مجھے ہمراہ جانے ہے
اگر وہ فتنہ جو تجھ سے ملے حاتم تو کہہ دیجو
کہ منصوبے ترے سب بندۂ درگاہ جانے ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

خط کے سبزے سے عجب چہرے کا آب و رنگ ہے
جو مصوّر دیکھتا ہے تجھ کو سوچتا بھنگ ہے

مظہر حق کب نظر آتا ہے ان شیخوں کے تئیں
بس کہ آئینے پر ان آہن دلوں کے زنگ ہے

جامہ عریانی کا قامت پر مری آیا ہے راست
اب مجھے نام لباس عاریت سے ننگ ہے

ہو گئے ہیں اس قدر دوری سے تیری ناتواں[1]
یک قدم رکھنا زمیں پر ہم کو سو فرسنگ ہے

دوستوں سے دشمنی اور دشمنوں سے دوستی
بے مروّت، بے وفا، بے رحم، یہ کیا ڈھنگ ہے

مسکراتا، گالیاں دیتا، اکڑتا، مست ناز
ایسے عالم سے تو آتا ہے کہ عالم دنگ ہے

فیض سے ہمت کے حاتم دل تونگر چاہیے
مفلسی سے ان دنوں گو دست تیرا تنگ ہے

۱۱۶۹ھ

ٹک کھول زلف اپنی زنجیر ہے تو یہ ہے
دیوانہ پن کی میرے تدبیر ہے تو یہ ہے

میں راستی کہوں ہوں تم بخشو یا نہ بخشو
دل چاہتا ہے تم کو تقصیر ہے تو یہ ہے

یک تار زلف تیرا ہے لاکھ دام مجھ کو
منصب کی عاشقوں کے جاگیر ہے تو یہ ہے

---

(۱) حاشیے میں: "ضعف پیری سے ہوا ہوں اس قدر اب ناتواں"

کچھ غم نہیں جو مجھ پر ترکش تہی کرے تو[1]
ڈر ہے مجھے نگہ کا گر تیر ہے تو یہ ہے

کس کام کی ہمارے یہ کیمیائے ہستی
محتاج یک نظر ہوں اکسیر ہے تو یہ ہے

سب قتل کا ہمارے اسباب ہے مہیا
باقی ہے یک اشارت تاخیر ہے تو یہ ہے

عالم کا ہم مرقع سب سیر کر کے دیکھا
اس صفحۂ زمیں پر تصویر ہے تو یہ ہے

حاتم بنائے مسجد ہے کام عابدوں[2] کا
کر راست کعبۂ دل تعمیر ہے تو یہ ہے

زمین مرزا سودا ۱۱۶۹ھ

تو اس گلی سے جو ہوتا دو چار گزرے ہے
تری خدنگ نگہ دل کے پار گزرے ہے

چپ ہی بھلی ہے مرے حال کی خبر مت پوچھ
میں کیا کہوں تجھے جو کچھ کہ یار گزرے ہے

کسی کے وصل کے وعدوں میں بس کہ آٹھ پہر
گھڑی گھڑی ہمیں کرتے شمار گزرے ہے

نہ شب کو خواب نہ آرام دن کو یا قسمت
عجب طرح سے یہ لیل و نہار گزرے ہے

تو رنگ گل کے اوپر بھول مت کہ اے بلبل
پلک کے مارتے فصل بہار گزرے ہے

---

(۱) وہ (۲) زاہدوں [انتخاب حاتم ، حسرت صفحہ ۳۶]۔

کبھو جو جاؤں ہوں وحشت سے دشت گردی کو
تو ہر قدم میں مرے سر سے خار گزرے ہے
خرابی عمر کی کیا پوچھتے ہو حاتم سے
نہ اختیار سے بے اختیار گزرے ہے

تضمین مصرع بادشاہ عالم گیر ثانی بموجب حکم ۱۱۶۹ھ

حق کے ہوتے غیر سے کیا آشنائی کیجئے
چھوڑ وہ در کس کے در پر جبہہ سائی کیجئے
مسند سالوس سے زاہد نہیں ہے شان فقر
بوریے پر بیٹھیے اور بے ریائی کیجئے
کوہکن نے کیا ہوا پھوڑا اگر پتھر سے سر
کام یہ ہے کوہ غفلت رائی کائی کیجئے
چشم بینا دے خدا تو چاہیے مانند چشم
اپنے گھر بیٹھے ہوئے سیر خدائی کیجئے
گر نظر آوے ہمیں خمخانۂ وحدت کی راہ
تو وہیں ترک لباس پادشاہی[1] کیجئے
بندگی میں شرط ہے بندے کو تسلیم و رضا
سلطنت بخشے خدا تو کیوں گدائی کیجئے
'ہر کسے را بہر کارے ساختند' مشہور ہے
کام اپنا چھوڑ کر کیوں جگ ہنسائی کیجئے
چاہیے لیجے اگر شجر سخاوت سے ثمر
اپنی تا مقدور سب مطلب روائی کیجئے

---

(۱) پارسائی [انتخاب حاتم، حسرت صفحہ ۹۴]۔

اصل کو دیکھا تو ہے یک قطرۂ آب منی
آئینہ کیا دیکھیے کیا خود نمائی کیجئے
ہے من اللہ خیر و شر ہم مفت میں بدنام ہیں
اب برائی کس سے اور کس سے بھلائی کیجئے
جو ہے قسمت میں مقدر جان ہوتا ہے وہی
پھر عبث کیا سعی و طالع آزمائی کیجئے
شاہ عالم گیر کا مصرع ہے حاتم رمز عشق
'دل میں آتا ہے کہ شاہی میں گدائی کیجئے'

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

پاؤں جس گلشن میں اپنا وہ بت رعنا رکھے
خار اس کا خوش قدی میں سرو سے دعوا رکھے
اشک کے پانی سے سوز دل مرا بجھتا نہیں
سحر ہے جو آب و آتش کو کوئی یک جا رکھے
صبح سے تا شام یک دم کی نہیں ہم کو امید
غافل ہے جو کوئی[۱] نظر جینے کی تا فردا رکھے
کب ڈرے ہے نوح کے طوفان سے وہ یعقوب وار
جو کوئی یک اشک کے قطرے میں سو دریا رکھے
دل کو لیتے ہی وہیں آنکھیں بدل جانے لگیں
ان سیہ چشموں سے کوئی حاتم توقع کیا رکھے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

کسے دماغ کرے سیر سبزہ و چمنے
کہ ہے بغل میں مرے نو رسیدہ گل بدنے

---

(۱) کور دل ہے جو۔۔۔ الخ [انتخاب حاتم ' حسرت صفحہ ۵۱]۔

کسی کا اس کو مہابا نہیں ہے ذرہ کہ ہے
سیاہ چشم بتُے پاس آشنا شکنے

اگر ہزار تلاشوں سے اس تلک پہنچوں
تو ڈر یہ ہے کہ بنے صحبت اس سے یا نہ بنے

اے جامہ زیب، ہوس میں ترے گریباں کی
عدم سے نکلے ہے ہر گل دریدہ پیرہنے

پڑا ہے دل ترے کوچے میں اس طرح سے خراب
کہ جوں سرا میں مسافر غریب بے وطنے

تو جل مر عشق کی آتش میں مثل پروانہ
رہے نہ حسرت گور و نہ خواہش کفنے

تری بلا سے جو حاتم ہے فاسق اے زاہد
بقول حضرت حافظ تو گوش کر سخنے

"بیا کہ رونق ایں کارخانہ کم نشود
ز زہد ہمچو توئی یا ز فسق ہمچو منے"

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

تمہیں تو دیکھتے ہی آپ بیچ ہم نہ رہے
تم ایک دم بھی دم آتے تک، ہے ستم، نہ رہے

کبھو جو شیخ دکھاؤں میں اپنے بت کے تئیں
بہ رب کعبہ تجھے حسرت حرم نہ رہے

اے حیلہ ساز قسم ہے تجھے تغافل کی
تب ہے تو آتا کہ جس وقت ہم میں دم نہ رہے

اگر تو آنکھ دکھا دے چمن میں نرگس کو
تو ایک آن میں یک دست یک قلم نہ رہے

تری جو شہرہ پرستش کا ان تلک پہنچے
تو ایک رشک سے بت خانہ میں صنم نہ رہے
اب ایسا آپ میں ہو جی فنا کہ تا بہ بقا
پھر اس وجود کے تئیں حاجت عدم نہ رہے
اُسی کو ہوگا مزا زندگی کا اے حاتم
کہ جس کو نیک و بد و بیش و کم کا غم نہ رہے

۱۱۶۹ھ

مضمون خط کو دیکھ ترے ہم بہت ڈرے
جتنے مسوّدے تھے رہے طاق پر دھرے
جیتا ہے یا کہ مر گیا، دل کی خبر نہیں
یادش بخیر ہو یا خدا مغفرت کرے
آرام زندگی نہیں اس دل کے ہاتھ سے
عمر دوبارہ ہو جو یہ دشمن کہیں مرے
میرے حواس خمسہ اُسے دیکھ اُڑ گئے
کیوں کر ٹھہر سکیں یہ کبوتر تھے پر گرے
ایسا گرا ہوں اُس کی نگاہوں سے بزم میں
جب دیکھتا ہے مجھ کو کھڑے ہے پرے پرے
اے صید دل نہ تڑپھیو ایسا تو وقت ذبح
جو دامن اُس کا مرے لہو سے کہیں بھرے
ناصح عبث بکے ہے جو ہونا تھا ہو چکا
تقدیر کے لکھے کو بھلا کہہ تو کیا کرے
پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر
سوکھے درخت پھر کے ہوئے ہیں کہیں ہرے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

تیغ ستم سے اس کی کبھو منہ نہ موڑئیے
سو زخم گر لگیں تو نہ ابرو مروڑئیے

خم خانہ مے کشوں نے کیا اس قدر تہی
قطرہ نہیں رہا ہے جو شیشے نچوڑئیے

مدت سے صید دل ہے ترے دام زلف میں
سر صدقے اپنے کرکے اسے اب تو چھوڑئیے

چلتا نہیں ہے پنجۂ مژگاں سے تیرے زور
عفریت ہو تو اس سے بھی دو ہاتھ جوڑئیے

آتا ہے یوں نشے کی ترنگوں میں دل کے بیچ
ناصح کے سر سے شیشہ تہی جا کے پھوڑئیے

بے زار ہو رہا ہوں خدائی سے آج میں
جا واسطے خدا کے الجھ مت کھجوڑئیے (؟)

شیشہ شکستہ پھر کے تو ہوتا نہیں درست
جو دل شکستہ ہو تو اسے کیوں کہ جوڑئیے

گر توڑے آشنائی کوئی اس کا اختیار
حاتم یہ رشتہ آپ سے ہرگز نہ توڑئیے

۱۱۶۹ھ

رونا وہی جو خوف الٰہی سے روئیے
سونا وہی جو اُس کے تصوّر میں سوئیے

کپڑے سفید دھو کے جو پہنے تو کیا ہؤا
دھونا وہی جو دل کی سیاہی کو دھوئیے

دہقاں کی طرح دانہ زمیں میں نہ بوعبث
بونا وہی جو تخم عمل دل میں بوئیے
کھویا گیا ہے شیخ قیامت کے وہم میں
کھونا وہی کہ آپ کو آپ ہی میں کھوئیے
حاتم تو گو کہ خاک ہوا کیمیا کہاں
ہونا وہی جو خاک سے اکسیر ہوئیے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

کیونکہ دیوانہ بیڑیاں توڑے اس کو جانے ہے پاؤں کے توڑے
سب نے موڑا ہے منہ خدا نہ کرے تیری تروار ہم سے منہ موڑے
تیرے کوچے میں سر شہیدوں کے ہیں پڑے جیسے باٹ کے روڑے
ایک پرواز میں دکھاؤں پر جو وہ صیاد میرے تئیں چھوڑے
کوہ کن جاں کنی ہے مشکل مقام ورنہ بہتیرے ہیں پتھر پھوڑے
جاؤ حاتم سے چوچلے نہ کرو چاہنے والے اور ہیں تھوڑے

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

شہر میں چرچا ہے اب تیری نگہ تیز کا
دو کرے ہے دل کے تئیں یہ نیمچا انگریز کا
نیلی پیلی دیکھ کر ظالم تری چشم سیاہ
دل پڑا ہے وہم میں نقّاش رنگ آمیز کا
اُس کے دل میں جا نہیں پاتا وگرنہ سنگ میں
نالہ کرتا ہے اثر مجھ عاشق شب خیز کا
بیستوں دیکھا بن آیا کوہکن کے ہاتھ سے
تلخ ہوا ہے خواب شیریں خسرو پرویز کا

ریختے میں ہند کے طوطی[1] کا حاتم ہے غلام
فارسی میں خوشہ چیں ہے بلبل تبریز[2] کا

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

تو اذیّت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

مردماں چشم توقع اس سے رکھتے ہیں عبث
جس کی آنکھوں میں مروّت کا نشاں یک تل نہیں

راہ رو سن لے بلند آواز کہتا ہے جرس[3]
ایک دم[4] اس راہ میں آرام کی منزل نہیں

اپنی تا مقدور اے زاهد زیارت دل کی کر
ہم ترے کعبے کو دیکھا غیر سنگ و گل نہیں

عکس سے عاشق کے خوں کے ہے[5] فلک اوپر شفق
یہ تماشا ہے کہ رنگیں دامن قاتل نہیں

کس کے ٹانکے دیجئے اور کس کی مرہم کیجئے
کون ہے جو تیغ سے تیری میاں گھائل نہیں

چشم عبرت سے نظر کر ٹک تو گورستان میں
تو ہے غافل، موت تیری فکر سے غافل نہیں

اس خراب آباد میں آباد رهنا کب تلک
جس کے یہ خطرہ نہیں ہے دل میں وہ عاقل نہیں

---

(۱) حاشیہ پر: "کنایہ بہ امیر خسرو علیہ الرحمة۔"
(۲) حاشیہ پر: "کنایہ بہ مرزا صائب علیہ الرحمة۔"
(۳) "اب جرس کہتا ہے عالم میں بآواز بلند" [انتخاب حاتم، حسرت صفحہ ۲۹]۔
(۴) یک قدم۔ ایضاً
(۵) عکس سے ہے خون عاشق کے ۔ ۔ ۔ الخ (مجموعہ نغز، صفحہ ۱۸۷)۔

غم نہ کھا حاتم خدا کر دے گا[1] حل مشکلات
فضل آگے اُس کے سب آساں ہے کچھ مشکل نہیں

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

مے ہو ابر و ہوا نہیں تو نہ ہو — درد ہو گو دوا نہیں تو نہ ہو
ہم تو ہیں آشنا تیرے ظالم — تو اگر آشنا نہیں تو نہ ہو
دل ہے وابستہ تیرے دامن سے — دست میرا رسا نہیں تو نہ ہو
ہم تو تیری جفا کے بندے ہیں — تجھ میں رسم وفا نہیں تو نہ ہو
آستاں پر تو گر رہیں ہیں اگر — تری مجلس میں جا نہیں تو نہ ہو
ہم تو ہیں صاف، بدگماں میرے[2] — ترے دل میں صفا نہیں تو نہ ہو
دل کو اکسیر ہے گی تیری نگاہ — ہوس کیمیا نہیں تو نہ ہو
ہم تو حاشا نہیں کسی سے برے — کوئی ہم سے بھلا نہیں تو نہ ہو
طالب وصل کب تلک رہیے — ہو تو ہو جائے یا نہیں تو نہ ہو
حاتم اب کس کی مجھ کو پروا ہے — کوئی مرا جز خدا نہیں تو نہ ہو

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

دل عشق کے سودا میں ترے پیر ہوا ہے
تب شہر میں جا قابل تشہیر ہوا ہے
جس راہ سے گزرا ہوں مرے فیض جنوں سے
ہر نقش قدم حلقۂ زنجیر ہوا ہے
جلتا ہے مرا زخم دل اب شمع کی مانند
شاید پر پروانہ پر تیر ہوا ہے
آتی ہیں پسینے سیں مرے عطر کی لپٹیں
جب سے وہ گل اندام بغل گیر ہوا ہے

---

(۱) "سے سب ہے" (انتخاب حاتم، حسرت صفحہ ۲۹) -
(۲) "تجھ سے اب دل میں" [انتخاب حاتم، حسرت ص ۳٦] -

(جو اشک) تصوّر میں ترے چشم سے ٹپکا
سو صورت حیرت زدہ تصویر ہوا ہے
ہوتا ہے وہی، ہوگا وہی، روز ازل سے
حاتم تری قسمت میں جو تقدیر ہوا ہے

زمین طرحی ۱۱۷۰ھ

صبح تیری[1] جبین کے صدقے شام کاکل کی چین کے صدقے
جس جگہ ناز سے قدم تو رکھے آسماں اس زمین کے صدقے
دل کے ہے پاس دور نظروں سے تیرے بعد و قرین کے صدقے
دمبدم میرے آنسو پونچھے ہے اپنی ہم آستین کے صدقے
جن نے دل میں کیا ہے گھر حاتم اس بت دل نشین کے صدقے

زمین میر در ۱۱۷۱ھ

مگر گلشن اوپر سایا پڑا اُس بے مروت کا
کہ چہرے پر کسی گل کے نہ دیکھا رنگ اُلفت کا
نیاز و ناز میں جب سے نہیں کچھ گرمیٔ صحبت
جہاں میں سرد ہے بازار اخلاص و محبت کا
تنزل اور ترقی ہم یہاں دیکھا تو توام ہے
مساوی ہوگیا اب شکر و شکوہ رنج و راحت کا
نہ پہنچا ہاتھ ذلت کا کبھو میرے گریباں تک
لگا ہے جب سے دل کے دست میں دامن قناعت کا
توقع آشنائی کی نہیں ان آشناؤں سے
کسو سے دل نہیں مشتاق اب صاحب سلامت کا

---

(۱) اس کی۔ (مجموعہ نغز ص ۱۹۳)۔

ہمارے حوصلے سے دور ہے معشوق[1] کا شکوا
جو کچھ گزرے سو گزرے کیا بیاں کیجے مصیبت کا
کہاں ہیں معصیت نامے تمہارے اے گنہگارو
کہ بہر شست و شو ہے منتظر باران رحمت کا
ملیں جوں ہم نے آنکھیں اُس کے تلووں سے وو ہیں چونکا
ادا کس طرح کیجے عذر اپنی اس حماقت کا
مزا دونو جہاں کا صرف یک نظارہ کرتا ہے
میں دیوانا ہوں حاتم تیری اس بے صرفہ ہمت کا

زمین طرحی در ۱۱۷۱ھ

ہے یہ دل مدت سے قیدی زلف عنبر فام کا
ایسے وحشی کو عبث ہے فکر کرنا دام کا
تو کبھو سانچا نہیں ہوگا مرے جھوٹے میاں
عمر تک وعدہ کیے جاوے گا صبح و شام کا
چٹکیاں لے لے جگاتا ہے مجھے کیوں تا سحر
تو غرض راضی نہیں یک دم مرے آرام کا
ذکر میرا آوے مجلس میں تو ہووے بے دماغ
اس قدر دشمن ہوا ہے شوخ میرے نام کا
ان دنوں سب کو ہوا ہے صاف گوئی کا تلاش
نام کو چرچا نہیں حاتم کہیں ایہام کا

زمین طرحی در ۱۱۷۱ھ

لیا ہر ایک سے مل مل کے دل کا بھید ہم سب کا
کیا معلوم عالم میں جو ہے سو اپنے مطلب کا

(۱) محبوب (انتخاب حاتم، حسرت ص ۳)۔

لگائی ہے ترے در پر ملنگوں کی طرح دھونی
نکل پردے سے ٹک باھر، کھڑا ھوں منتظر کب کا

مبارک باد کو ھم عید کی آئے ھیں گھر بیٹھے
بغل گیری سے شک جو(؟) ھو کے یہ ملنا ہے کس ڈھب کا

خمار آلودہ ھوں ساقی تنک ظرفی نہ کر ظالم
میں ترے ھاتھ سے مشتاق ھوں جام لبالب کا

جہاں کو جان کر فانی اُٹھایا دل کو حاتم نے
فقیری کی ھوس میں شوق سب جاگیر و منصب کا

زمین طرحی در ۱۱۷۱ھ

جاتے ھوئے ادھر بھی وہ جانانہ ھوگیا
آئینہ خانہ دل کا پری خانہ ھوگیا

لکھتا تھا سوز دل کا میں اس شمع رو کے تئیں
کاغذ بھی تاؤ کھا پر پروانہ ھوگیا

زنجیر زلف کی تیرے حلقوں میں یک بیک
دل سا سیانہ دیکھتے دیوانہ ھوگیا

ایسا گرا میں اس کی نظر سے کہ بعد مرگ
میرے کبھو مزار تلک آ نہ ھوگیا

اس نا قدر شناس[1] کی خدمت میں دوستاں
بدلا مری وفا کا جرمانہ ھوگیا

مسجد میں آج وعظ کا ھنگامہ گرم تھا
میرے قدم سے بزم حریفانہ ھوگیا

حاتم کا دل تھا شیشہ کے مانند بزم میں
ساقی کے فیض دست سے پیمانہ ھوگیا

---

(۱) قدر ناشناس (انتخاب حاتم ' حسرت ص ۷)۔

طرحی ۱۱۷۱ھ

لطف اس کا ستم سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو ہم سمجھتے ہیں
جس کو ہستی کہے ہے اہل جہاں ہم تو اس کو عدم سمجھتے ہیں
سب کے دل کی ہمیں خبر دے ہے دل کو ہم جام جم سمجھتے ہیں
درد دل کیا کہوں کسی سے کہ یار درد کی بات کم سمجھتے ہیں
اُس کے مضمون خط کا ہم حاتم بن پڑھے یک قلم سمجھتے ہیں

زمین طرحی ۱۱۷۱ھ

کیا ہے محفل دل ہم نے جائے درویشاں
فقیر خانہ بنایا برائے درویشاں
نظر کسی کی یہ نعمت اوپر نہیں رکھتے
ہمیشہ خون جگر ہے غذائے درویشاں
جو چاہتا ہے بھلا ہو تو ان کی خدمت کر
بلا کو دور کرے ہے دعائے درویشاں
شرف رکھے ہے لباس حریر و دیبا پر
یہ پارہ پارہ گلیم و ردائے درویشاں
غرور و نخوت و پندار و کبر اے حاتم
نکال سر سے ہو اب خاکپائے درویشاں

زمین طرحی در ۱۱۷۱ھ

عندلیبو کوئی ہے تم میں خریدار چمن
آوے[1] اس وقت کہ ہے گرمیٔ بازار چمن
آرزو ہے مجھے صیاد اگر دے رخصت
ایک پرواز کروں تا سر دیوار چمن

(۱) آؤ - [انتخاب حاتم، حسرت : ص ۳۳]

اس کی مژگاں کے تصور میں مشبک ہے جگر
گل سے بہتر نظر آتے ہیں ہمیں[1] خار چمن

بلبلو سیر چمن تم کو[2] مبارک ہووے
ہم سے اب دشت نوردوں کو کہاں بار چمن

آج گلگشت کو آتے ہیں یہاں حاتم شاہ
اے نسیم سحری جلد ہو درکار چمن

زمین طرحی در ۱۱۷۱ھ

جہاں میں عشق کے برعکس دیکھا رسم و آئیں کو
کرے ہے صید اُس کے دشت کی کنجشک شاہیں کو

نہ لو فرہاد کی تربت کے اوپر نام خسرو کا
کرو مت تلخ اُس مقتول اوپر خواب شیریں کو

شگفتن وار بھی فرصت نہ دی غنچے کو، ہے ظالم
کبھو احوال بلبل پر نہ آیا رحم گل چیں کو

بسنتی یک تہی گلنار پر پھینٹہ شال عباسی
نہ چاہے کون موزوں طبع اس مضمون رنگیں کو

فلک کے ہاتھ سے عاجز ہیں حاتم صاحب جوہر
خدا ناخن نہ دے اس سفلہ پرور ناتواں بیں کو

(مذکورہ بالا غزل کے بعد "دیوان زادہ" میں ذیل کے دو شعر ہیں جن پر کوئی سن اور عنوان درج نہیں) -

ممسکاں جہاں خزانے کو جمع کرتے ہیں چھوڑ جانے کو
زور قسمت نہیں تو سر پیٹو نام رکھتے ہو کیوں زمانے کو

---

(۱) مجھے - [انتخاب حاتم ' حسرت : ص ۳۳]

(۲) عندلیبو تمہیں گلگشت ......الخ (انتخاب حاتم ' حسرت ص ۳۳) -

زمین طرحی در ۱۱۷۱ھ

زور چلتا نہیں اُس شوخ ستم گار کے ساتھ
ماریے سر کو کہیں جا کسی دیوار کے ساتھ

دشت میں جان کے رکھتا ہوں قدم کانٹوں پر
آشنائی ہے کف پا کو مرے خار کے ساتھ

نقش پا اس کا مری سیر کو ہے رشک چمن
مجھ کو اب کام نہیں ہے کسی گلزار کے ساتھ

زمین مرزا سودا ۱۱۷۱ھ

صبح تری ہے کہاں اے شب غم واہ واہ
رحم بھی کچھ ہے تجھے اتنا ستم واہ واہ

آنکھ نہ کھولی کبھو ابر کی مانند تم
خوب برسنے لگے دیدۂ نم واہ واہ

سب کو تو بھلا دیا وعدہ خلافی سے جان
ہم سے بھی کھانے لگے جھوٹی قسم واہ واہ

ساری ولایت کے بیچ (ایسی) نہ ہووے گی تیغ
دیکھ کے کہتے ہیں سب ابرو کا خم واہ واہ

عمر چلی جائے ہے دم کا بھروسا نہیں
صحبت یاروں کے بیچ گزرے جو دم واہ واہ

جاتے بھی دیکھا کہیں راہ میں حاتم اُسے
جس کے تئیں دیکھ کر کہتے ہیں ہم واہ واہ

طرحی ۱۱۷۱ھ

فکر میں مفت عمر کھونا ہے ہوچکا ہے جو کچھ کہ ہونا ہے
کھیل سب چھوڑ کھیل اپنا کھیل آپ قدرت کا تو کھلونا ہے

آنکھ ٹک کھول دید قدرت کر پھر تو پاؤں پسار سونا ہے
جینے مرنے میں مرگ ہے پردا گور ایک عافیت کا کونا ہے
میرا معشوق ہے مزوں میں بھرا کبھو میٹھا کبھو سلونا ہے
چھل بل اس کی نگاہ کا مت پوچھ سحر ہے، ٹوٹکا ہے، ٹونا ہے
رو تو حاتم حسین کے غم میں اور رونا تو رانڈ رونا ہے

زمین طرحی خواجہ میر درد ۱۱۷۱ھ

گو کہ شمیم گل سے آج عطر فروش باغ ہے
دل ہی نہ ہو تو اے نسیم کس کو یہاں دماغ ہے
دل کی شگفتگی یہاں رشک ہزار باغ ہے
سیر چمن کا عندلیب ہم کو کہاں دماغ ہے
عارض و چشم و زلف و خط تیرا ہی چار باغ ہے
گل کی طرف جو رو کریں کب یہ دل و دماغ ہے
نشہ فزائے میکشاں طرفہ ہوائے باغ ہے
ساغر گل سے عندلیب سرخوش و تر دماغ ہے
کب یہ دل و دماغ ہے مست شمع کیجیے
خانۂ دل جلوں کے بیچ داغ جگر چراغ ہے
حسن کی آب و تاب کا تیرے ہے شہرہ تا فلک
مہر جلے ہے رشک سے ماہ کے دل میں داغ ہے
دل تھا بغل میں مدعی خوب ہوا جو گم ہوا
جانے سے اس کے ان دنوں ہم کو بڑا فراغ ہے
جام شراب سے ہمیں کام نہیں ہے حاتم اب
چشم پر آب ہی یہاں غم سے بھرا ایاغ ہے

زمین طرحی ۱۱۷۱ھ

جبیں پر چیں تبسم زیر لب ہے طلب گار دل آفت طلب ہے
دعا دیتا ہوں اور سنتا ہوں دشنام کہوں کیا اب تجھے ترک ادب ہے
غرض جو کچھ ہے تو سو خوب کچھ ہے قیامت ہے، بلا ہے یا غضب ہے
جفا، جور و ستم، خشم و تغافل میاں جو چاہیے سو تجھ میں سب ہے
گزر آینہ رو حاتم کے دل میں مکان حیرت و سیر حلب ہے

زمین میر تقی میر (؟)[۱]۱۱۷ھ

یاد ہیں وے دن کہ ہم تم سیر گلزاروں میں تھے
بلبل و گل لوٹتے حسرت سے انگاروں میں تھے
جھانکتے تھے ہم تمہیں، تم ہم کو کس کس گھات سے
ہاتھ سے طرفین کے صد رخنے دیواروں میں تھے
چھوڑ ہم کو غیر کے گھر میں جو رکھتے ہو قدم
جان من ہم بھی کبھو تو کفش برداروں میں تھے
کیا مزے لیتے تھے اس توبہ کا ہو خانہ خراب
ہم پیالے ہم نوالے جب کہ میخواروں میں تھے
سب سے جاں بخشی کا وعدہ اور ہم کو حکم قتل
اک ہم (ہی)[۲] کیا ایسے عالم میں گنہگاروں میں تھے
مصر دل میں تھا ترے جب حسن کا بازار گرم
نقد دل سے شہر کے یوسف خریداروں میں تھے
سیمبر آٹھتے نہ تھے حاتم ہمارے پاس سے
جن دنوں ہم بھی کبھو دنیا میں زر داروں میں تھے

---

(۱) سن کا پہلا ہندسہ کرم خوردہ ہے۔ غالباً صفر یا ایک ہے۔
(۲) مخطوطے میں ''ہیں''۔

زمین مرزا رفیع ۱۱۷۱ھ

گردن کٹے سے سر کو سرہانے دھرے ہوئے
اس کی گلی میں ڈھیر پڑے ہیں مرے ہوئے

رسّی کو دیکھتے ہیں تو ہم جانتے ہیں سانپ
ہیں اس گزند زلف سے از بس ڈرے ہوئے

بہکا نشے میں ہاتھ میں شمشیر خوں چکاں
ہم دیکھتے (ھی)[1] دور سے اس کو پرے ہوئے

اس کے تو بوالہوس بھی لگے ہونے سامنے
مردی پکڑ کے خیر یہی(؟) اب منگرے ہوئے

سودا کہے ہے چشم کو حاتم کے دیکھ تو
ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے

۱۱۷۱ھ

ہستی کی قید سے اے دل آزاد ہوئیے
صحرا میں جا کے خوب سا ہنس ہنس کے روئیے

دونوں جہاں کا شادی و غم دل سے بھول کر
پاؤں دراز کرکے فراغت سے سوئیے

اے چشم از برائے خدا گر مدد کرے
اعمال نامہ اپنا تو رو رو کے دھوئیے

حاتم کسی سے اپنی مصیبت کو تو نہ (کہہ)[2]
کیا فائدہ جو اپنا بھرم مفت کھوئیے

---

(۱) مخطوطے میں "ھیں"، ھی (انتخاب حاتم، حسرت ص ۵۲)۔
(۲) مخطوطے میں "کہو"۔

تضمین بیت مرزا صائب ۱۱۷۱ھ

دل میں آ ازسر نو عشق نے جاگہ پائی
آگ ٹک سرد ہوئی تھی سو پھر اب بھڑکائی

سب مہیا ہے مجھے دولت صیاد سے آج
بے پر و بالی و کنج قفس و تنہائی

رات حاتم میں بہت شام سے رو رو تا صبح
رائگاں کھونے پر اوقات کے حسرت کھائی

تھا اس افسوس میں جو اپنے مناسب احوال
بیت یہ حضرت صائب کی مجھے یاد آئی

"نیست برگشتنت اے عمر چو رفتی رفتی
نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر می آئی"[1]

زمین طرحی در ۱۱۷۲ھ

خیال دل میں کسی سے نہ رکھ بھلائی کا
جہاں سے فوت ہوا رسم آشنائی کا

کوئی زمیں نہ رہی تس[2] پر ہم قدم نہ رکھا
کہ خار خار ہے شاهد برهنہ پائی کا

جدا کبھو نہ کیا تو نے[3] کف سے آئینہ
رواج تجھ سے ہے عالم میں خود نمائی کا

طمع وفا کی جو تجھ سے رکھے سو ناداں ہے
کہ تیرا شہر میں شہرہ ہے بے وفائی کا

---

(۱) کلیات صائب قلمی (مخطوطہ ۱۰۸۵ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری) میں یہ شعر یوں ہے:

بچہ تدبیر کسے از تو برو من شود نہ بزاری نہ بزور و نہ بزر می آئی

(۲) جس پہ - (۳) ھوا تیرے - [انتخاب حاتم ' حسرت]

اگرچہ فیض قناعت سے دل ہوا ہے غنی
ولے ہے شوق تیرے در اوپر گدائی کا
مزا پڑا مجھے کنج قفس کا اے صیاد
نہیں ہے ذوق میرے دل میں اب رہائی کا
تو زاہدوں کی طرح گھر میں بیٹھ[1] مت حاتم
نکل کے قید سے ٹک دید کر خدائی کا

زمین طرحی در ۱۱۷۲ھ

موسم سنا (ہے)[2] ہم نے کہ آیا بہار کا
ہوتا ہے حال کیا دل پر اضطرار کا
پہلے ہی کی ہے طفل مزاجوں سے دوستی
دشمن ہوں اپنے میں دل ناکردہ کار کا
اے باؤ مت آڑاوے[3] گریباں کی دھجیاں
لے ہے جنوں حساب یہاں تار تار کا
جیتا کوئی بچے گا نہ عالم میں اب کے[4] صید
اُس تیغ زن کو شوق ہوا ہے شکار کا
سائے سے بھاگتا ہے میرے وہ ہزار کوس
تس پر اُمید ہے مجھے بوس و کنار کا
مشہد سے سوختوں کے میاں شمع دور کر
ہے داغ دل چراغ ہمارے مزار کا
حاتم سے جان وعدہ خلافی ہے اب تلک[5]
کیا اعتبار ہے تیرے قول و قرار کا

---

(۱) بیٹھ گھر میں [انتخاب حاتم، حسرت ص ۳]۔
(۲) کرم خوردہ۔ (۳) اوڑا تو۔ (۴) ایک۔ (۵) آج تک۔
[انتخاب حاتم، حسرت ص ۴]۔

زمین طرحی در ۱۱۷۲ھ

دیکھو شعور اس دل خانہ خراب کا
عاشق ہوا ہے کس بت مست شراب کا

عارض سے اُس کی زلف میں کیونکر ہے روشنی
ظلمات میں تو نام نہیں آفتاب کا

ایسا ہے خال گوشۂ ابرو کا خوشنما
جیسے ہو نقط بیت اوپر انتخاب کا

ہے انتظار چشم کہ دیکھے کسی طرح
شاید سنا ہے اس نے کہیں نام خواب کا

سب دوزخ و بہشت برابر ہے اس کے تئیں
عاشق کو غم نہیں ہے عذاب و ثواب کا

حاتم تعینات کا گر وہم دور ہو
اوٹھ جاے درمیاں سے پردا حجاب کا

زمین رفیع سودا در ۱۱۷۲ھ

اس واسطے نکلوں ہوں ترے کوچے سے بچ بچ
ہر ایک مچاتا ہے مجھے دیکھ کے کچ کچ

نیرنگیٔ قدرت کا وھی دید کرے ہے
پانی کی صفت ہو جو ہر اک رنگ مین رچ رچ

سر پر سے تو مندیل کو اب دور کر اے شیخ
گردن تری اس بوجھ سے اب کرتی ہے لچ لچ

نادان ہے ایسا کہ جو دشمن مرے حق میں
جھوٹی اُسے کہتے ھیں تو وہ جانے ہے سچ سچ

مکتب میں جو کی سیر تو یہ دیکھا تماشا
ملاں کے بھی شاگرد ہیں مرغے کے سے کچ کچ
زر ہوئے تو معشوق بھی ہاتھ آوے ہے حاتم
مفلس عبث اس فکر میں جی دیوے ہے پچ پچ[1]

زمین طرحی ۱۱۷۲ھ (قصیدہ)

کیا بیان کیجے نیرنگیٔ اوضاع جہاں
کہ بیک چشم زدن ہو گیا عالم ویراں
جن کے ہاتھی تھے سواری کو سواب ننگے پاؤں
پھریں ہیں جوتی[2] کے محتاج پڑے سر گرداں
نعمتیں جن کو میسّر تھیں ہمیشہ ہر وقت
صبح سے شام تلک قوت کو ہیں گے حیراں[3]
جن کے پوشاک سے معمور تھے توشک خانے[4]
سو ہیں پیوند کے مشتاق[5] سراپا عریاں
پرچۂ نان کے تئیں ہاتھ میں دھر[6] کھاتے ہیں
خوان الوان کہاں اور وہ کہاں دستر خواں
رتبہ شیروں کا ہوا ہے گا شغالوں کے نصیب
جائے بلبل ہے چمن بیچ غزل خواں زاغاں
وہ جو ٹُھڈّے کو ترستے تھے سو اس دور میں آج
ہوے ہیں صاحب مال و محل و فیل و نشاں

---

(۱) بچ بچ (نسخۂ رام پور)۔
(۲) روٹی (نسخہ رام پور)۔
(۳) روز پھرتے ہیں یہاں قوت کو اپنے حیراں (انتخاب حسرت، صفحہ ۳۱)۔
(۴) توشے خانے۔ (انتخاب حسرت، صفحہ ۳۱)۔
(۵) تاج [انتخاب حسرت، صفحہ ۳۱]۔
(۶) رکھ (نسخہ رام پور)۔

اے خدا وقت کے موقع ہے کسی کا مصرع
یعنی نعمت بہ سگاں بخشی و دولت بہ خراں .
پوچھتا کوئی نہیں حال کسی کا افسوس
ہے عدم دھر کی آنکھوں سے مُروت کا نشاں
زن و بچے سے چھپا کھاتا ہے روٹی عالم
غضب آوے جو کوئی جائے کسی کے مہماں
جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطاں پیچاں
یعنی چہ میر و چہ مرزا و چہ نواب و چہ خاں
وہ جو بے کار ہیں ان کا تو خدا ہی حافظ
وے جو ہیں نام کو نوکر انہیں تنخواہ کہاں
جہاں سنتے تھے شب و روز طنبورا ڈھولک
تہاں اب مرد ہیں مانند زناں نوحہ کناں
کان دھر بات کسی[1] کی نہیں سنتا کوئی
آنکھ سے آنکھ ملانا تو یہاں کیا امکاں
کیا زمانے کی ہوا پھر گئی سبحان اللہ
زندگانی ہوئی ہر ایک کی اب دشمن جاں
گرم ہے ظلم کا بازار خدا خیر کرے
کہیں مظلوموں کے رونے سے نہ آوے طوفاں[2]
چشم عبرت سے نظر کیجو اولی الابصارو
راست کہتا ہوں نہیں جھوٹ[3] عیاں را چہ بیاں

---

(۱) کسو (انتخاب حسرت) -
(۲) اس شعر کے بعد انتخاب حسرت میں یہ شعر ہے :
خلق پر بھوکھ کے آزار کی شدت ہے کہاں
اس مرض کا ہو مگر فضل خدا کا درماں
(۳) اصل نسخہ "جھوٹھ"۔

غرض ہے یہ کہ کوئی کام نہ آیا میرے
آشنا تھا مرا از بس کہ تمام ہندستاں
حاتم اس بحر مرّوت[1] کی علی دیوے مراد
جس کا اس وقت ہوا ہے تو عبید الاحساں

زمین عمادالملک ۱۱۷۲ھ

طوبیٰ کو تو کہتے ہیں ہے یار بہت تحفہ
ہم کو ہے ترا سایۂ دیوار بہت تحفہ
ابرو کو ترے ظالم کہتے ہیں مبصر سب
ہے گی یہ اصیلوں میں تروار بہت تحفہ
گلشن کی جو خواہش ہے تو دیکھ مرا سینہ
پھولا ہے یہ داغوں سے گلزار بہت تحفہ
عاشق کو کھجاتا ہے پھر چھاتی لگاتا ہے
اُس شوخ ستم گر کا ہے (پیار) بہت تحفہ
ہے قول عمادالملک حاتم کے مناسب حال
"پایا ہے یہاں ہم نے غم خوار بہت تحفہ"

زمین طرحی ۱۱۷۲ھ

اگر ہمت سے حاتم مفلس و بے ساز و ساماں ہے
ولے مسند نشین صحبت مسند نشیناں ہے
زمین اور آسماں سب کچھ سمایا تو بھی ہے خالی
ہماری وسعت دل کے برابر کب بیاباں ہے
کبھو کیا زشت سے کیا خوب سے ملتے نہ منہ پھیرا
صفائی دیکھ کر دل کی مرے آئینہ حیراں ہے

---

(۱) محبت (انتخاب حسرت، صفحہ ۳۱)۔

پری رویان عالم ہوں مسخر جس کی خدمت میں
اگر ہے مور تو بھی وقت کا اپنے سلیماں ہے

دماغ و دل کہاں جو اس کے کوچے سے اُٹھے یارو
مرا دیوانہ بیٹھا انتظار سنگ طفلاں ہے

کماں ابرو نہیں ہم پاس اور ساون کی جھڑ لاگی
ہمارے حق میں یہ باراں نہیں ہے تیر باراں ہے

کروں سو خلعتیں قرباں میں عریانی کے جامے پر
نہ دامن کی اسے حاجت نہ محتاج گریباں ہے

ادھر دیکھا اُدھر بھولا نہ جانا کون تھا کیا تھا[1]
ہمارے لوح دل پر مثل آئینہ کے نسیاں ہے

مسیحا سے بھی منت کش نہیں ہونے کا مرتے تک
مریض عشق کب محتاج تشخیص طبیباں ہے

بہار آنے کی خبریں ہم سے کیا پوچھو ہو دیوانو
دلِ پُر غم کو صبح عید بھی شام غریباں ہے

خدا تجھ کو رکھے گا سرخ رو مردوں کے میداں میں
کہ تو مشہور اے حاتم غلام شاہ مرداں ہے

۱۱۷۲ھ

عشق کی خانہ خرابی کو تو کیا جانے ہے
تجھ کو ان باتوں سے کیا تیری بلا جانے ہے

ہجر میں نامہ و پیغام کی حاجت کیا ہے
دل میں غنچے کے جو ہے باد صبا جانے ہے

---

(۱) ہے (نسخہ رام پور)۔

رسم و آئین بتاں سے جو کوئی واقف ہے
بے وفائی کو تری عین وفا جانے ہے

ایسے بے فائدہ جینے سے تو مرنا بہتر
کیا کہوں مونہہ سے جو ہے دل میں خدا جانے ہے

جو ہوا دل سے تمنائے شہادت میں فنا
آب خنجر کو ترے آب بقا جانے ہے

جو ہے بیمار محبت نہیں محتاج طبیب
ہجر کے درد کو وہ اپنی دوا جانے ہے

اس قدر محو ہے حاتم تری اُلفت میں کہ جان
جو برا تو نے کیا اُس کو بھلا جانے ہے

زمین طرحی ۱۱۷۲ھ[۱]

کام آئے ہے جہاں میں کریماں کی دوستی
نے دانہ زد دنی و خسیساں کی دوستی

سو بار تار تار کیا تو بھی اب تلک
ثابت وہی ہے دست و گریباں کی دوستی

بہتر ہے اس سے دشمن دانا سے آشتی
جی کا زیاں ہے مردم ناداں کی دوستی

سارے تونگروں میں جو دیکھا تو ہے نفاق
آپس میں ہے جو کچھ تو[۲] غریباں کی دوستی

حاتم کے آشنا تو بہت ہیں پر عین وقت
کام آئے ہے مراد علی خاں کی دوستی

---

(۱) نسخہ رام پور میں یہ غزل ۱۱۷۴ھ کی ہے۔
(۲) سو (نسخہ رام پور)۔

زمین طرحی ۱۱۷۳ھ

گل کی اور بلبل کی صحبت کو چمن کا شانہ ہے
سرو ہے جوں شمع تس پر فاختہ پروانہ ہے

روز و شب یا نوحہ یا زاری ہے یا آہ و فغاں
یا الٰہی یہ کوئی دل ہے کہ ماتم خانہ ہے

بلبل تصویر کے مانند صید دل کے تئیں
نے ہوا اُڑنے کی نے پروائے آب و دانہ ہے[1]

معتکف ہو شیخ اپنے دل میں مسجد سے نکل
صاحب دل کی بغل میں دل عبادت خانہ ہے

میکشو مجھ کو تمہاری بزم کی حسرت نہیں
پاس میرے دیدہ و دل، شیشہ و پیمانہ ہے

خواب میں تھے جب تلک تھا دل میں دنیا کا خیال
کھل گئی تب آنکھ دیکھا تو سب افسانہ ہے[2]

شعر اُستادانہ[3] و حاتم ہے بے باکانہ وضع
طبع آزادانہ و اوقات درویشانہ ہے

طرحی ۱۱۷۳ھ[4]

فریاد ترے کوچے میں گر بے ادبی ہے
تسکین دہ دل آہ مری نیم شبی ہے

---

(۱) اس شعر کے بعد نسخۂ رام پور میں یہ شعر ہے:
ایک حالت پر نہ دیکھا ہم نے دل کو ایک آن
گہ گل و گہ بلبل گہ شمع گہ پروانہ ہے

(۲) انتخاب حسرت (ص ۱۰۴) و نسخۂ رام پور میں یہ مصرع یوں ہے:
کھل گئیں آنکھیں تو دیکھا ہم نے سب افسانہ ہے

(۳) عاشقانہ (نسخۂ رام پور)۔

(۴) نسخۂ رام پور میں یہ غزل ۱۱۷۲ھ کی ہے۔

حاضر مرے رہنے سے تو آزردہ نہ ہونا
مطلب مرے دل کا تیری خدمت طلبی ہے
ٹک خاک سے میری تو شتابی سے گزر کر
ہے خاک ولے اس کے تلے آگ دبی ہے
رکھتا ہے عبادت کے لیے[1] حسرت جنّت
زاہد کی خدا ساتھ محبت سبھی ہے
حاتم کو نہیں دغدغۂ روز قیامت
بخشندہ خدا ہے تو شفاعت کو نبیؐ ہے

زمینِ طرحی ۱۱۷۳ھ[2]

پھرتا ہے کدھر اے دل ناشاد کہاں ہے
دنیا میں جو چاہے تو[3] دل شاد کہاں ہے
کیا آہ کے تیشے میں لگاتا ہوں جگر پر
آ دیکھے تماشا مرا، فرہاد کہاں ہے
نالے کو رسائی نہیں ہے گوش تک اُس کے
ہے وقت مدد طاقت فریاد کہاں ہے
بخشی ہے مجھے بے پر و بالی نے اسیری
آ پہنچ شتابی مرے صیاد کہاں ہے
کس کو ہے توقع کہ ہو آزاد قفس سے
احوال اسیروں کا اُسے یاد کہاں ہے
گردن زدنی جمع ہیں اس وقت تو لیکن
وہ خوں کا پیاسا مرا جلاد کہاں ہے

---

(۱) عوض (نسخۂ رام پور) -
(۲) نسخۂ رام پور میں یہ غزل ۱۱۷۲ھ کی ہے -
(۳) دنیا میں تو ڈھونڈھے ... الخ (انتخاب حسرت، ص ۴۳) -

حاتم جسے دیکھو(ں) ہوں سو بندا ہے خدا کا[1]
کہنے کو ہے آزاد پر آزاد کہاں ہے

۱۱۷۳ھ[2]

پیری میں جوانی کا سا اب ہوش کہاں ہے
پھر تازہ کرے عشق کو وہ جوش کہاں ہے
اس کے قد موزوں سے نہ دو سرو کو تشبیہ
ہے راست پر اس کا سا برو دوش کہاں ہے
لبریز مے سرخ سے ہیں گل کے پیالے
گلشن میں وہ اس وقت قدح نوش کہاں ہے
تنہائی سے آتی نہیں دن رات مجھے نیند
یا رب مرا ہم خواب و ہم آغوش کہاں ہے
حاتم کا تو ہر مو ہے زباں وصف بتاں میں
اس دُر کو جو لے کان میں وہ گوش کہاں ہے

زمین طرحی ۱۱۷۴ھ

کیا ہم دوستی کا امتحاں سو بار دنیا میں
نہ کوئی آشنا دیکھا نہ کوئی یار دنیا میں
عدم سے منہ نہ کرتے اس طرف مقدور اگر ہوتا
ہوے ہیں بیدماغ ہم آکے اس مردار دنیا میں
نہ ہو ایسا الٰہی دشمنوں کے بھی نصیبوں میں
کہ جیسا ہم نے کھینچا آن کر آزار دنیا میں

---

(۱) انتخاب حسرت میں یہ مصرع یوں ہے :
حاتم میں جسے دیکھوں ہوں بندا ہے خدا کا
(۲) نسخۂ رام پور ۱۱۷۲ھ۔

جدا ہوتا نہیں یک آن قرباں اس کی اُلفت کے
نہ دیکھا درد سا ہم نے کوئی غم خوار دنیا میں

جہاں معشوق ہے یارو وہاں آفت ہی بھلی ہے
نظر آیا ہے کم ہم کو گل بے خار دنیا میں

تکلف بر طرف سو سدرہ و طوبیٰ سے بہتر ہے
مرے سر پر ترا یہ[1] سایۂ دیوار دنیا میں

گدا یا شاہ کوئی ہو موافق قدر ہر یک کے
لباس و قوت و مسکن سب کو ہے درکار دنیا میں

دکاں دارو خریداری ہوئی ہے سرد سودے کی
مگر اک گرم ہے تو موت کا بازار دنیا میں

پھرے ہے رات دن بیزار مفلس زندگانی ستی
مزا جینے کا اُس کو ہے جو ہے زر دار دنیا میں

اگر طالع نہیں رکھ قابلیت طاق پر حاتم[2]
پھریں[3] ہیں تجھ سے بہتر اہل جوہر خوار دنیا میں

زمین طرحی ۱۱۷۴ھ

خاکساروں کا دل خزینا ہے اس زمیں میں بھی کچھ دفینا ہے
سنگ دل ٹک سنبھل کے[4] ہاتھ لگا دل نازک بھی آبگینا ہے
گر یہی دور ہے تو اے ساقی! مے نہیں ہے یہ[5] خون پینا ہے

---

(۱) یہ تیرا (مجموعہ نغز ج ۱، صفحہ ۱۸۸) -
(۲) انتخاب حسرت میں یہ مصرع یوں ہے :
جہاں کے بحر میں ہر موج ہے سیل فنا حاتم -
(۳) پڑے (انتخاب حسرت، صفحہ ۲۹) -
(۴) ادب سے - [انتخاب حسرت صفحہ ۳۲] -
(۵) مے تو معلوم - ایضاً -

دل کی لہروں کا طول و عرض نہ پوچھ کبھو دریا کبھو سفینا ہے
سینہ صافوں سے دل میں کینہ نہ رکھ زندگی میں نفاق[1] جینا ہے
کوئی تو مست ہے[2] چمن میں نسیم کہ ہر اک سرو رشک مینا ہے
اُس کے وعدے سبھی ہیں سچ حاتم دن برس ہے گھڑی مہینا ہے

زمین طرحی در ۱۱۷۴ھ

ہم بچاتے ہوے دل جاتے تھے رستے رستے
لے گئے دل کو[3] بتاں چھین کے ہستے ہستے
نرگس آنکھوں کو تری دیکھے تھی چوری چوری
لائے یک دست قلم کر اُسے دستے دستے
رات کس ساتھ تھا ہم خواب تو اے ہرجائی
چولی پہنچی جو کمر تک تری چستے چستے
اے مرے لعل تو کیا جانے دلوں کی قیمت
لگ گئے ہاتھ کہیں[4] مفت میں سستے سستے
دل کو عشاق کے ایسا کیا ویراں ظالم
مدت اب چاہیے اس شہر کو بستے بستے
رہ گئی صوت جرس قافلہ پہنچا منزل
ہم تغافل سے رہے محمل ہی کستے کستے
زلف صیاد نے تقصیر نہ کی تھی حاتم
بچ گیا طائر دل دام میں پھستے پھستے

---

(۱) زندگی بے نفاق...الخ (نسخہ رام پور)۔
(۲) ہو (انتخاب حسرت)۔
(۳) مل کے (انتخاب حسرت صفحہ ۵۱ و نسخہ رام پور)۔
(۴) ترے (مجموعہ نغز صفحہ ۱۹۳)۔

زمین طرحی ۱۱۷۴ھ

کب ترے لب کے مقابل ہو عقیق یمنی
جس نے یک حرف میں کی لعل کی قیمت شکنی
دل کو کوچے کی ترے خاک نشینی ہے شرف
بنی آدم کو ہے مرتے تلک حبّ وطنی
نیزہ بازوں میں تو یکتا ہیں نگاہیں لیکن
ترے ابرو کے اوپر ختم ہے شمشیر زنی
ق: ایک دن ایک تونگر نے کیا مجھ سے سوال
بس کہ اپنے تئیں جانے تھا وہ دنیا میں غنی
یعنی بے ہودہ ہوا کیوں تو فقیر اے حاتم
کچھ نہیں جان لے اس فقر میں حاصل شدنی
در جواب اس کے پڑھا میں[1] نے یہ شعر فائق
کہ سن اس رمز کو اے غافل ناداں و دنی
"(نسبت) فقر و فنا بس کہ بہم نزدیک است
نیست یک رشتۂ جدائی زکفن تا کفنی"

زمین طرحی ۱۱۷۶ھ

دیکھنا اس کی تجلی کا جسے منظور ہے
سنگ ریزہ بھی نظر میں اس کی کوہ طور ہے
ہم سے ہم چشمی اناالحق کو کہاں مقدور ہے
اشک ہر یک دار مژگاں پر مرے منصور ہے
نحن واقرب کی نہیں ہے رمز سے تو آشنا
ورنہ وہ نزدیک ہے تو آپ اس سے دور ہے

---

(۱) ہم (نسخہ رام پور) -

ہجر کی شب کو اگر کاٹے تو پھر ہے روز وصل
نیش کے پردے میں دیکھا نوش بھی مستور ہے

کیا ہوا واعظ کرے ہے شور جوں طبل تہی
وہ سر بے مغز گویا کانسۂ طنبور ہے

آج ہمیں اور ہی نظر آتا ہے کچھ صحبت کا رنگ
بزم ہے مخمور اور ساقی نشے میں چور ہے

روز و شب رہتا ہے تری یاد میں عاشق کا دل
گو مقصّر ہے تری خدمت سے گو معذور ہے

آرزو ہے رات اندھیری میں کہ آوے ماہ رو
جس کے آگے روشنائی شمع کی بے نور ہے

خاکساروں کو کبھو لاتا نہیں خاطر میں وہ
حسن کی دولت پر اپنے اس قدر مغرور ہے

عشق ہے دارالشفا اور درد ہے اس کا طبیب[۱]
جو نہیں اس مرض کا طالب سدا رنجور ہے

اب تلک حاتم سے تو واقف نہیں افسوس یار
شاعری کے فن میں وہ آفاق میں مشہور ہے

زمین طرحی در ۱۱۷۶ھ

ہمارے حق میں تو صد فتنہ و بلا تو ہے
زہے نصیب میاں جس کا آشنا تو ہے

مرا جہاں میں اذیت رساں نہیں کوئی
جو امتحاں کیا یا یہ دل ہے یا تو ہے

ہمارے طوف کو دیر و حرم بہانہ جان
جدھر گزار کریں دل کا مدعا تو ہے

---

(۱) عشق ہے دارالشفا اور درد اس کا ہے طبیب (نسخہ رام پور)۔

مریض عشق ہوں طالب نہیں مسیحا کا[1]
تو منہ دکھا کہ مرے درد کی دوا تو ہے

مہوسی کی ہوس خواب میں نہیں کہ ہمیں
تری نگاہ ہے اکسیر[2] و کیمیا تو ہے

شگفتہ غنچے کو کرتی ہے گر[3] چمن میں نسیم
ہو جس سے غنچۂ دل وا سو وہ صبا تو ہے

بتاں کا حسن تو ہے جلوہ گر ازل سے ولے
اے جان حسن جہاں موجد ادا تو ہے

ترے دماغ سے سب پر عیاں ہے شوکت حسن
تمام شہر کے خوباں میں میرزا تو ہے

نہ کوئی ہے نہ کوئی تھا نہ کوئی پھر ہوگا
اے زیب آئینہ جس درجہ خود نما تو ہے

صنم نظر میں تو حاتم کی سر سے تا بقدم
ظہور جلوۂ حق مظہر خدا تو ہے

زمین طرحی در ۱۱۷۶ھ[4]

(ترے) پابوس کو آتا ہوں ہر دم ہر قدم سر سے
کہ ہے آرام مرے درد سر کو تیری ٹھوکر سے

ترے در پر ہجوم خلق سے شور قیامت ہے
تماشا ہے[5] کہ سن کر اب تلک نکلے ہے تو گھر سے

نہیں معلوم یا رب کس کی کم بختی ہے مجلس میں
نظر کچھ بے طرح آتا ہے مجھ کو اس کے تیور سے

---

(۱) سے - (انتخاب حسرت ' صفحہ ۴۴) - (۲) اصل نسخہ میں : "اکثیر"
(۳) گو—ایضاً— (۴) ۱۱۸۹ھ (نسخہ رام پور' حاشیے پر) -
(۵) تعجب ہے کہ ... الخ (نسخہ رام پور)

زمین طرحی ۱۱۷۷ھ

دورا ہے جب سے بزم میں تیری شراب کا
بازار گرم ہے مرے دل کے کباب کا

خوباں کو کس طرح سے لگا لے ہے بات میں
بندا ہوں اپنی طبع ظرافت مآب کا

جو نامہ بر گیا نہ پھرا ایک اب تلک
اے دل تو انتظار عبث ہے جواب کا

حسرت یہ ہے کہ رات کو آوے وہ ماہ رو
دولت سے اس کی دید کروں ماہتاب کا

الطاف میں بھی اس کے اذیت ہے سو طرح
لاؤں کہاں سے حوصلہ اس کے عتاب کا

رخسار کے عرق کا ترے بھاؤ دیکھ کر
پانی کے مول نرخ ہوا ہے گلاب کا

حاتم یہی ہمیشہ زمانے کی چال ہے
شکوا بجا نہیں ہے تجھے انقلاب کا

زمین طرحی ۱۱۷۷ھ

گلشن میں جا کے وصف لب یار کیجیے
غنچے کے تئیں کھجا کے بہت خوار کیجیے

(طالع) کی گر مدد ہو تو جا اپنا بود و باش
خوباں کے زیر سایۂ دیوار کیجیے

اُس حسن کے نمک کی ملاحت کا شور ہے
ملنے میں اُس کے سیر نمکسار کیجیے

گردن اوپر مرے سر پرشور بوجھ ہے
ابرو کو ٹک دکھا کے سبکسار کیجیے
دن رات کے کھجوڑ کہاں تک اٹھا سکیں
ہم دل جلوں کو اتنا نہ بے زار کیجیے
حاتم جہاں میں جس کی ملاحت کی دھوم ہے
یوسف کو لا کے اُس کا خریدار کیجیے

زمین طرحی ۱۱۷۷ھ

نے گدا سے کچھ غرض مجھ کو نہ مطلب شاہ سے
کام ہے گا دم بہ دم اپنے مجھے اللہ سے
شمع و مشعل سے اگر ہوتا ہے تاباں قصر شاہ
کلبۂ درویش ہے روشن چراغ ماہ سے
جس طرح خورشید کی ہووے نظر سے سنگ لعل
اس طرح دل فیض پاتا ہے دل آگاہ سے
کہربا کا سا بھی گر جذبہ نہ ہو معشوق میں
طے مسافت راہ کی تو کب ہو برگ کاہ سے
تھا زلیخا میں کمال عشق سے (شوق رسا)
بیٹھے گھر اپنی طرف یوسف کو کھینچا چاہ سے
(بے طریقت) گو نہیں کھلتا حقیقت کا مقام
پھر کہاں پہنچے ہے منزل جو پھرا ہو راہ سے
عاقبت نادان اپنے ہاتھ ہوتا ہے خراب
فرق جس کو کچھ نہ ہو بد خواہ و دولت خواہ سے
ایک دم کے بیچ ہو جاویں کئی لشکر تباہ
شاہ جو لیوے نہ اپنی کچھ خبر نگاہ سے

تیر و نیزے سے سپاہی کر نہیں سکتا وہ کام
ہم کیا ہے سنگ میں سوراخ اپنی آہ سے

خیر کہتے ہیں اُسے مردوں میں لونڈی کا غلام
چھوڑ کر بی بی کرے جو آشنائی داہ سے

اپنے حاتم کو خسیسوں کا نہ کر محتاج تو
یا الٰہی کر نہال اپنی اُسے درگاہ سے

طرحی ۱۱۷۸ھ[1]

(فرمائش عبداللہ خاں پسر علی محمد خاں)

تو جو کہتا ہے بولتا کیا ہے (ق) امر ربیّ ہے روح مولا ہے
جب تلک ہے جدا تو ہے قطرہ بحر میں مل گیا تو دریا ہے
فی الحقیقت کوئی نہیں مرتا موت حکمت کا ایک پردا ہے
اور شریعت کی پوچھتا ہے جو یار (ق) وحدہ لا شریک یکتا ہے
ہے گا وہم و قیاس سے باہر وہ نہ مجھ سا ہے اور نہ تجھ سا ہے
جہاں ہو، جو کہو، سمیع و بصیر سب کو دیکھے ہے سب کی سنتا ہے
نظر آتا نہیں وہ اَعمی کو ورنہ اس کا ظہور سب جا ہے
ور طریقت کا تو کرے ہے سوال (ق) سو تو کہتا ہوں گر سمجھتا ہے
غیر حق کے نہ دیکھ غیر طرف دیدۂ دل جو تیرا بینا ہے
بات سنتا ہے تو اُسی کی سن گر طریقت سے تجھ کو بہرا ہے
اُس کے تو ذکر بن نہ کر کچھ ذکر گر دھاں میں زبان گویا ہے
ہاتھ سے کام بھی اُسی کا کر پاؤں سے چل جو راہ اس کا ہے
کام اس میں بڑا ہے نفس کشی ہو سکے تو عجب تماشا ہے
معرفت کیا ہے پوچھ عارف سے (ق) جس کو عرفاں ہے سو تو گونگا ہے

---

(۱) نسخۂ رام پور ۱۱۷۵ھ۔

جس نے پایا اُسے سو ہے خاموش | جس نے پایا نہیں سو بکتا ہے
آپ ہی آپ ہے جہاں دیکھو | کُلِّ شئیٍ محیط پیدا ہے
عشق کا مرتبہ ہے سب سے بلند | سر سے پہلے قدم گزرنا ہے
جو ہوا سرِّ عشق سے آگاہ | آگے مرنے سے آپ مرتا ہے
جو فنا ہو ہوا بقا با اللہ | کب اُسے زندگی کی پروا ہے
اُس کو ہر آن ہر قدم ہر دم | از ثریٰ سیر تا ثریا ہے
رمز توحید کو سمجھ کر بول | گر تو صاحب شعور و دانا ہے

وہ نہ سمجھے گا یہ سخن حاتم
جس کو جہل اور خیال سودا ہے

زمین طرحی ۱۱۷۸ھ[۱]

تو ہم سے جس طرح مل جانتا ہے
زباں سے کیا کہیں دل جانتا ہے
چھپاتا کیا ہے منہ کب تک چھپے گا
تجھے سب شہر قاتل جانتا ہے
جو پاتا ہے تڑپھنے میں مزا[۲] دل
وہ لذت صید بسمل جانتا ہے
نظر آ جائے ہے مجنوں کو جو کوہ
اُسے لیلیٰ کا محمل جانتا ہے
مرے کیوں کر نہ تجھ غم میں کہ عاشق[۳]
یہی جینے کا حاصل جانتا ہے

---

(۱) نسخۂ رام پور ۱۱۸۷ھ۔
(۲) مزے۔ (انتخاب حسرت صفحہ ۴۵)۔
(۳) مرے کیوں کہ نہ تیرے غم میں عاشق — ایضاً —

سواد خال کے نقطے کی خوبی
جو عاشق ہے سو تل تل جانتا ہے
اُسی میں ہے کشود کار حاتم
جسے تو سخت مشکل جانتا ہے

زمین طرحی در ۱۱۷۹ھ[۱]

جس کو دیکھا سو یہاں دشمن جاں ہے اپنا
دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا
قصۂ مجنوں و فرہاد بھی ایک پردا ہے
جو فسانا ہے یہاں شرح و بیاں ہے اپنا
وصف کہنے میں ترے حسن کے شرمندا ہوں
اس کے قابل نہ زباں ہے نہ دہاں ہے اپنا
جس کو جانا ہو بھلا اُس کو برا کیا کہیے
گو کہ بدوضع ہے پر اب تو میاں ہے اپنا

زمین طرحی در ۱۱۷۹ھ

کروں دل کھول کر سیر بیاباں
جو فرصت دے کوئی دم مجھ کو دوراں
قیامت تک جدا ہووے نہ یا رب
جنوں کے دست[۲] سے میرا گریباں
خیال زلف محبوباں نے اس رات
کیا مجھ جمع خاطر کو پریشاں

---

(۱) نسخۂ رام پور ۱۱۷۰ھ، انتخاب حسرت ۱۱۶۹ھ -
(۲) ہاتھ (مجموعہ نغز، ص ۱۸۸) -

ہمارے اشک خوں آلودہ سے آج
ہوئی ہے آستیں رشک گلستاں

ہمیں تو رنج و راحت شادی و غم
تصور میں ترے گزرے ہے یکساں

ہے لازم تجھ کو میری پاس خاطر
کہ ہوں اس بزم میں یک دم کا مہماں

وہی ہوگا جواں مردی میں نامی
کسی پر جو کرے اس وقت احساں

تجھے مرہون کیا احساں سے حاتم
ہے فیاض زماں یعقوب علی خاں

زمین طرحی ۱۱۷۹ھ

گرم بازاری تری یاروں سے ہے   جنس کی قیمت خریداروں سے ہے
کون اٹھاوے ناز جب تک ہم نہ ہوں   غمزہ تیرا ناز برداروں سے ہے
شغل میرا روز و شب تجھ شوق[1] میں   سر پٹکتا گھر کی دیواروں سے ہے
اس کی اے صیاد خاطر ہے ضرور   طائر دل[2] نو گرفتاروں سے ہے
دشت گردی کا نہیں کچھ مجھ کو باک   کفش میخی پاؤں میں خاروں سے ہے
دل ہو ویران، ہوں نہ گر[3] برجا حواس   بندوبست ملک سرداروں سے ہے
نام سن حاتم کا فرمایا کہ ہاں   وہ بھی اپنے کفش برداروں سے ہے

زمین طرحی ۱۱۷۹ھ[4]

ہر شاخ گل اس آن یہاں لال پری[5] ہے
یا ہاتھ میں گلشن کے یہ پھولوں کی چھڑی ہے

(۱) ہجر۔   (۲) صید تیرا [انتخاب حسرت صفحہ ۴۴]۔
(۳) گر نہ ہوں (نسخۂ رام پور)۔
(۴) انتخاب حسرت و نسخۂ رام پور ۱۱۷۸ھ۔   (۵) متن میں "پڑی"۔

اس ابر میں ساقی مے شبنم یہ ہوا ۔
کس کے لیے اب گل کے کٹوروں میں بھری ہے
تم صحن چمن میں لب جو سرو نہ جانو
شاید کسی عاشق کی یہ آہ سحری ہے
دھوتی ہے عبث داغ کو لالہ کے تو شبنم
زنہار نہ جاوے گا یہ داغ جگری ہے
آتی ہے صدائے جرس غنچہ بہ ہر سو
اس فصل گویا قافلۂ گل سفری ہے
اے آہ فغاں پر مری کرتا ہے تبسم
اس درجہ مرے نالے میں اب بے اثری ہے
آئی ہے بہار آج لیے عیش کا ساماں
حاتم ہو مبارک یہ تجھے خوش خبری ہے

زمین طرحی ۱۱۶۹ھ

تمھارے عشق میں ہم ننگ و نام بھول گئے
جہاں میں[۱] کام تھے جتنے تمام بھول گئے
نمازیوں[۲] نے تجھ ابرو کو دیکھ مسجد میں
بسمت قبلہ سجود و قیام بھول گئے
یہ وضع کیا ہے کہ ہوتے نہیں ہو دست بہ سر
ابھی سے اپنوں کا لینا سلام بھول گئے
گئے تھے زعم[۳] میں اپنے پراس کو دیکھتے ہی
جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام بھول گئے

---

(۱) کے (انتخاب حسرت صفحہ ۵۱) ۔
(۲) مصلیوں (نسخہ رام پور) ۔
(۳) اصل نسخہ اور نسخہ رام پور دونوں میں ''ضعم'' ۔

تری طرف ھوئی صورت گران چین کی نگاہ
قلم کو ھاتھ سے رکھ اپنا کام بھول گئے

بتان چرب زبان سن کے خوبیٔ گفتار
ادب میں دب گئے حسن کلام بھول گئے

تری اے سرو رواں دیکھ کر انوکھی چال
جو خوش خرام تھے اپنا خرام بھول گئے

تری یہ زلف گرہ گیر دیکھ کر صیاد
شکار آپ ھوے صید و دام بھول گئے

بڑا غضب ھے کہ حاتم کو تم نہ پہچانا
وھی[1] قدیم تمہارا غلام بھول گئے

زمین طرحی در ۱۱۸۰ھ

ھم بھی اس پیری میں اک راحت جاں رکھتے ھیں
شغل میں اس کے[2] دل اپنے کو جواں رکھتے ھیں

بہت دشنام دئیے اب تو بھلا چپ رہیے
کب تلک سنتے رھیں ھم بھی زباں رکھتے ھیں

مر گئے، خاک ھوے، خاک بھی برباد گئی
تو بھی جینے میں مرے شوخ گماں رکھتے ھیں

تیری خاطر تو ھمیں جاں سے زیادہ ھے عزیز
ھم تو کوچے میں ترے (پاس سگاں) رکھتے ھیں

دل ہمارا ھے کہ تجھ تیغ سے ھے سینہ سپر
بو الہوس یہ جگر و گردہ کہاں رکھتے ھیں

---

(۱) وہ ھے (نسخۂ رام پور)
(۲) شغل اس کے سے ... الخ (مجموعہ نغز صفحہ ۱۸۸) -

محتسب (گو تو) برا مان خدا بخشے گا
دختر رز کے اوپر تاک تو ھاں رکھتے ھیں

ھم ملاقات کے محتاج نہیں تا دم مرگ
زخم دل داغ جگر تیرا نشاں رکھتے ھیں[1]

مختلف قافیہ سے اور غزل میں حاتم
اپنے احوال کا ھم شرح و بیاں رکھتے ھیں

ایضاً

گر بتاں شیوۂ خود جور و جفا رکھتے ھیں
ھم بھی بالعکس سر مہر و وفا رکھتے ھیں

فاش کیجے تو (بڑا) باعث رسوائی ھے
اس سبب عشق کو ھم دل میں چھپا رکھتے ھیں

آن کی نظروں میں نے تجھ چشم کی سب کیفیت
جو کہ خوش چشموں کے ملنے کا نشا رکھتے ھیں

بزم میں آن کی نہیں شرم سے آینہ کو رو
بے غبار اپنے جو کوئی دل کو[2] صفا رکھتے ھیں

جس طرح دل میں میاں تو ھے تیری دولت سے
دل میں ھر ایک کے ھم اپنی بھی جا رکھتے ھیں

دل و دیں لے کے ملاتے نہیں آنکھیں ظالم
نہیں معلوم کہ[3] اب داعیہ کیا رکھتے ھیں

ھم ھوے آن کے پر حاتم وہ ھمارے نہ ھوے
گو ھمارے وہ نہ ھوں ھم بھی خدا رکھتے ھیں

---

(۱) نسخۂ رام پور میں اس کے بعد یہ شعر ھے :
کعبۂ دل کی خرابی کو مرے مدت سے   خدا آباد رکھے عزم بتاں رکھتے ھیں
(۲) میں (نسخہ رام پور)۔   (۳) یہ (انتخاب حسرت ' صفحہ ۳۴)۔

زمین طرحی در ۱۱۸۰ھ

چاند سے نسبت جو دے تجھ کو[۱] سو بے انصاف ھے
چاند کے منہ پر ھیں جھائیں تیرا مکھڑا صاف ھے

قد ترا ھے سرو، آنکھیں نرگس اور رخسار گل
حسن کا دریا و سینے سے لگا تا ناف ھے

بھوں کماں، پلکیں تری تیر اور نگاھیں برچھیاں
لب ھیں جوں یاقوت اور باتوں میں تو حراف ھے

خون عاشق نے لیا ھے گھیر تجھ کو جان من
گرد دامن کے ترے یا سرخ یہ سنجاف ھے

اوڑھنی نیچے تری کیا ناگ نے اگلا ھے من
یا یہ چوٹی میں چمکتا تاش کا موباف ھے

دل سے ھے حاتم[۲] تری بانکی اداؤں کا غلام
بھولنا مت بندگی اس کی اگر اشراف ھے

زمین طرحی در ۱۱۸۰ھ

عشق کے شہر کی کچھ آب و ھوا اور ھی ھے
اس کے صحرا کو[۳] جو دیکھا تو فضا اور ھی ھے

تجھ سے کچھ کام نہیں دور ھو آگے سے نسیم
وا کرے غنچۂ دل کو وہ صبا[۴] اور ھی ھے

نبض پر میری عبث ھاتھ تو رکھتا ھے[۵] طبیب
یہ مرض اور ھے اور اس کی دوا اور ھی ھے[۶]

---

(۱) چاند سے تجھ کو جو دے نسبت....الخ (نسخۂ رام پور)
(۲) دل سے حاتم ھے الخ .. (انتخاب حسرت، صفحہ ۴۳)-
(۳) میں - (۴) صدا [انتخاب حسرت، صفحہ ۴۵] -
(۵) ...ھاتھ کو رکھے ھے طبیب (نسخۂ رام پور) -
(۶) یہ مرض اور ھے کچھ اور دوا اور ھی ھے (انتخاب حسرت) -

گل تو گلشن میں ہزاروں نظر آئے لیکن
اس کے چہرے کو جو دیکھا تو صفا اور ہی ہے
زاہدو ورد وظائف سے نہیں حاصل کار
جس کو ہو حسن اجابت وہ دعا اور ہی ہے
اے جرس ہرزہ درا ہو نہ تو اتنا چپ رہ
پہنچے پس ماندہ بمنزل[1] وہ صدا اور ہی ہے
محتسب ہم سے عبث کینہ رکھے ہے حاتم
جو نشا ہم نے پیا ہے وہ نشا اور ہی ہے

زمین طرحی ۱۱۸۰ھ

ہے ایک سا وہ برگ و ثمر میں ہمیشہ سے
تصویر کے درخت کو کیا خوف تیشہ سے
تیروں سے اب جگر تو نیستاں ہو گیا
دل ہاتھ جوڑتا ہے میرا شیر بیشہ سے

زمین طرحی ۱۱۸۰ھ

کبھو جو اس کی طرف پاؤں تو[2] دراز کرے
تو اپنے بخت پر عاشق ہزار ناز کرے
صنم کے دیکھے جو محراب ابرواں زاہد
طرف وہ قبلہ کے[3] کافر ہو گر نماز کرے
عجب سماں[4] ہو جو آپس میں عاشق و معشوق
اُدھر وہ ناز کرے یہ ادھر نیاز کرے

---

(۱) بمزل (انتخاب حسرت)۔
(۲) وہ۔ (نسخۂ رام پور)
(۳) بسمت قبلہ وہ...الخ ۔ —ایضاً—
(۴) سما (انتخاب حسرت و نسخۂ رام پور)۔

مرے مزار کے اوپر اگر رکھے[۱] وہ قدم
تو مشت خاک کو ممتاز[۲] و سرفراز کرے

بڑا ستم ہو جو صیاد موسم گل میں
اے عندلیب قفس کا وہ در نہ باز کرے

جو اپنے کام کو سونپے خدا کو تو حاتم
تو سب سے خوب ترا کام کارساز کرے[۳]

زمین طرحی در ۱۱۸۱ھ

ایک مدت سے طلب گار[۴] ہوں کن کا ان کا
تشنۂ حسرت دیدار ہوں کن کا ان کا

جاں کو بیچ کے یہ نقد دل اب لایا ہوں
سب سے پہلے میں خریدار ہوں کن کا ان کا

امتداد اس مرے آزار کا مت پوچھ طبیب
روز میثاق سے بیمار[۵] ہوں کن کا اللہ کا

مخلصی قید سے مشکل ہے مجھے تا دم مرگ
دام الفت میں گرفتار ہوں کن کا ان کا

بود و باش اپنا بتاؤں میں تمہیں کیا یارو
ساکن سایۂ دیوار ہوں کن کا ان کا

---

(۱) رکھے اگر وہ قدم (نسخۂ رام پور) -
(۲) ...سر سبز و سرفراز کرے (انتخاب حسرت، صفحہ ۴۸) -
(۳) نسخۂ رام پور میں یہ شعر یوں ہے :
تیرا ہو خوب سر انجام کار اے حاتم جو تیرے کام کو اصلاح کارساز کرے
(۴) دل افگار - (انتخاب حسرت، ص ۵)
(۵) روز میثاق تلک زار ..الخ (انتخاب حسرت، صفحہ ۵) -

ہے بجا فخر کروں اپنے اگر طالع پر
کفش برداروں (کا)[1] سردار ہوں کن کا ان کا[2]
تو سزاوار سزا کس کا ہوا اے[3] حاتم
کچھ نہ پوچھو[4] میں گنہگار ہوں کن کا ان کا

طرحی در ۱۱۸۱ھ

یہاں حصول بجز جوش اور خروش نہیں
یہ جائے نیش ہے اس جا اُمید نوش نہیں
کہاں دماغ کہاں تک زباں کو دوں تکلیف
کہ اہل بزم میں شنوا کسو کے گوش نہیں
لباس فقر کا سامان پردہ پوشی ہے
تو خرقہ پوش نہیں ہے جو عیب پوش نہیں
نشے کے آن میں مجلس میں تم نے کی ہے نگاہ
ہنوز تب سے پیارے کسو میں ہوش نہیں
نہیں صلے کی طمع مجھ کو اہل دولت سے
میں سر فروش ہوں حاتم سخن فروش نہیں

زمین طرحی در ۱۱۸۱ھ

باغ میں تم جو کار فرما ہو — تو خزاں میں بہار پیدا ہو
مطرب ہو عندلیب و ساقی ابر — گل پیالا ہو غنچہ مینا ہو

---

(۱) اصل نسخے میں "کا" کی بجائے "میں" بعد میں اصلاح کی گئی ہے۔ تحریر کسی اور کی ہے۔
(۲) اس کے بعد نسخۂ رام پور میں یہ شعر ہے:
گالیاں تجھ کو جو دیتے ہیں یہ حاتم ہیں کون
کچھ نہ پوچھو میں گنہگار ہوں کن کا ان کا
(۳) ہے (انتخاب حسرت و نسخۂ رام پور) (۴) صاحب من ..الخ (نسخہ رام پور)

سب مہیا ہو عیش کا اسباب　　تم جو مجلس میں رونق افزا ہو
جس طرف لطف سے نگاہ کرو　　اُس طرف اور ہی تماشا ہو[۱]

یہ فقیروں کی ہے دعا حاتم
محسن الملک ہوئے دنیا ہو

زمین طرحی ۱۱۸۱ھ[۲]

اس جنگ جو سے ایسا موافق زمانہ ہے
بندوق تک بھی اس کی جو دیکھا خزانہ ہے

دیکھے ہے کیا مرے دل صد چاک کی طرف
مشاطہ زلف یار نہ محتاج شانہ ہے

آتا ہے خواب اس کو مرا سن کے درد دل
بے درد کے خیال میں یہ بھی فسانہ ہے

بارش رہے ہے تیر ملامت کی روز و شب
ناصح کے ہاتھ سے دل عاشق نشانہ ہے

اس درجہ مغ بچوں کے تصور کا ہے ہجوم
حاتم کا دل ہے یا یہ خرابات خانہ ہے

زمین طرحی شوق ۱۱۸۱ھ

خاطر میں تو لاتا نہیں تُو چاہ کسی کی
ظالم تجھے لگ جائے کہیں آہ کسی کی[۳]

---

(۱) انتخاب حسرت، صفحہ ۳۶، میں یہ شعر یوں ہے :
ٹک ادھر لطف سے نگاہ کرو　　دیکھ لو پھر تو کیا تماشا ہو
(۲) انتخاب حسرت ۱۱۸۳ھ، نسخہ رام پور ۱۱۸۲ھ -
(۳) نسخۂ رام پور میں اس کے بعد یہ شعر ہے :
عاشق تو تیرے ہجر میں مرتے ہیں ہزاروں
گو دل میں نہ ہووے تجھے پرواہ کسی کی

یک بار تو قاتل مرے مشہد سے گزر کر
تا جانے کوئی ہے یہاں درگاہ کسی کی

کہتے ہیں سبھی مہر بتاں خوب نہیں ہے
سنتا ہے کہاں یہ دل بد خواہ کسی کی

پابوس کی حسرت میں یہ دل خاک ہوا ہے
جانے ہے کہ اس کوچے میں ہے راہ کسی کی

ہر قدم میں دیوانوں کا دھڑکے ہے کلیجا
اس دشت میں شاید ہے کمیں گاہ کسی کی

حاتم کی تمنا ہے کہ ایسا تو سماوے
جاگہہ نہ رہے دل میں پھر اللہ کسی کی

زمین ولی در ۱۱۸۲ھ[۱]

آتا ہے جب سوار ہوا وہ کٹار بند
عاشق کے سر کو اُس کا تکے ہے شکار بند

چاہوں کہ درد دل میں کہوں اس کے روبرو
ہو جائے ہے زباں مری بے اختیار بند

ہر بند کی گرہ سے[۲] مرے دل میں ہے گرہ
وا ہو گرہ جو کھول دے جامے کے[۳] یار بند

اتنے تو خوں تو نے کیے ہیں کہ خوں بہا
چلنے سے ہو گئی ترے تیغے کی دھار بند

چاہے تو زلف کا تری سلک گہر کی طرح
سو عاشقوں کے دل کو کرے ایک تار بند

---

(۱) نسخۂ رام پور ۱۱۸۴ھ، صفحہ ۳۰۱ پر حاشیے کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سن درست ہے یا کم از کم بعد میں اس میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔
(۲) میں (نسخہ رام پور) (۳) کا (انتخاب حسرت، صفحہ ۱۴)

آساں نہیں ہے عشق سے کشتی اے بوالہوس
ہیں عاشقی کے فن میں تو ناداں ہزار بند[۱]
ناصح تری تو بات میں آتی ہے منہ سے بو
بجرے(؟) تو اپنی فصد کھلا جا کے چار بند
دنیا تو ہے عجوزہ و بہتوں کی ہے جھٹیل
کب مرد کھولتے ہیں اس اوپر ازار بند
حاتم اُلٹ پلٹ سے زمانے کے غم نہ کھا
ہوتا نہیں جہاں کا کبھو کاروبار بند

زمین طرحی در ۱۱۸۲ھ

ماہ رو ہو صبح دم جب آفتاب آئینہ
عکس سے اُس کے دو چند ہو آب و تاب آئینہ
اُس پری کی بزم میں شاید ہوا تھا باریاب
تب تو عالم میں ہے[۲] روشن دل خطاب آئینہ
رات کو دیکھا تھا ہم نے خواب میں آئینہ رو
کس کا منہ دکھلائے گا تعبیر خواب آئینہ
سینہ صافوں کے کہاں وہ ہو سکے ہے روبرو
زنگ کا پردا ہے دل اوپر حجاب آئینہ
کل جو حاتم ہم نے کی آئینہ خانے میں نگاہ
تھا مقابل آئینہ باہم جواب آئینہ

---

(۱) نسخۂ رام پور میں اس کے بعد یہ شعر ہے :
دلّی میں آئے ایسے قدم سے جہاں پناہ   عالم کا سب طرح سے ہوا روزگار بند
اس شعر میں شاہ عالم ثانی کی طرف اشارہ ہے جو دس بارہ سال دیار شرق میں رہنے کے بعد یکم شوال ۱۱۸۵ھ (۶ جنوری ۱۷۷۲ع) کو اپنے دارالسلطنت میں واپس آئے تھے -
(۲) تب تو بخشا اس نے ...الخ (نسخۂ رام پور) -

زمین طرحی در ۱۱۸۲ھ

ہر سحر اٹھتے ہی کرتا ہے طلب آئینہ
لیے پھرتے ہیں تبھی ہاتھ میں سب آئینہ
گھر سے نکلے جو کبھو سیر کے تئیں وہ بت چیں
ہر قدم فرش کروں تابہ حلب آئینہ
نقش صورت کا پری رو کا رہے ہے شب و روز
دل بھی ہے صاف ضمیروں کا عجب آئینہ
ہے حسب اس کا تو ظاہر ولے پہنچاوے ہے
اپنی یک پشت بہ سیماب نسب آئینہ
صبح سے شام تک اک دم نہیں ہوتا ہے جدا
اس کے زانو سے ہے گستاخ غضب آئینہ
عکس عارض سے وہ ہو جائے ہے صد رشک چمن
روبرو آئے ہے اُس شوخ کے جب آئینہ
سامنے اس کے تفاوت سے رہے ہے حاضر
کس مؤدب[1] سے یہ سیکھا ہے ادب آئینہ
اپنی چھب تختی جو دیکھے تو کرے کیوں نہ گھمنڈ
خود نمائی کا ہے خوباں کی سبب آئینہ
وہ ہے پر زنگ یہ ہے صاف نظر کر حاتم
ہو سکے دل کے برابر مرے کب آئینہ

۱۱۸۲ھ

کہیو زباں سے بات سمجھ کر جو ہوش ہے
دیوار کے بھی ہم نے سنا ہے کہ گوش ہے

---

(۱) اصل نسخے میں "مأدب"۔

دنیا کی چال ہم کو انوکھی نظر پڑی
دیکھا تو ہر قدم میں یہاں نیش و نوش ہے

میری برہنگی کا سبب ہم سے[1] کچھ نہ پوچھ
دستار و جامے تک گرو مے فروش ہے

مانند زلف کے تری، عاشق تمام عمر
جوں شام تیرہ بخت ہے، خانہ بدوش ہے

درپے ہے عیب جو ترے، حاتم تو غم نہ کھا
دشمن ہے عیب جو تو خدا عیب پوش ہے

زمین طرحی در ۱۱۸۲ھ

اے مرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
عشق کے گرمیٔ بازار کہاں جاتا ہے

کوئی بھی ڈھنگ[2] مروت کا ہے تجھ میں ظالم
چھوڑ کر ہم[3] کو تو بیمار کہاں جاتا ہے

ایک بھی ہاتھ سے تیرے نہ بچا ہے[4] قاتل
پھر لیے ہاتھ میں تروار کہاں جاتا ہے

خلق بدنام کرے گی تجھے، میں ڈرتا ہوں
نیم شب کو اے مرے یار کہاں جاتا ہے

زمین طرحی در ۱۱۸۳ھ

دور کر دل سے عُجب (و) کبر و غرور   حال شیطاں کا دیکھ گر ہے شعور

---

(۱) میری برہنگی کا سبب شیخ...الخ (نسخۂ رام پور)۔
(۲) رسم ۔ —ایضاً—
(۳) مجھ ۔ —ایضاً—
(۴) اے ۔ —ایضاً—

نحن و اقرب تو راست ہے لیکن وہ ہے نزدیک تجھ سے تو ہے دور
چشم باطن کے تیرے اَعمی ہیں ورنہ ظاہر ہے وہ نہیں مستور
من عرف نفسہ کی رمز کو بوجھ آپ کو جاننا تجھے ہے ضرور
شش جہت جس طرف نگاہ کرے سب طرف ہے یہاں اُسی کا ظہور
عشق اور حسن کی تجلّی دیکھ کہیں وہ نار ہے کہیں ہے نور
غیر حق تکیہ غیر پر کرنا
حاتم ہے عقل کا تری یہ قصور

زمین انعام اللہ خاں یقین ۱۱۸۳ھ[1]

دل میں یوں ہے تجھ[2] خیال چشم کے آنے میں دھوم
مچ رہی ہے جس طرح مستوں سے میخانے میں دھوم
تم نہ بولو گو کہ عاشق آپ کو ضائع کریں
جاں من ہوگی تمہارے منہ سے فرمانے میں دھوم
ایک تو فتنہ اٹھاوے تھی ترے کا کل[3] کی بو
تس اوپر ہوگی قیامت عطر ملوانے میں دھوم[4]
گل گریباں چاک اور غنچے ہوے ہیں غرق خوں
باغ میں ڈالی ہے تو نے پان کے کھانے میں دھوم[5]
اُس کی ہمت سے تو جی دینا تجھ اوپر کیا ہے دور
ہوئے گی پر شہر میں حاتم کے مر جانے میں دھوم

---

(۱) انتخاب حسرت میں یہ غزل ۱۱۵۳ھ کی ہے، صفحہ ۲۵ -
(۲) اس (انتخاب حسرت، ص ۲۵) -
(۳) تیری جوئی کی بو - —ایضاً—
(۴) اور بھی ہوگی قیامت عطر لگوانے میں دھوم —ایضاً—
(۵) کیا بلا ڈالی ہے تم نے جان پان کھانے میں دھوم —ایضاً—

زمین طرحی در ۱۱۸۳ھ

وہ روز عید ہے جس شب کہ ہو جانانہ پہلو میں
میں ہم آغوش ہوں جوں شمع کے پروانہ پہلو میں
کماں ابرو ترے ترکش کے قرباں ہوں کہ دستوں کے
لگایا تیر ایسا دل کے تا پر خانہ (؟) پہلو میں
میں مانع ہوں تجھے ملنے کا اپنے آشناؤں سے
یہ کیا (امکاں) کوئی بیٹھے ترے بیگانہ پہلو میں
کسو مکارہ مشاطہ نے اس کو سر چڑھایا ہے
کہ یوں گستاخ تری زلف کے ہے (شانہ) پہلو میں
خمار آلودہ ہے مجلس تنک ظرفی نہ کر ساقی
دھرا کب تک رکھے گا شیشہ و پیمانہ پہلو میں
بغل میں دل جنوں میں غرق ہے سودائے طفلاں سے
عجب صحبت ہے جو عاقل کے ہو دیوانہ پہلو میں
خدا رزاق ہے گھر بیٹھے حاتم رزق پہنچے ہے
قفس میں دیکھ ہے طائر کے آب و دانہ پہلو میں

زمین طرحی ۱۱۸۴ھ[1]

آگے کیا تم سا جہاں میں کوئی محبوب نہ تھا
کیا تمہیں خوب بنے اور کوئی خوب نہ تھا
ان دنوں ہم سے جو وحشی کی طرح بھڑکو ہو
یہ تو ملنے کا تمہارے کبھو اسلوب نہ تھا
نامہ بر دل کی تسلّی کے لیے بھیجوں ہوں
ورنہ احوال مرا قابل مکتوب نہ تھا

---

(۱) نسخہ رام پور ۱۱۸۲ھ انتخاب حسرت ۱۱۸۱ھ۔

طاقت اب طاق ہوئی تاب[1] و شکیبائی کی
کب تلک صبر کرے دل مرا ایوّب نہ تھا
غلبۂ عشق نے حاتم کو پچھاڑا آخر
زور میں اپنے وہ اتنا بھی تو مغلوب نہ تھا

در ۱۱۸۴ھ

ہے اب کی فصل ہر اک باغ میں بہار کا جوش
شمیم گل سے ہے باد نسیم عطر فروش
یہ سیر بلبل و قمری تمہیں مبارک ہو
کہ شاخ گل ہیں ہم آغوش و سرو ہیں ہم دوش
عجب طرح کی ہے گلشن میں آج گفت و شنید
کلی زباں کی صورت ہے گل ہے صورت گوش

زمین طرحی (۵)[2]۱۱۸ھ

کس طرح سے دن کٹا اور کس طرح سے رات کی
بے خبر کچھ ہے خبر تجھ کو مرے اوقات کی
اس جھمکّے سے تو آیا رات کو اے رشک ماہ
روشنائی شمع کی جلوے نے تیرے مات کی
چشم ومژگاں کی صفت لکھنے میں تیرے خوش نگہ
نیزۂ مژگاں قلم اور مردمک دوات کی
کیا کیا ایسا جو تیرے ساتھ کے کھاتے ہیں بل
راہ میں جاتے ہوئے جو تجھ سے اک دو بات کی

---

(۱) صبر (نسخہ رام پور، انتخاب حسرت صفحہ ٦)۔
(۲) سن کا پہلا ہندسہ کرم خوردہ ہے، اندازاً یہاں ۵ لکھا ہے۔

ابر میں تیرا تصور آگیا تھا دل میں جان
اس قدر روئے کہ بے موسم میں ہم برسات کی

ہم سفر کرتے ہیں کیا احساں ہو گر انگشتری
نام کو اپنی نشانی دو جو اپنے ہات کی

ایک مچّی[1] مانگتا ہے تم سے حاتم سا گدا
جانیو راہ خدا میں یہ بھی اک خیرات کی

زمین طرحی[2] ۱۱۸۵ھ[3]

ایذا دھند[4]، شوخ، ستم گار رہ گئے
دلدار اُٹھ گئے یہ[5] دل آزار رہ گئے

خوش حال وہ کہ جن کو ہوئی رخصت چمن
ہم جھانک رخنۂ دیوار رہ گئے

ہر تار زلف میں ہیں گرفتار صد ہزار
عالم ہوا تمام و کئی تار رہ گئے

ایسے لگاؤ کام ہمارا تمام ہو
یہ کچھ نہیں کہ کھینچ کے تروار رہ گئے

کہتے ہو امتحاں میں نہ ٹھہرا کوئی یہاں
گو سب گئے پہ ہم تو طلب گار[6] رہ گئے

گل چیں کے ہاتھ سے نہ رہی رونق چمن
گل نام کو نہیں ہے[7] خس و خار رہ گئے

---

(۱) بوسہ (انتخاب حسرت ص ۵۰)- (۲) زمین مرزا رفیع سودا (نسخۂ رام پور)-
(۳) ۱۱۵۵ھ (انتخاب حسرت، ص ۵۱) -
(۴) ایذا دھندہ (انتخاب حسرت، ص ۵۱) -
(۵) و (انتخاب حسرت، صفحہ ۵۱) -
(۶) . ہم تو سدا خوار رہ گئے (نسخۂ رام پور)-
(۷) گل نام کو رہا نہ ..الخ (نسخۂ رام پور) -

سودا میں حاتم ایسی ہے غلطاں تمام خلق
یاروں کی پوچھنے سے خبر یار رہ گئے

زمین طرحی ۱۱۸۵ھ

سب مخالف جب کنارے ہو گئے — ہم میں اور اس میں اشارے ہو گئے
آئے، اور بیٹھے نہ کچھ شکوا نہیں — یہ غنیمت ہے کہ بارے ہو گئے
جب چڑھ آئی رو برو فوج جنوں — ہم بھی سنمکھ ہو اتارے ہو گئے
ہجر نے اس کے جلایا اس قدر — داغ سینے پر انگارے ہو گئے
جانتے تھے اپنے ہم[1] ہوش و حواس — یک نگہ میں سب تمہارے ہو گئے
چشم تو تیغے تھے آگے ہی میاں — سرمہ دینے سے دو دھارے ہو گئے
کان کے موتی تری زلفوں میں رات — خلق کی نظروں میں تارے ہو گئے

جب ہوے حاتم ہم اس سے آشنا
دوست بھی دشمن ہمارے ہو گئے

۱۱۸۶ھ

اس دور کے اثر کا جو پوچھو بیاں نہیں
ہے کون سی زمیں کہ جہاں آسماں نہیں
اس درجہ دلبروں سے گئی رسم دلبری
دل ہاتھ پر لیے ہوں کوئی دلستاں نہیں
افسردہ دل تھا اب تو ہوا غم سے مردہ دل
جیتا ہوں دیکھنے میں ولے مجھ میں جاں نہیں
آداب صحبتوں کا کوئی ہم سے سیکھ لے
پر کیا کریں کہ طالب صحبت یہاں نہیں

---

(۱) ہیں (انتخاب حسرت، صفحہ ۵۰ و نسخۂ رام پور)۔

دل جل کے بجھ گیا ہے کسی نے نہ لی خبر
ہم سوختہ دلوں کا کوئی قدر داں نہیں
ہے کل کی بات سب کے دلوں میں عزیز تھا
پر ان دنوں تو ایک بھی دل مہرباں نہیں
ایسی ہوا بہی کہ ہے چاروں طرف فساد
جز سایۂ خدا کہیں دارالاماں نہیں
عالم کی ہے گی (رزق؟)[۱] الٰہی سے زندگی
تس پر بھی دیکھتا ہوں کہ بہتوں کو ناں نہیں
حاتم خموش لطف سخن کچھ نہیں رہا
بکتا عبث[۲] پھرے ہے کوئی نکتہ داں نہیں

زمین طرحی ۱۱۸۶ھ

زلف اس کی کال ہے کالا نہیں
تیغ ہے بانکی نگہ بھالا نہیں
یاں کے معشوقوں کی ہے جادو نگاہ
ہند ہے یہ سحر بنگالا نہیں
مے کشو شیشے لگاؤ منہ کے تئیں
مے تو ہے گو بزم میں پیالا نہیں
عشق بازی بوالہوس بازی نہ جان
عشق ہے یہ خانۂ خالا نہیں
کیوں نہ کھٹکے دل میں عاشق کے سدا
درد کا کانٹا ہے سروالا نہیں

---

(۱) متن میں "رخ"۔
(۲) بکتا تو کیوں الخ (انتخاب حسرت، صفحہ ۲۷)۔

ہم سے کس ناتے سے دشمن دوست ہو
دل میں سالی ہے کوئی سالا نہیں
ہرزہ بکتا ہوں مجھے معذور رکھ
مست لایعقل ہوں متوالا نہیں
دیکھ دیبی دت کی اے حاتم بہار
گل ہے سب پھولوں میں وہ لالا نہیں

زمین در ۱۱۸۷ھ[1]

اُس سے جب ہم دو چار ہوتے ہیں یک نگہ میں شکار ہوتے ہیں
حسرت پنجۂ حنائی سے جیب کے تار تار ہوتے ہیں
عید ہوتی ہے گھر مرے اس روز تجھ سے جب ہم کنار ہوتے ہیں
آ شتابی کہ ترے وعدے پر[2] دیر سے بے قرار ہوتے ہیں
تیری فرقت کے داغ سینے پر باعث یادگر ہوتے ہیں
گل رخاں بے سبب گلے کے مرے بات کہتے میں ہار ہوتے ہیں
سب ہیں معشوق اپنے مطلب کے بے غرض کس کے یار ہوتے ہیں
بحر غم سے نکال اے ساقی ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
حاتم ان سے نہ مل کہ یہ محبوب
دشمنِ دوست دار[3] ہوتے ہیں

زمین طرحی ۱۱۸۷ھ

درپۓ دل وہ آفت جاں ہے جس کے کوچے میں روز طوفاں ہے
گھر نہیں اس کا خون مردم سے زور قصاب کی سی دوکاں ہے

---

(۱) نسخۂ رام پور ۱۱۷۸ھ۔
(۲) آئیو گا شتاب وعدے پر (نسخہ رام پور)۔
(۳) آفت روزگار (نسخۂ رام پور)۔

دل میں جاگہہ نہیں کسی کی کہ آج اس کا پیکان تیر مہماں ہے
دور میں اس کی چشم مے گوں کے مے کدہ بیخ و بن سے ویراں ہے
رات اور دن فراق میں اس کے چشم گریاں ہے سینہ بریاں ہے
ہر قدم پر ہمیں ہے سیر بہشت اس کا ہر نقش پا گلستاں ہے

حاتم اس دور کے امیروں میں
حاتم وقت[1] ضابطہ خاں ہے

زمین طرحی ۱۱۸۷ھ

نے کعبہ کی ہوس نہ ہوائے کنشت ہے
دیکھا تو دونو جاے وہی سنگ و خشت ہے
آئینہ کی نظر میں تو دونوں ہیں ایک سے
میری تیری نگہ میں اگر خوب و زشت ہے
جوہر نہیں جو دیکھو ہو شمشیر یار پر
اس کے شہیدوں کا یہ خط سرنوشت ہے
رونا مثال شبنم و جلنا مثال شمع
صبح دمسا ازل سے ہماری سرشت ہے
گر زاہدوں کو وعدۂ جنت ہوا تو ہو
مستوں کو کوے میکدہ حاتم[2] بہشت ہے

زمین طرحی محمد امان نثار ۱۱۸۸ھ

سفلوں کو تو نے بات میں چلتے لگا لیا
نکتے میں تیرے ظرف کو کم ظرف[3] پالیا

---

(۱) حاتم اس وقت ۔ الخ (انتخاب حسرت) -
(۲) "حاتم" کی بجائے "ھی یہاں" (مجموعہ نغز صفحہ ۱۹۰) -
(۳) نکتے میں تیرے ظرف کو ہم نے تو پا لیا (نسخہ رام پور، یہ غزل حاشیے پر ہے) -

باھل بتا کے ھم کو چلا تھا کسی کے پاس
ھم نے بھی زور راہ میں جاتے کو جا لیا

کھولی تھی زلف اس نے کہ دے مجھ کو پیچ میں
ناگہہ بلا سے خوب خدا نے بچا لیا

نرگس نے اس سے آنکھ لڑائی[1] تھی باغ میں
شرمندہ ھو کے سر کو پھر آخر نوا لیا

دنیا و دیں کا غم نہیں حاتم کو اے نثار
جب ھاتھ اس نے دونو جہاں سے اٹھا لیا

زمین طرحی در ۱۱۸۸ھ

اُسی کو خلق کہے ھے جہاں میں طالع مند
کرے جو دست گدا کی طرف کو ھاتھ[2] بلند

ھوا جو رزق مقدر سو ھو نہ کم نہ زیاد[3]
تلاش و فکر و تردد کیا کرو ھر چند

جسے نگاہ کیا ھے وہ اپنے مطلب کا
چہ آشنا و چہ خویش و برادر و فرزند[4]

گریز کرتے ھیں اس طرح مرد دنیا سے
کہ جیسے آنچ سے آتش کے بھاگتا ھے سپند

شکست دل کو جو پہنچے تو پھر نہ ھوئے درست
کوئی نہ کر سکے شیشہ شکستہ کو پیوند

---

(۱) ملائی (نسخہ رام پور) -
(۲) دست - [انتخاب حسرت صفحہ ۱۳ و نسخہ رام پور] -
(۳) ..سو ھو بیش نہ کم —ایضاً—
(۴) چہ آشنا چہ برادر چہ خویش و چہ فرزند (انتخاب حسرت) -

ق : جو دیکھا مجھ کو خرابات میں تو زاہد نے
کہا کہ حیف ہے حاتم کہ تجھ سا دانش مند
نہ خوف تجھ کو خدا کا نہ ڈر ہے دوزخ کا[۱]
کہ اس طرح سے جو بیٹھا ہے تو یہاں خورسند
دیا جواب اُسے میں کہ اے مرے صاحب
یہ شعر حافظ شیراز ہے جو ہوئے[۲] پسند
''نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحقّ کرامت گناہگارانند''

زمین طرحی ۱۱۸۸ھ

جوش مستی پھر کہاں مستو جوانی پھر کہاں
میکدے میں جا کے وہ[۳] دھومیں مچانی پھر کہاں
کر لے رنگ رلیاں تو اے بلبل کہ جاتی ہے بہار
چار دن کو یہ گل و گلشن فلانی پھر کہاں
خاکساری کر کہ آخر خاک ہونا ہے تجھے
یہ اکڑ چلنا ترا یہ سج بنانی پھر کہاں
عدل سے کر سلطنت اے دل تو تن کے ملک میں
وقت فرصت بوجھ لے یہ حکم رانی پھر کہاں
کیا ہوا حاتم تجھے جینے سے اُکتایا ہے کیوں
دم غنیمت جان مشفق زندگانی پھر کہاں[۴]

---

(۱) تجھے نہ خوف خدا کا نہ غم ہے دوزخ کا - (۲) ہووے [نسخہ رام پور] -
(۳) یہ (مجموعہ نغز صفحہ ۱۸۸) -
(۴) انتخاب حسرت (ص ۳۳) اور مجموعہ نغز (ص ۱۸۸) میں یہ شعر یوں ہے :
(مجموعہ نغز میں "کیا کہوں...الخ")
کیا ہوا تجھ کو تو اب جینے سے اکتایا ہے کیوں
دم غنیمت جان حاتم زندگانی پھر کہاں

۱۱۸۸ھ

جو مرے ہم عمر و ہم صحبت تھے سو سب مر گئے
اپنی اپنی عمر کا پیمانہ ہر یک بھر گئے
پوچھتے کیا ہو گناہوں کے گرفتاروں کا حال
خشک زاہد تھے سو اس جاگہ سے دامن تر گئے
ہاتھ سے صیاد کے ثابت نہ چھوٹا ایک صید
بال و پر رکھتے تھے سو بے بال اور بے پر گئے
یہ قمار عشق ہے اے بوالہوس بازی نہ جان
سر گئے بہتوں کے اور بہتوں کے اس میں گھر گئے
ہم نے ہستی اور عدم کی آکے کی ہے خوب سیر
رسم و آئیں دیکھ ان لوگوں کا از بس ڈر گئے
ایک جو آیا اسے لے گود میں دی گھر میں جا
دوسرے کو کاڑھ کر گھر سے زمیں میں دھر گئے
تم کہو اپنی میاں حاتم کہ ہو کس فکر میں
اور جو آئے جنے' جیسی بنی سو کر گئے

زمین طرحی در ۱۱۸۹ھ

تیری نگہ سے آہ جو ہونا تھا ہو گیا
یہ تیر ناگہاں مرے دل کو پرو گیا
ملک عدم سے دہر کے ماتم کدہ کے بیچ
آیا نہ کون کون کہ رونا نہ رو گیا
تیری طرف چلا تھا کہ طالع کے ضعف سے
پہلے قدم کے رکھتے میرا پاؤں سو گیا

ہووے گا عاقبت کو اُمید ثمر اسے
س سر زمیں میں تخم عمل کا جو بو گیا
حاتم قمار خانے میں ہستی کے آن کر
رکھتا تھا جو بساط دم نقد کھو گیا

زمین (؟) ۱۱۸۹ھ

اے شمع کس کے اشک سے پر ہے لگن تمام
روئے ہے تو کہ غم سے ترے انجمن تمام
ایسا لہو پیا ترے پیکان تیر نے
سوفار کا بھی سرخ ہے اب تک دہن تمام
مژگاں کا اب ہجوم تصور ہے اس قدر
غربال ہو گیا ہے سراپا بدن تمام
پھلکاری کی بدن میں ترے دیکھ یک تہی[1]
سارے گلوں نے چاک کیے پیرہن تمام
نرگس نہیں شگفتہ نظر کر تو جان من
ہے چشم انتظار کی صورت چمن تمام
اتنا تو کہہ کہ گنج شہیداں کرو انہیں
مقتول خاک پر ہیں ترے بے کفن تمام
تیرے دہن کے وصف میں حاتم خموش ہے
ہوتا نہیں زباں سے لب تک سخن تمام

زمین طرحی ۱۱۸۹ھ

کیا ہوا گر شیخ یارو حاجی الحرمین ہے
طوف دل کا سر پر[2] اس کے دین و فرض عین ہے

(۱) نکہتی (انتخاب حسرت، ص ۲۶) -
(۲) طوف دل کا حق میں الخ (نسخہ رام پور)-

رات دن جاری ہیں کچھ پیدا نہیں ان کا کنار
مرے چشموں کا دوآبہ مجمع البحرین ہے

وقت فرصت دے تو مل بیٹھیں کہیں باہم دو دم
ایک مدت سے دلوں میں حسرت طرفین ہے

غیر جاوے اس کے گھر اور وہ نہ آوے گھر مرے
دونو بات اے دوستاں حق میں مرے خبرین ہے[۱]

آؤ اے ساقی شتابی آ کے شمع بزم ہو
ساری مجلس انتظاری میں تری بے چین ہے

دو قرن گزرے اُسے فکر سخن میں روز و شب
ریختے کے فن میں حاتم آج ذوالقرنین ہے

زمین طرحی ۱۱۹۰ھ

ہم فقیروں میں مرے بیٹھے ہیں   ترک دنیا کو کرے بیٹھے ہیں
دے کے دل ہاتھ ترے اپنے ہاتھ   ہاتھ پر ہاتھ دھرے[۲] بیٹھے ہیں
خانماں اپنا لٹا کر عاشق   ترے در پر نگھرے بیٹھے ہیں
کوئی اس وقت نہ بولو ان سے   آپ غصہ میں بھرے بیٹھے ہیں
دل تو تم پاس ہے گو مجلس سے   دور بیٹھے ہیں پرے بیٹھے ہیں
سو ہنر مند ہیں صحبت میں تری   ہم ہی اک بے ہنرے بیٹھے ہیں
کئی صاحب تیرے دروازے پر   جیسے مل کر نفرے بیٹھے ہیں

اس غضب ناک کی خو سے حاتم
چھپ کے کونے میں ڈرے بیٹھے ہیں

---

(۱) نسخۂ رام پور میں یہ شعر یوں ہے:
غیر جاوے اس کے گھر اور وہ آوے میرے گھر
دونو باتیں دوستاں حق میں مرے خبرین ہے
(۲) دئیے (مجموعہ نغز، صفحہ ۱۸۹)-

زمین طرحی ۱۱۹۰ھ

کون یہ سادہ و پرکار چلا جاتا ہے
کون اس سج سے طرحدار چلا جاتا ہے

ہم تری راہ میں جوں نقش قدم بیٹھے ہیں
تو تغافل کیے اے یار چلا جاتا ہے

خانہ جنگی کا تجھے زور پڑا ہے چسکا
روز دس بیس سے تروار چلا جاتا ہے

جس طرح موسم برسات میں جھڑ لگتی ہے
متصل اشک کا یوں تار چلا جاتا ہے

مشفقو! درد محبت کو مرے مت پوچھو
قرن گزرے وہی آزار چلا جاتا ہے

جنس دل عشق کے بازار میں ہے سوختنی
دیکھتا ہے جو خریدار چلا جاتا ہے

راہ میں غم زدۂ عشق کو کیا ٹونکو ہو
اپنی حالت میں گرفتار چلا جاتا ہے

عمر یوں جلد چلی جائے ہے جوں وقت غروب
دوڑتا سایۂ دیوار چلا جاتا ہے

تو جو کہتا ہے کہ حاتم کو یہاں بار نہیں
وہ تو گھر میں ترے سو بار چلا جاتا ہے

۱۱۹۰ھ

جس کے منہ کی اتر گئی لوئی غم نہیں اس کو کچھ کہو کوئی
بزم میں مجھ کو دیکھ کر گریاں شام سے شمع صبح تک روئی
رات میرے فغاں و نالے سے ساری بستی نہ نیند بھر سوئی

جا ختن تک صبا نے پہنچائی زلف مشکیں کی تیری خوشبوئی
گو رقیباں گلہ کریں چھپ کر چھپی رہتی نہیں ہے بدگوئی
شیخ نے آ کے بزم مستاں میں اپنی شیخی کی آبرو کھوئی
کبھو دیکھی نہ اس سے حاتم نے
دلبری، دل دہی و دل جوئی

زمین طرحی در ۱۱۹۱ھ

میں اپنے دست پر شب خواب میں دیکھا کہ اخگر تھا
سحر کو کھل گئی جب آنکھ میرا ہاتھ دل پر تھا
نہ تھی تا صبح کچھ حاجت چراغ و شمع و مشعل کی
ہماری بزم میں شب جلوہ گر وہ ماہ پیکر تھا
تری اک جنبش ابرو سے عالم ہو گیا ضائع
نظر کر جس طرف دیکھا تو جو دھڑ تھا سو بے سر تھا
تو اس رفتار و قد سے جس طرف گزرا مرے صاحب
ترے فیض قدم سے ہر قدم سرو و صنوبر تھا
نہ تھی پرواز کی طاقت سر دیوار گلشن تک
کہ جو طائر تھا سو صیاد کے ہاتھوں سے بے پر تھا
چلا جاتا تھا حاتم آج کچھ واہی تباہی سا
جو دیکھا ہاتھ میں اُس کے ترے شکوے کا دفتر تھا

زمین طرحی در ۱۱۹۱ھ

جہاں میں کوئی کسی کا رفیق و یار نہیں
کہے بھی کوئی کہ میں ہوں تو اعتبار نہیں
تو دیکھ ذرے سے تا مہر و ماہ و انجم تک
فلک سے چرخ میں ہیں ایک کو قرار نہیں

اگرچہ خاک ہوں پر آب چشم سے نم ہوں
کسی طرح سے کسی دل کا میں غبار نہیں
جسے نہ ہووے قدم بوس کی مرے خواہش
سو ایسا کوئی بیابان میں ایک خار نہیں
میں روز فکر و تردد تلاش کرتا ہوں
گلی میں اس کی کسی طرح سے گزار نہیں
تمام خلق ترے تیر کا نشانہ ہے
ہے کون دل جسے پیکاں کا انتظار نہیں
ہزار زندگی بخشے ہے آب چشمۂ خضر
ترے لبوں کے تو آگے وہ خوشگوار نہیں
اے ناصحا تو نصیحت نہ کر کہ ہوں مجبور
میں کیا کروں کہ مرا دل پر اختیار نہیں
میں کس اُمید پر حاتم بناؤں گھر کو یہاں
جہاں میں عمر کی بنیاد پائیدار نہیں

زمین طرحی ۱۱۹۱ھ

ہم کسی سے نہ کام رکھتے ہیں نہ پیام و سلام رکھتے ۸۰
میکدہ میں ہمیشہ سے دن رات شغل شرب مدام رکھتے ہیں
ننگ و ناموس سے گئے ہیں گزر گو ہمیں لوگ نام رکھتے ہیں
ضعف سے چل کے بیٹھ جاتے ہیں روز کوچ اور مقام رکھتے ہیں
سرو کا ذکر مت کر القمری[1] ہم بھی اک خوش خرام رکھتے ہیں
زلف و رخ کے ترے تصور میں ہم عجب صبح و شام رکھتے ہیں
تم سے مدت گزر گئی ہے کہ ہم ق آرزوے کلام رکھتے ہیں

(۱) اے قمری - (انتخاب حسرت، ص ۳۵)

یعنی تم ہم کو لو غلامی میں یہی مطلب تمام رکھتے ہیں
ناز سے مسکرا کے فرمایا تجھ سے ہم سو غلام رکھتے ہیں
شیخ دو چار پیر کا ہے مرید ہم بھی بارہ امام رکھتے ہیں
جائے اسباب دنیوی حاتم
ہم خدا ہی[1] کا نام رکھتے ہیں

زمین طرحی ۱۱۹۱ھ

حق کی قدرت کو جو خیال کرے دمبدم دل میں وجد و حال کرے
وہ خداوند ہے جسے چاہے پل میں ادنا کے تئیں نہال کرے
صاحب تخت و تاج کے سر کو بات کہنے میں پائمال کرے
اہل معنی نہیں ہے وہ درویش اپنی صورت سے جو سوال کرے
فقر میں شاہ اُس گدا کو کہو جو زبان سوال لال کرے
راہ حق میں خدا کے شیروں سے ہم تکی کب سگ و شغال کرے
شاہ حاتم بڑا قلندر ہے گھر میں تنکا نہیں خلال کرے

زمین طرحی در ۱۱۹۲ھ

سوزش پنہاں مرے دل کی سے کوئی محرم نہ تھا
جب تلک یہ دیدۂ غماز میرا نم نہ تھا
خوش گزرتا تھا ہمارا روز و شب یاروں کے ساتھ
عشق جب تک آشنا ہم سے نہ تھا کچھ غم نہ تھا
ہر قدم اوپر ترے کوچے میں تھے لاشوں کے ڈھیر
ہم نے جا ہر ایک کو دیکھا کسی میں دم نہ تھا
کیوں تکلّف سے سجا تو نے کمر میں نیمچا
قتل کو عاشق کے ابرو کا اشارا کم نہ تھا

---

(۱) خدائی [انتخاب حسرت، ۳۵]۔

مشورہ تو نے کیا تھا کل کریں گے قتل عام
متفق اس مصلحت میں سب تھے ایک حاتم نہ تھا

زمین طرحی در ۲(۹)[۱] ۱۱ھ

ہماری چشم کے آگے سے ایک عالم یہاں گزرا
جسے دیکھا سو خالی ہاتھ جو پیر و جواں گزرا
نہ جانا کس طرف گم ہو گیا ایسے رہے غافل
کہ آواز جرس سنتے ہی سنتے کارواں گزرا
تری مژگاں نے مارا بے مدد ابرو کی حیرت ہے
کہ دل کے پار میرے تیر کیوں کر بے کماں گزرا
نہ پہنچی کان تک آواز تیرے یہ تعجب ہے
مرا تو نالہ و شور و فغاں تا آسماں گزرا
نہ میں نے کچھ کہا تجھ سے نہ تو نے مجھ سے کچھ پوچھا
یوہیں دن رات ملتے مجھ کو تجھ کو مری جاں گزرا
کہانی کہتے کہتے حال کی اپنے فجر کر دی
تیرے دل میں بھی سن کر رحم کچھ اے نا مہرباں گزرا
عجب طالع ہیں میرے باوجود اس جانفشانی کے
جو کچھ میں نے کہا خدمت میں سو تم پر گراں گزرا
یہاں تک مجھ سے ناخوش تھا کہ بعد از مرگ بھی ظالم
جو میری خاک سے گزرا ہے تو دامن کشاں گزرا
مزا دنیا کا اپنی زندگانی تک ہے اے حاتم
جو ہم گزرے جہاں سے ہم نے جانا سب جہاں گزرا

(۱) سن میں ۹ کا ہندسہ پوری طرح واضح نہیں ہے -

زمین مرزا مظہر در ۱۱۹۲ھ

سحر کو آنکھ کھلتے لے کے ساقی مے کا جام آیا
ادھر جوں آفتاب صبح وہ مست مدام آیا
کسی معشوق کی شیخی نہیں جاتی ہے پیش اس کے
جو آیا رو برو سو دور سے کرتا سلام آیا
کیا تھا دن کا وعدہ رات کو آیا تو کیا شکوا
اسے بھولا نہیں کہتے جو بھولا گھر میں[۱] شام آیا
خلل آتے مچایا سرو اور قمری کے سودے میں
چمن میں جب لٹکتا ناز سے وہ خوش خرام آیا
وھیں مجلس سے اٹھ بھاگا شتابی بے دماغی سے
زباں پر جوں[۲] کسی کے اتفاقاً مرا نام آیا
دیا تب حق نے بدلا صبر کا جب یاس ھو بیٹھے
کہ اس کا نامہ بر کے ھاتھ ملنے کا پیام آیا
جواں مارا گیا حاتم بقول میرزا مظہر
''برا تھا یا بھلا تھا جس طرح تھا خوب کام آیا[۳]''

زمین طرحی در ۱۱۹۳ھ

ھے جب سے مرے سر پر فقر کا تاج ۔ قناعت کے کروں ھوں ملک میں راج
خسیسوں کے در اوپر فضل حق سے ۔ پھرا نہیں جوں گدا لجاج و سماج
خدا دیوے اگر تو بخش دوں میں ۔ وھیں ایک دم میں ھفت اقلیم کا باج
ھوا آزاد میں دنیا کے غم سے ۔ رکھے سب طاق پر اب کام اور کاج
بساط فقر بھی ھے طرفہ شطرنج ۔ کہ ھر بازی میں شہ کھاتا ھے لجاج
نہ کر کل کل جو کل گزرا سو گزرا ۔ نہ رکھ اُمید فردا کرلے کچھ آج
وفور ھمت عالی سے حاتم ۔ تو اپنے ھاتھ آپ ھوتا ھے محتاج

(۱) کو۔ (۲) جو۔ (۳) . الغرض جیسا تھا کام آیا [انتخاب حسرت صفحہ ۸]۔

زمین طرحی ۱۱۹۳ھ

میّسر فقر کا ہے جس کو دیہیم وہی ہے بادشاہ ہفت اقلیم
ہے جس کے تحت میں گنج قناعت نظر میں خاک ہے اس کے زرو سیم
جو ہیں خوف ورجا میں رات اور دن نہیں ان کو کسی سے دہشت و بیم
بزور فقر مارا نفس کافر فقیروں نے سمجھ کر راون و بھیم
بجز حق عیب کی کس کو خبر ہے اگر رمّال ہو یا اہل تنجیم
کرے مجلس میں جو اپنی تواضع ہے لازم آپ کو بھی اس کی تعظیم
مریدوں میں وہی ہوتا ہے کامل جو اپنے پیر سے پاتا ہے تعلیم

اب ہندوستاں کے درویشوں میں حاتم
ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

زمین مرزا رفیع سودا ۱۱۹۳ھ

جان و دل و دیں سب ہے فدا بلکہ یہ سر بھی
تو میری طرف دیکھے اگر ایک نظر بھی
یوں صاف ترا تیر نگہ سینہ سے گزرا
کھٹکا نہ جگر کو نہ ہوئی دل کو خبر بھی
کشتہ ہوں درازئ شب ہجر کا یا ربّ
بیٹھا ہوا تکتا ہوں کہیں ہوئی سحر بھی
ساقی یہ کھجوڑیں تیری بھاتی نہیں مجھ کو
کیا دیر لگاتا ہے پیالا کہیں بھر بھی
میں نفع سے بہتر اسے جانوں ہوں پیارے
جو عشق میں ہو تیرے مرے جی کا ضرر بھی
کیا ہوئے گا صاحب جو کرو بندہ نوازی
اس راہ میں جاتے دو قدم رنجہ ادھر بھی

ڈھونڈھا میں بہت صبح سے تا شام ہر ایک جا
نے کوچہ، نہ بازار، نہ پایا تجھے گھر بھی
ہر صبح ہے خورشید ترے در کا سلامی
ہر شام کو مشعل لیے حاضر ہے قمر بھی
کیا عشق کی آتش کا بیاں کیجیے حاتم
کچھ دل ہی نہیں بھنتا ہے جلتا ہے جگر بھی

تضمین مصرع مہربان خاں رند ۱۱۹۴ھ

اس منہ سے کلام کچھ نہ نکلا جز تیرا ہی نام کچھ نہ نکلا
قاصد کی زباں سے اس کے آگے پیغام و سلام کچھ نہ نکلا
دل جانے تھے عشق میں ہے پختہ تھا بسکہ یہ خام کچھ نہ نکلا
بازار سے آئے ہاتھ خالی کیسے میں سے دام کچھ نہ نکلا
چاہیں تھے کہ دیں کسی کو کچھ ہم گھر ڈھونڈا تمام کچھ نہ نکلا
یک عمر ہوے خراب پھرتے مجھ سے مرا کام کچھ نہ نکلا

حاتم کو خوش آیا مصرعۂ رند
"یا ربّ یہ غلام کچھ نہ نکلا"

زمین طرحی در ۱۱۹۵ھ

کُن کے کہنے میں جو ہوا سو ہوا رانڈ رونا نہ رو ہوا سو ہوا
جو ازل میں قلم چلی سو چلی بد ہوا یا نکو ہوا سو ہوا
رنج و راحت میں اختیار نہیں راضی ہو یا نہ ہو ہوا سو ہوا
یوں نہ یوں ہو، یوں ہوا سو کیوں کیا ہے یہ گفتگو ہوا سو ہوا
شکوہ قسمت کا شکوۂ حق ہے بک نہ خاموش ہو ہوا سو ہوا
ہاتھ آتا نہیں بغیر نصیب پاؤں پھیلا کے سو ہوا سو ہوا
جو مقدّر تھا ہو چکا حاتم فکر میں دم نہ کھو ہوا سو ہوا

زمین طرحی (۱۱۹۶ھ)[۱]

مرگ سے ہم دو چار بیٹھے ہیں | گور کے ہم کنار بیٹھے ہیں
روز و شب یک نفس نہیں فرصت | دم کے ہم پاس دار بیٹھے ہیں
دور کر دل سے کاروبار جہاں | بوجھ سر سے اتار بیٹھے ہیں
بحر میں ہستی و عدم کے یاں | دونو کے مانجھ دھار بیٹھے ہیں
[....... مرد ہیں جو دنیا کے ؟] (ق) `سر او .... لا] ت مار بیٹھے ہیں[۲]
طمع کے ہاتھ کو بغل میں دئیے | گھر میں پاؤں پسار بیٹھے ہیں
شیخ مثلوں سے ہم نہیں واقف (ق) | مدرسوں میں ہزار بیٹھے ہیں
جبر اور اختیار کی تو جان | ہم تو بے اختیار بیٹھے ہیں
اس جہاں کے قمار خانہ میں (ق) | جب سے ہم آ کے یار بیٹھے ہیں
عمر ہشتاد و پنج سالہ کو حیف | کیا دم نقد ہار بیٹھے ہیں

زندگی ہو چکی میاں حاتم
وقت کے انتظار بیٹھے ہیں

زمین طرحی ۱۱۹۶ھ

خلق کیوں کر نہ کہے دیکھ کے دیوانہ ہمیں
چھوڑ کر شہر جو خوش آئے ہے ویرانہ ہمیں
قدر دل سوختہ، دل سوختہ ہی جانے ہے
دوست رکھتا ہے تبھی بزم میں پروانہ ہمیں
مے کشو نشۂ دیدار سے ہم سرخوش ہیں
بس ہے اس دور میں یک گردش پیمانہ ہمیں

---

(۱) یہ غزل مخطوطے میں حاشیے پر ہے، اور کرم خوردہ ہے۔ سن میں چھ کا پہلا ہندسہ پڑھا جاتا ہے، باقی ہندسے غائب ہیں۔ البتہ دسویں شعر سے اس کا سن ۱۱۹۶ھ متعین ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ شعر بالکل کرم خوردہ ہے۔ پہلے مصرعے کے چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور دوسرے مصرعے کی ردیف اور قافیہ پڑھا جا سکتا ہے۔

شیخ تسبیح و مصّلا سے ترے کام نہیں
دل کے عقدے ہیں یہاں سبحہ صد دانہ ہمیں
کسے درکار ہے اب خانہ و دیوان خانہ
بس ہے گر رہنے کو حاتم در میخانہ ہمیں

زمین طرحی ۱۱۹۶ھ

رات دن یار بغل میں ہو تو گھر بہتر ہے
ورنہ اس گھر کے تو رہنے سے سفر بہتر ہے
گر لب خشک و دل گرم نصیبوں میں نہ ہو
تو دم سرد ہی اور دیدۂ تر بہتر ہے
گو نہ ہو فضل و ہنر مرد کو طالع ہیں شرط
یار طالع بھی نہ ہو تو بھی ہنر بہتر ہے
ہیں جو تجھ لب کے نمکداں کے نمک پروردہ
کب کہیں گے کہ ترے لب سے شکر بہتر ہے
شوخ ہے، بانکہ ہے، غنڈا ہے، بڑا ہت چھٹ ہے
پھر کے مت دیکھ اسے اک ہی نظر بہتر ہے
وہ جو تروار کو کھینچے ہوے آوے سر پر
سر سپر ہو نہ سکے، سینہ سپر بہتر ہے
قول اور فعل میں ہے اُس کے تفاوت حاتم
ایسے مکّار کی صحبت سے حذر بہتر ہے

زمین طرحی ۱۱۹۶ھ

کیا منہ کو دکھاویں گے اس رو کی سیاہی سے
تا مرگ رہے غافل ہم یاد الٰہی سے

جو فعل ہمارا ہے عصیاں سے نہیں خالی
باز آتے نہیں یا رب اب تک بھی مناہی سے
جو بحر میں وحدت کے ہو غرق (سو ہی)[1] جانے
دریا کی حقیقت کو جا پوچھ تو ماہی سے
یک بوریۂ کہنہ بستر کو کفایت ہے
کیا کام فقیروں کو ہے مسند شاہی سے
کچھ دور نہیں منزل اُٹھ باندھ کمر حاتم
تجھ کو بھی تو چلنا ہے کیا پوچھے ہے راہی سے

۱۱۹۷ھ (حاشیے پر)

بادشاہوں کو ہے گر تخت و چتر کا تکیہ
ہے فقیروں کے تئیں پیر کے در کا تکیہ
زور و زر چاہیے ہے اُن کو جو ہیں دنیا دار
ہم ہیں آزاد ہمیں زور نہ زر کا تکیہ
چاہیے تجھ سے گل اندام کا اب بستر خواب
سیج پھولوں کی ہو اور پریوں کے پر کا تکیہ
عشق نے دل کو مرے دیکھ کے بیمار و نحیف
سر تلے لا کے رکھا لخت جگر کا تکیہ
خاکساروں کو زمیں فرش خدا داد ہے یار
بستر اب دور کر ہم پاس سے سر کا تکیہ
ضعف پیری سے ہم آ بیٹھے ہیں تیرے در پر
بس ہمیں پشت بہ دیوار کمر کا تکیہ
آسرا غیر خدا ڈھونڈھے ہے کس کا حاتم
کیجیے چھوڑ اسے اور کدھر کا تکیہ

---

(۱) کرم خوردہ۔

۱۱۹۷ھ (حاشیے پر)

جو کوئی کہ یار و آشنا ہے رخصت کی مری اُسے دعا ہے
کیا بیٹھا ہے راہ میں مسافر چلنا ہی یہاں سے پیش پا ہے
امروز جو ہو سکے سو کر لے فردا کی خبر نہیں کہ کیا ہے
معشوق تو بے وفا ہیں پر عمر ان سے بھی زیادہ بے وفا ہے
دنیا میں تو خوب گزری حاتم
عقبیٰ میں بھی دیکھیے خدا ہے

طرحی ۱۱۹۷ھ (حاشیے پر)

صید دل جب سے ترے دام میں ہے قید پرواز سے آرام میں ہے
دیکھ کر چشم و دھن کو تیرے دل مرا پستہ و بادام میں ہے
وصل میں ایسی کہاں ہے لذت جو مزا نامہ و پیغام میں ہے
گم ہے گو دھر میں عنقا کا نشاں تو بھی وہ آرزوے نام میں ہے
دیکھ تو خانہ نشیں صبح وطن ہم غریبوں کا وطن شام میں ہے
(ق) ڈھونڈھتے کیوں ہو تم حاتم کے تئیں اپنے گھر (میں)[1] وہ کسی کام میں ہے
ہے سفر دور کا اس کو در پیش
اپنے چلنے کے سر انجام میں ہے

☆ ☆ ☆

---

(۱) کرم خوردہ۔

جدید اردو ٹائپ پریس، لاہور